سلسلۂ مطبوعات انجمنِ ترقیٔ اردو (ہند) نمبر ۲۰۸

تاریخِ مگدھ

(یعنی صوبۂ بہار کی مکمل تاریخ)

جس میں سنہ ۶۴۲ قبل مسیح علیہ السلام سے سنہ ۱۹۴۳ء (سنہ ۱۳۶۲ھ) تک تمام تاریخی واقعات و حالات مستند کتب تواریخ سے اخذ کر کے مسلسل اور مکمل طور پر اصل ماخذ کے حوالوں کے ساتھ تفصیل وار درج کیے گئے ہیں۔

مرتبہ

مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی

ریونیو افسر و مجسٹریٹ ریاست سرائے کیلا (اڑیسہ)

شائع کردہ

انجمنِ ترقیٔ اردو (ہند) دہلی

مطبوعہ دیال پرنٹنگ پریس دہلی
منیجر انجمن ترقی اردو (ہند) نے دہلی سے شائع کیا

طبع اول ۱۰۰۰ سنہ ۱۹۴۴ء

قیمت مجلد صہ ۱۲ر بلا جلد للعہ ۱۲ر

سلسلۂ مطبوعاتِ انجمنِ ترقیٔ اُردو (ہند) نمبر ۲۰۸

تاریخِ مگدھ

(یعنی صوبۂ بہار کی مکمل تاریخ)

جس میں سنہ ۶۳۲ قبل مسیح علیہ السلام سے سنہ ۱۹۴۳ء (سنہ ۱۳۶۲ھ) تک
تمام تاریخی واقعات وحالات مستند کتب تواریخ سے اخذ کر کے
مسلسل اور مکمل طور پر اصل ماخذ کے حوالوں کے ساتھ تفصیل وار
درج کیے گئے ہیں۔

مرتبہ

مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی

ریونیو افسر و مجسٹریٹ ریاست سرائے کیلا (اڑیسہ)

شائع کردہ

انجمنِ ترقیٔ اُردو (ہند) دہلی

۱۹۴۴ء

فہرست مضامین

باب پنجم

بت شکن برہمن راجا سسانیکا کے حملے اور سنہ ۷۳۰ء تک متفرق حالات

باب ششم

پال خاندان کی حکومت سنہ ۷۳۰ء تا سنہ ۱۱۹۷ء

باب دہم

بہار میں سلاطین شرقیہ کی حکومت

باب یازدہم

بہار میں پٹھانوں کی حکومت

باب ہفت دہم

بہار کا بنگالے کے شامل ہونا اور صوبے داروں کی منصوبے بازی

باب نوزدہم

انگریزی حکومت بحیثیت شاہی دیوان ۱۷۶۵ء تا ۱۸۵۷ء

(مطبوعہ دیال پرنٹنگ پریس، دہلی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

کسی مقام کی عظمت اس کی تاریخی قدامت یا کسی مذہبی یا سیاسی اہمیت کے سبب ہوتی ہے، اور اس اعتبار سے مگدھ (صوبہ بہار) کی سرزمین جس پر گیری بجّ (قلعہ راج گیر) پاٹلی پتر، پٹنہ، (عظیم آباد) کی بنیادیں قائم ہوئیں ہندستان کی تاریخ میں نہایت عظیم الشان مقام ہے۔

رامائن اور مہابھارت کے بیان کے مطابق اس زمانے میں یہاں صرف آبادی ہی نہ تھی بلکہ ایک ذی اقتدار راجا کی باقاعدہ حکومت موجود تھی۔ راج گیر میں بن گنگا نالے کے متصل جو قدیم قلعے کی سنگین فصیل کے آثار پائے جاتے ہیں ڈاکٹر رس ڈیوڈس کی تحقیق میں سارے ہندستان میں یہی قدیم ترین سنگیں دیوار ہے جس کا وجود اب تک باقی ہے۔[۱]

مذہبی حیثیت سے دُنیا کے دو مشہور مذاہب (یعنی بودھ دھرم اور جین دھرم) کا آغاز اور ان کی نشو و نما اسی سرزمین میں ہوئی اس لیے کروڑوں نفوس اس کو مقدس و متبرک مقام مانتے ہیں۔

تاریخی اور سیاسی طور پر ہندستان میں اوّل اوّل یہیں ایک باضابطہ اور منظم حکومت ۳۲۰ء قبل مسیحؑ کے قریب راجا چندر گپت نے قائم کی جس نے ہندستان کے اور راجاؤں کو بھی مطیع کر لیا تھا۔ اس کے بعد اس کے پوتے اشوک اعظم

---

[۱] بدھسٹ انڈیا صفحہ ۳۸

کی طرزِ حکومت بھی دُنیا کی تاریخ میں عدیم المثال ہے۔ اور انھی کے عہد میں پاٹلی پتر ایسی وسیع مملکت کا دارالحکومت تھا جس کی حدود جزیرہ نمائے ہند سے سرحدِ ایران تک پھیلی ہوئی تھیں۔

اس مگدھ دیس کا نام آٹھویں صدی عیسوی کے آخر زمانے میں تبدیل ہو کر بہار ہو گیا جس کی کیفیت باب ششم میں ایک عنوان کے تحت میں درج کی گئی ہے۔ اس ملک میں اسلامی حکومت قائم ہونے سے پہلے ہی مگدھ کا نام بہار ہو چکا تھا اس لیے مسلمان مورخوں نے سلطان شہاب الدین غوری کے عہد سے سوری پٹھانوں کے زمانے تک اپنی تاریخوں میں اس سرزمین کو بہار یا قطعہ بہار یا ولایتِ بہار سے تعبیر کیا ہے۔ سلاطین مغلیہ کے دور میں اکبر شاہ نے اسی کو "سرکارِ بہار" سے موسوم کیا اور اس کے بعد اس کے بیٹے جہانگیر نے اوّل اوّل صوبے کا لقب ایجاد کیا جو بہار کے ساتھ ضم ہو کر اب تک زبان زد ہے۔

مردم خیزی میں اس سرزمین کو ایک امتیازی رتبہ حاصل ہے جس طرح ۳۲۲ق م کے قریب چندرگپت موریا نے ایک معمولی شخص کی حیثیت سے ترقی کر کے مگدھ سے سرحدِ ایران تک اپنی سلطنت قائم کی اسی طور پر سولھویں صدی عیسوی کے وسط میں یہاں کا ایک باشندہ فرید خاں ملقب بہ شیر شاہ معمولی جاگیردار کی حیثیت سے ترقی کر کے سارے ہندستان کا بادشاہ ہوا۔

گزشتہ تین صدیوں کے اندر سلاطین مغلیہ کے آخری دور میں یہی صوبہ مغل بادشاہوں اور شہزادوں کی جولاں گاہ رہا ہے۔

شاہ جہاں نے ایامِ شہزادگی میں اپنے باپ جہاں گیر سے باغی ہو کر بہار و بنگالہ پر قبضہ کیا۔ چناں چہ اسی ہنگام میں قلعہ رہتاس (صوبہ بہار) میں شاہ زادہ مراد پیدا ہوا۔ شاہ جہاں کی زندگی کے آخری دنوں میں اورنگ زیب کے نامی

جنرل معظم خاں میر جملہ اور شاہ زادہ شجاع کے معرکے بھی اسی صوبے بہار سے شروع ہوئے۔ سلطنتِ مغلیہ کے آخری دور میں فرخ سیر کی تاج پوشی اوّل اوّل عظیم آباد پٹنہ ہی میں ہوئی۔ مغلوں کی حکومت کا آخری جلوہ بھی صوبہ بہار میں شاہ عالم کی معرکہ آرائیوں پر تمام ہوا۔

پیشِ نظر کتاب میں سنہ ۶۴۲ قبل مسیح سے سنہ ۱۹۴۲ء تک اس سرزمین کے متعلق تمام تاریخی واقعات وحالات مستند تواریخِ کتب سے اخذ کرکے مسلسل ومکمل طور پر اصل ماخذ کے حوالوں کے ساتھ تفصیل وار درج کیے گئے ہیں۔ سلسلۂ بیان میں مگدھ و بہار کے علاوہ بنگالہ اور بعض حصصِ ہند کا ذکر بھی ضمناً آگیا ہے اس لیے کہ بعض زمانوں میں عموماً سارے ہندستان کی تاریخ اور بالخصوص بنگالہ کی تاریخ اس سرزمین کی تاریخ سے وابستہ رہی ہے۔

سنہ ۳۲۰ ق م تک مگدھ کے حالات اہلِ ہند کی مذہبی اور بعض مقبول عام کتب میں خصوصیت کے ساتھ مذکور ہیں۔ اس کے بعد سے موریا خاندان کی حکومت شروع ہوئی اور اس زمانے میں مگدھ کا دار الحکومت سارے ہندستان کا دار الحکومت تھا اور یونانیوں کے بھی اس مُلک سے سیاسی تعلقات تھے اس لیے ان کی تاریخوں میں بھی پاٹلی پتر اور اس کے حکمران کے حالات واضح طور پر مذکور ہیں۔ موریا خاندان کے بعد سنہ ۱۸۵ ق م سے سنہ ۷۳ ق م تک سونگا خاندان اور سنہ ۷۳ ق م سے سنہ ۲۷ ق م تک کانوا خاندان نے مگدھ میں حکومت کی اور ان کی تباہی پر تخمیناً تین صدیوں تک مگدھ مختلف فاتحوں کی جولان گاہ نظر آتا ہے۔ اس مدت میں نہ صرف مگدھ بلکہ سارے ہندستان کی تاریخ بڑی چھان بین اور چھان پھٹک کی محتاج ہے۔

تیسری صدی عیسوی کے اختتام کے قریب مگدھ میں گپتا خاندان کی حکومت

شروع ہوئی۔ اس خاندان کا تیسرا راجا سمدر گپتا جس کو ڈاکٹر اسمتھ نے ہندستان کا نپولین قرار دیا ہے، عظیم الشان راجا تھا۔ اس کے عہد میں مگدھ کی قسمت نے پھر کروٹ لی۔ مگر اس کے بیٹے نے بعض وجوہ سے بجائے پاٹلی پتر کے اجودھیا کو دارالحکومت بنایا۔ اس وقت سے پاٹلی پتر کی رونق میں کمی آگئی۔ اتفاقاً اسی زمانے سے مگدھ میں چین کے جاتری آنے لگے جن میں فاہیان اور یوان چوانگ (ہیونگ ٹسانگ) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں کیوں کہ بیشتر انھیں سیاحوں کی تحریر سے آثارِ قدیمہ کا سراغ پایا گیا ہے۔ گپتا خاندان ہی کے عہد میں پانچویں صدی عیسوی میں نالندہ کی مشہور و معروف درس گاہ قائم ہوئی جو بودھ دھرم کی تعلیم کے لیے ہندستان سے چین تک علوم کا مرکز اور طالبِ علموں کا مرجع تھی۔ گپتا خاندان نے ساتویں صدی عیسوی کے کچھ بعد تک حکومت کی لیکن ان کی حکومت کا آخری زمانہ کچھ بے رونق سا نظر آتا ہے۔ سنہ ۶۰۰ء کے قریب کارن سوارن (بنگالہ) کے راجا سسانکا نامی نے مگدھ پر چڑھائی کر کے بودھ دھرم والوں کی عبادت گاہوں اور زیارت گاہوں کو خاک میں ملا دیا اور اس مذہب کی ایسی بیخ کنی کی کہ بودھ گیا کے مقدس درخت کو جس کے سائے میں حضرت گوتم بدھ کو حقانیت اور روشن ضمیری حاصل ہوئی تھی۔ جڑ سے کاٹ کر جلوا دیا۔

سنہ ۷۳۰ء کے قریب بنگالہ کے پال نامی راجا نے مگدھ پر قبضہ کر لیا۔ راجا پال کے بعد اس کے درثا نے چار صدیوں سے زیادہ حکومت کی۔ لیکن اس خاندان کے آخری راجا حکومت کے اہل نہ تھے اور اسی زمانے میں مسلمان فاتحوں کا سیلاب ہندستان کے مشرقی علاقوں تک پہنچ گیا تھا۔ سنہ ۱۱۹۰ء کے قریب اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی نے بہار فتح کر کے اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی جو چھ سو برس سے زیادہ مسلمانوں کے قبضۂ اقتدار میں رہ کر سلاطینِ مغلیہ کے

زوال کے بعد بالآخر انگریزوں کے ہاتھ آئی۔

فاتح بہار محمد بن بختیار نے بہار فتح کرنے کے چند سال بعد بنگالہ فتح کرکے شہر لکھنوتی (گوڑ) کو بہار و بنگالہ کا دارالحکومت بنایا۔ ۱۲۲۴ء تک بنگالہ کے ساتھ بہار کا پیوند قائم رہا مگر حکامِ بنگالہ کی خودسری کے سبب ۱۲۲۵ء میں سلطان التمش نے بہار کو بنگالہ سے جدا کرکے ولایتِ بہار کے لیے علیحدہ حاکم مقرر کیا لیکن یہ نظم چند دنوں سے زیادہ قائم نہ رہ سکا، اور حاکمِ بنگالہ نے پھر بہار کو بنگالہ کے شامل کرلیا، اسی طور پر ۱۳۲۴ء میں غیاث الدین تغلق نے ترہت پہنچ کر بہار و بنگالہ کے لیے علیحدہ علیحدہ حکام مقرر کیے لیکن یہ نظم بھی ناپائدار ٹھیرا اور امرائے بنگالہ کی بغاوت اور خانہ جنگی حاجی الیاس کی خودسر حکومت کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ حاجی الیاس نے بنگالہ کے علاوہ ترہت اور بعض حصصِ بہار پر بھی قبضہ کرلیا تھا اس کے ورثا نے تخمیناً ۱۳۹۰ء تک آزادانہ حکومت کی۔ انھیں میں اس کا پوتا غیاث الدین اعظم شاہ تھا جس کے دربار کے اشتیاق میں بلبلِ شیرازیوں زمزمہ پرداز ہے۔

حافظ ز شوقِ مجلسِ سلطان غیاث دین   خامش مشو کہ کارِ تو از نالہ میرود

تغلق خاندان کے آخری بادشاہوں میں سلطان محمود نے ۱۳۹۴ء میں جونپور سے بہار تک تمام مشرقی علاقوں کی حکومت اپنے معتمد خاص ملک سرور ملقب بہ سلطان الشرق کو تفویض کی۔ سلاطین شرقیہ نے ایک صدی کے قریب صوبہ بہار پر حکومت قائم رکھی۔ ۱۴۹۵ء کے قریب سلطان سکندر لودی نے حسین شاہ شرقی کو شکست دے کر بہار کی حکومت ایک پٹھان سردار کے سپرد کی۔ سکندر لودی کے بعد ابراہیم لودی کے عہد سے صوبہ بہار کے پٹھان حکام نے خودسر ہوکر حکومت کی۔ انھی میں صوبہ بہار کا باشندہ فرید خاں (شیر شاہ) سور تھا جس نے سلطان بنگالہ کا استیصال کرکے ہمایوں پسر بابر شاہ کو شکستِ فاش دی اور آخرالامر

سارے ہندستان کا بادشاہ ہوا۔ ابراہیم لودی کو شکست دینے کے بعد بابر شاہ کا صوبۂ بہار میں قصبہ منیر تک آنا تاریخ میں صریح طور پر مذکور ہے۔

بہرکیف سوریوں کا دور ختم ہونے پر ۱۵۶۲ء کے قریب سلیمان خاں کرارانی نے خود مختار ہو کر بہار و بنگال میں آزادانہ حکومت شروع کی لیکن اُس زمانے میں سلطنتِ مغلیہ کا عروج شروع ہو گیا تھا اس لیے سلیمان خاں کا بیٹا داؤد خاں خود مختارانہ حکومت کو قائم نہ رکھ سکا اور ۱۵۷۴ء میں اکبر شاہ نے خود پٹنہ آ کر داؤد کو شکستِ فاش دی اور بالآخر تمام بہار و بنگالہ سلطنتِ مغلیہ کی قلمرو میں شامل ہو گیا۔ سلاطین مغلیہ میں اکبر نے بہار کو بنگالہ کے شامل رہنے دیا لیکن جہاں گیر کے عہد سے صوبہ بہار کے لیے علیحدہ صوبے دار مقرر ہوتے رہے اور یہی نظم اورنگ زیب کے آخری زمانے تک کم و بیش قائم رہا۔

۱۷۳۰ء میں محمد شاہ بادشاہ نے صوبۂ بہار کو پھر بنگالہ کے شامل کر دیا اسی وقت سے صوبے داروں نے اپنی منصوبے بازی سے بہار و بنگالہ کی حکومت کو ذاتی و موروثی حکومت بنانے کی کوشش کی اور سلطنتِ مغلیہ میں بھی اتنا دم نہ تھا کہ ان کی مدافعت کرتی۔

اٹھارھویں صدی کے وسط میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے تجارت کے علاوہ مُلک کے سیاسی و فوجی امور میں بھی حصّہ لینا شروع کر دیا تھا۔ حکومتِ بنگالہ نے اس کو روا رکھنا کسی طرح گوارا نہ کیا اس لیے انگریزوں سے خواہ مخواہ مقابلہ کی نوبت آئی۔ کلائیو نے نواب سراج الدولہ کے مخالفوں سے خفیہ ساز باز کر کے نواب کو شکست دی اور اس وقت سے بہار و بنگالہ کے نظم میں انگریزوں کا ہاتھ کام کرنے لگا۔ لیکن جن نوابوں کی حکومت کا دار و مدار انگریزوں کی پُشت پناہی پر منحصر تھا انھیں میں میر قاسم ایک ایسا خود سر حکمراں نکلا جس نے کسی

طرح انگریزوں کے بے جا تسلط کو پسند نہ کیا۔ اور بہ زور ان کے استیصال کا قصد کیا۔ چند معرکوں کے بعد میر قاسم کے شکست کھانے پر ۱۷۶۵ء میں لارڈ کلایو نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے شاہ عالم سے دیوانی کا فرمان لکھوالیا اور اس زمانے سے ۱۸۵۷ء کے غدر تک کمپنی نے حکومت کا نظم جاری رکھا۔ غدر کے بعد کمپنی کے تمام مقبوضات براہِ راست سلطنتِ برطانیہ کے قبضے میں لے لیے گئے۔ انگریزوں نے سابق نظم میں کسی تبدیلی کو مناسب نہ سمجھا اس لیے ۱۹۱۱ء تک بہار بنگالہ کے شامل رہا لیکن بنگال میں سیاسی ہیجان پیدا ہونے کے سبب شہنشاہ جارج پنجم نے اپنی تاج پوشی کے موقع پر سیاسی اصلاحات کے سلسلے میں یہ بھی اعلان کیا کہ صوبہ بہار بنگال سے جدا ہوکر بہار واڑیسہ ایک علیحدہ صوبہ قرار دیا گیا۔ لیکن یہ تبدیلی بھی کچھ پائدار ثابت نہ ہوئی اور ۱۹۳۵ء کی اصلاحات کے نفاذ کے ساتھ اڑیسہ ایک جداگانہ صوبہ قرار دیا گیا۔

بہرکیف اس مختصر دیباچہ میں اجمالی طور پر تاریخی واقعات و حالات کا ذکر کرکے اصل کتاب سے ناظرین کا تعارف کرانا مقصود ہو۔ تفصیل کے لیے اصل کتاب کے تمام صفحات اہلِ شوق کی توجہ کے محتاج ہیں۔

پیشِ نظر کتاب کے علاوہ اسی سلسلے میں دو کتابیں اور بھی زیرِ ترتیب ہیں جو عنقریب انشاء اللہ ناظرین کی نظر سے گزریں گی۔ اوّل الذکر کتاب میں مگدھ پاٹلی پتر، بہار و عظیم آباد پٹنہ کے جغرافی حالات سرزمین کی ہیئت آثارِ قدیمہ اور عمارات کی کیفیت اور سینکڑوں کتبے جو بڑی جستجو اور محنت سے حاصل ہوئے ہیں درج کیے گئے ہیں اور آخر الذکر کتاب میں تمام مشاہیرِ وطن کے حالات مرتب کیے گئے ہیں۔

احوالِ ما ز حوصلہ نامہ بیش بود　　　لختے ز حالِ خویش بہ سیما نوشتہ ایم

بخشی محلہ پٹنہ سٹی۔　　　راقم فصیح الدین بلخی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ مگدھ، پاٹلی پتر، بہار، وعظیم آباد پٹنہ

(یعنی صوبہ بہار کی مکمل تاریخ)

باب اوّل

(ابتدائی حالات اور ۶۴۲ قبل مسیح سے نند خاندان کی حکومت ۳۲۲-۱۹ قبل مسیح تک)

(۱) ابتدائی حالات

کسی مقام کی تاریخ کا آغاز اس زمانے سے ہونا چاہیے جب سے وہاں انسان کی آبادی پائی گئی ہو لیکن انسان کب اس سرزمین میں آباد ہوا، اس کا سراغ لگانے کے لیے اُس وقت کے قلم بند کیے ہوئے تاریخی حالات تو کہیں موجود نہیں۔ اب جو کچھ کسی پرانی کتاب یا قدیم آثار کو دیکھ کر قیاس کیا جائے اسی سے ابتدا ہو سکتی ہے۔

عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ ہندستان میں علم و تہذیب اول اول آیرین یعنی ہندوؤں کے آنے پر شروع ہوئی لیکن حال میں سرجان مارشل

(SIR JOHN MARSHALL) اور سٹرارنسٹ میکے (MA ERNEST MACKAY) نے دریائے سندھ کی ترائی کے قریب مہنجوداڑو (سندھ) اور ہڑپا (پنجاب) میں قدیم شہراور آبادی کے آثار کھود کر نکالے ہیں جن میں مرد و عورت کی تصویریں۔ خوش نما اینٹیں۔ کھلونے۔ برتن۔ مہریں اور بعض چیزیں جن پر کچھ عبارت بھی لکھی ہوئی ہو۔ دو منزلے اور سہ منزلے مکان۔ پختہ راستے۔ بڑے بڑے زمین دوز نالے وغیرہ وغیرہ اتنی کافی چیزیں منظرِ عام پر آگئی ہیں جن سے شہر اور اہلِ شہر کی طرزِ معاشرت کا پورا اندازہ ہوسکتا ہو۔ اور یہ بات صریح طور پر ثابت ہوگئی ہو کہ یہ چیزیں پانچ ہزار برس سے کم کی نہیں ہوسکتیں۔ اور ایرین قوم کے یہاں آنے سے پہلے مصر فلسطین اور عراق کی طرح یہاں بھی تہذیب و شائستگی کا ایک دور گزر چکا ہو۔[1]

ڈاکٹر رس ڈیوڈس نے لکھا ہو کہ "ایرین لوگوں کو بتدریج ہندستان فتح کرلینے میں جن قوموں سے سروکار رہا ان کو وحشی سمجھ لینا قدیم ہندستان کے متعلق تاریخی نتائج پر پانی پھیرنا ہو، بعض قبیلے ایسے بھی تھے مثلاً پہاڑی قبیلے۔ خانہ بدوش لوگ۔ جنگل کے شکار پر گزارا کرنے والے وغیرہ، لیکن ان کے علاوہ متمدن فرقے بھی موجود تھے جن کی سوشل حالت اعلیٰ درجے کی منظم تھی اور مال و دولت بھی اس قدر کافی رکھتے تھے کہ فاتحوں کی حرص کو ابھار سکے۔ ان میں اکثر امن و آسایش کی زندگی کے ایسے خوگر ہوگئے تھے کہ جنگ کی صورت میں طوالت پیدا ہونے پر زیادہ عرصے تک تاب مقاومت نہ لاسکتے تھے لیکن بایں ہمہ اتنے طاقت ور ضرور تھے کہ بعض صورتوں میں اپنی آزادی کو ایک حد تک قائم رکھ سکیں

---

[1] تفصیل کے لیے سرجان مارشل کی کتاب مہنجوداڑو اینڈ انڈس سویلزیشن دیکھنا چاہیے۔

اور بعض حالتوں میں اس نئی قوم پر جو اس مقاومت کے بعد پیدا ہوئی اپنے خیالات دستور اور آئین کو جما سکیں [۱]۔"

قدیم ہندو راجاؤں کے عہد کی کوئی باقاعدہ تاریخ موجود نہیں لیکن ان کی مذہبی کتابوں میں ضمناً مگدھ دیس کے بعض راجاؤں کے نام اور بعض مقاموں کے حالات پائے جاتے ہیں اور بعض فسانے کی کتابوں میں بھی ایسے قصے مذکور ہیں جن کا جوڑ توڑ درست کرنے پر ایسی کڑیاں تیار ہوگئی ہیں جو ابتدائی تاریخ کے سلسلے سے وابستہ کی جائیں۔

جس طرح برہمنوں کی کتابوں میں حکومتوں کا ذکر آگیا ہے جین دھرم اور بودھ دھرم کی کتابوں میں بھی مگدھ کی تاریخ کے متعلق حالات خصوصیت کے ساتھ پائے جاتے ہیں اِس لیے کہ ان دونوں مذاہب کا ایجاد اور ان کی نشوونما خاص مگدھ ہی میں ہوئی۔ قدیم ترین تحریریں یا کتابے جو ابتدائی حالات کے لیے ماخذ قرار دیے جا سکتے ہیں۔ بیشتر بودھ دھرم والوں کی سعی کا نتیجہ ہیں۔ چناں چہ ڈاکٹر رس ڈیوڈس لکھتے ہیں کہ "غالباً یہ سمجھنا غلط نہ ہوگا کہ برہمن تحریروں کے ذریعے اپنی کتابیں شائع کر دینے کو جن سے وہ ذاتی طور پر منتفع ہوتے تھے محض لاپروائی ہی سے نہ دیکھتے تھے بلکہ ایک ایسے طریقے کے جو ان کے غیر مشترکہ حقوق کے لیے خطرناک تھا سختی کے ساتھ مخالف تھے، اور ہمارے لیے کوئی تعجب کی بات نہیں کہ قدیم ترین تحریریں جو درخت کی چھال یا تاڑ کے پتوں پر ہندستان میں پائی جاتی ہیں وہ بدھسٹ لوگوں کی ہیں، اور تمام قدیم ترین تحریریں جو پتھر یا کسی دھات پر کندہ کی ہوئی ملی ہیں وہ سب بھی بدھسٹ لوگوں کی ہیں اور ان ہی نے اوّل اوّل اپنے مذہبی احکام کے لیے تحریر سے کام لینا رائج کیا۔ [۲]"

---

[۱] بدھسٹ انڈیا مولفہ ڈاکٹر ٹی ڈبلو رس ڈیوڈس ال ال۔ ڈی۔ پی اچ ڈی
صفحہ ۴۴ T. W. RHYSDAWD LLD, P.H, D (بقیہ نوٹ صفحہ ۲ پر

بدھسٹ جاتک (کتاب پیدائش) کے متعلق ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں کہ "سیاسی، مذہبی اور تمدنی حالات جو ان میں مذکور ہیں وہ صاف طور پر نند اور موریا خاندان کی حکومتوں کے زمانے سے جب کہ پاٹلی پتر سارے ہندستان کا دارالحکومت تھا قبل کے ہیں چناں چہ ان کتابوں میں ان دو حکومتوں کا کہیں ذکر نہیں اور ان میں کسی ایسی بڑی حکومت کے متعلق جس میں سارا ہندستان یا اس کے بیشتر حصص شامل ہوں، کوئی واقفیت نہیں پائی جاتی [1]

---

(۲) مگدھ کے راجا جراسنڈہ کے متعلق مہابھارت کا بیان

کتاب مہابھارت سبھا پرب باب ۱۷ تا ۲۴ میں مگدھ دیس کے راجا جراسنڈھ کا ذکر ہے اس میں ایک روایت یہ ہے کہ "سری کرشن جی سے ساتھیوں نے عرض کی کہ ہنس۔ ڈبنک دنت بکرا۔ کروش۔ میگ باہن اور پنڈروک جراسنڈہ کے ساتھ ہیں اور اس کی طاقت اور عالی خاندانی کے قائل ہیں اور بھوج ہنس کے اٹھارہ راجا اس کے رعب سے اُتر سے پچھم بھاگ گئے ہیں، اور ہنس اور ڈبنک جب تک اس کے ساتھ ہیں اس کو شکست دینا دشوار ہے"۔

راجا جراسنڈہ کی پیدائش کے متعلق یہ روایت ہے۔

"راجا برہدرتھ اُس کا باپ تھا۔ اس نے کاشی میں راجا کی دو لڑکیوں سے شادی کی تھی لیکن کسی سے اولاد نہ تھی۔ آخر یہ ان دونوں کو لے کر کسی فقیرِ کامل کے پاس پہنچا۔ فقیر نے ایک آم دیا کہ نصف نصف ہر ایک عورت کو کھلا دیا جائے۔

(صفحہ ۳ کا بقیہ نوٹ) بدھسٹ انڈیا صفحہ ۱۱۹

[1] بدھسٹ انڈیا صفحہ ۲۰۳

اس کے بعد وہ دونوں حاملہ ہوئیں لیکن بچے جو پیدا ہوئے ہر ایک کا نصف دھڑ تھا اس لیے یہ پھکوا دیے گئے۔ ان کو جرا نامی ایک دیو نے اٹھا لیا اور دونوں دھڑوں کو ملایا تو ایک سموچا لڑکا بن گیا جو نہایت وزنی تھا۔ دیو نے اس کو گھونسا مارا تو لڑکا زور سے چلا اٹھا۔ اُس کی آواز سُن کر راجا نے اُس کو گھر میں بلوا لیا۔ جرا دیو نے سارا ماجرا بیان کیا اور اُس لڑکے کا نام جراسندھ رکھا (یعنی جرا کا بنایا ہوا) جب لڑکا جوان ہوا اس کا باپ اپنی رانیوں کو لے کر جنگل میں چلا گیا اور راج جراسندھ کے سپرد کیا۔ مہابھارت[۵۱] میں لکھا ہے کہ جراسندھ کو بھیم پنڈو نے مارا

---

(۳) مسلمانوں کی تاریخوں میں بعض روایتیں

مسلمان موّرخوں میں البیرونی (ابوریحان محمد بن احمد) جو محمود غزنوی کے زمانے میں ہندستان آیا تھا سنسکرت زبان کا زبردست عالم اور بہترین موّرخ گزرا ہے۔ اس کی کتاب الہند سے ہندوؤں کے عام طرزِ معاشرت اور علوم وفنون پر کافی روشنی پڑتی ہے لیکن خاص مگدھ کے سیاسی حالات لکھنے کے لیے چنداں مفید نہیں۔ اس فخرِ روزگار موّرخ کے علاوہ اکثر موّرخ سنسکرت زبان سے نابلد تھے۔ ان کو جس قسم کی روایتیں ملیں سلسلۂ بیان میں داخل کرتے رہے اور ان کے بعد دوسرے موّرخوں نے اُس زمانے کے حالات کے لیے انھی کی تحریروں پر انحصار کیا۔

بہرحال تاریخِ فرشتہ میں مگدھ کے جراسندھ راجا کو "ولایت بہار و پٹنہ کا راجا جراسنگ لکھا ہے اور ہندستان کی آبادی کے متعلق حام بن نوح کی اولاد

---

۵۱ مہابھارت چھاپ کلکتہ صفحہ ۱۵۲ و ۱۵۶

ہند و سندھ کے نام و نسل سے ملک کا آباد ہونا اور ہند کے بیٹے پورب و بنگ کا پورب و بنگالہ کو آباد کرنا مذکور ہے اور پورب کی نسل میں کشن نامی کے بیٹے مہراج کا بہار کو آباد کرنا اور اس کے بیٹے فیروز رائے کا دوبار بہار میں بے شمار خیرات کرنا اور قصبہ منیر آباد کرنا لکھا ہے اور ان میں سے اکثر کی مدتِ حکومت کئی کئی سو برس لکھی ہے اور فیروز رائے سے تین راجاؤں کے بعد کیدار برہمن کے زمانے میں شنگل نامی پہلوان کا جو افراسیاب کا ہم عصر تھا نواح کوچ سے خروج کر کے بنگالہ و بہار پر قابض ہونا درج ہے۔[۵۱] حقیقتاً یہ مختلف زمانوں کی مستند و غیر مستند روایات ہیں جن کو ناموں کے اُلٹ پھیر اور تبدیل و تنسیخ کے بعد انتہائی مبالغے کے ساتھ تاریخ میں شامل کر دیا ہے اور ان کے بعد دوسروں نے اس بارے میں محض تقلید سے کام لیا ہے۔ یہاں تک کہ تاریخ ریاض السلاطین میں جو ۱۲۰۲ھ میں لکھی گئی اسی روایت کو نقل کیا ہے۔[۵۲]

---

(۴) راجا سیس ناگ ۶۴۲ قبل مسیح

ڈاکٹر ونسنٹ اسمتھ لکھتے ہیں کہ "تیسا پران اور وایو پران میں جو قدیم حکمرانوں کی فہرست ہے اس میں سب سے پہلا خاندان جس کی کچھ اصلیت معلوم ہوتی ہے سیس ناگ ہے"۔[۵۳]

"بانیٔ خاندان سیس ناگ نامی بہ ظاہر ایک معمولی سا راجا معلوم ہوتا ہے۔ جس کی حکومت اضلاع پٹنہ و گیا تک محدود تھی۔ اس کا دارالحکومت راج گیر تھا

---

۵۱ تاریخ فرشتہ صفحہ ۸ تا ۱۲

۵۲ دیکھو صفحہ ۵۶ ریاض السلاطین

۵۳ ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۲۲ و صفحہ ۴۶ تا ۵۱

اس کے متعلق کوئی تاریخی واقعہ معلوم نہیں۔ صرف اس قدر مذکور ہے کہ اس نے اپنے بیٹے کو بنارس میں رکھا اور خود گیری ورج (راج گیر) میں قیام کیا"۔ اس کی مدتِ حکومت صحیح طور پر معلوم نہیں۔ ڈاکٹر موصوف نے اس کی تخت نشینی کا زمانہ ۶۳۲ سنہ قبل مسیح قیاس کیا ہے۔ سیس ناگ کے بعد تین راجا اور ہوئے جن کے نام (۱) کاک ورن (۲) کھیم دھرمن (۳) کھیم اجیت یا کھتراوجس تھے ۔ ان کے کارنامے کچھ معلوم نہیں۔

---

(۵) راجا بھیم بسار ۵۸۲ سنہ تا ۵۵۳ سنہ قبل مسیح

سیس ناگ خاندان کا پانچواں حکمران بھیم بسار (سرنیکا) زیادہ مشہور ہوا۔ اس نے مگدھ کی حکومت کو وسعت دے کر انگا (ضلع بھاگل پور اور غالباً مونگر) تک بڑھا لیا اور راج گیر کے پرانے قلعے کے باہر اتر جانب ایک نیا شہر آباد کیا۔ جس کا نام کوسگر پور یعنی کوس گھانس والا شہر تھا۔[۵۲]

بھیم بسار نے کوسلا[۵۳] (اودھ) کے راجا پارسنجیت کی بہن کوسلا دیوی سے شادی کی تھی اور دوسری شادی ویدیہا[۵۴] (ترہت) میں لچھاوی خاندان کے راجا کی لڑکی سے کی تھی۔ بھیم بسار نے اٹھائیس برس حکومت کر کے راج اپنے بیٹے اجات سترو کے جو ویدیہا کی رانی کے بطن سے تھا سپرد کیا۔ اس کا سبب یہ ہوا

---

۵۱ انگا اور چمپا ضلع مونگر و بھاگل پور کے قدیم نام ہیں جو مہا بھارت ادی پرب صفحہ ۲۰۴ میں بھی مذکور ہیں۔ جنرل کننگھم کی انشینٹ جیوگرافی آف انڈیا صفحہ ۵۴۶ و ۷۲۲ میں بھی یہی لکھا ہے۔

۵۲ ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۳۲۔

۵۳ کوسلا اودھ کا قدیم نام ہے دیکھو انشینٹ جیوگرافی آف انڈیا صفحہ ۴۰۸۔

۵۴ ویدیہا ترہت کا قدیم نام ہے۔ دیکھو انشینٹ جیوگرافی آف انڈیا صفحہ ۷۱۸۔

کہ کوسگر پور میں آئے دن آگ لگنے سے سخت نقصان پہنچتا تھا۔ بھیم بسار نے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ جس کسی کے گھر سے آگ پیدا ہو اس کو شہر سے نکال کر سنسان میں جگہ دی جائے۔ اتفاقاً خود بھیم بسار کے گھر میں آگ لگی اس لیے اس کو اپنے بنائے ہوئے قاعدے کی پابندی کرنی پڑی اور حکومت بیٹے کے سپرد کر کے سنسان میں رہنا پڑا۔[۱]

اجات سترو نے فاقے دے کر باپ کا کام تمام کیا اور اسی غم میں اُس کی سوتیلی ماں کوسلا دیوی نے بھی جان دے دی[۲]

بھیم بسار ہی کے زمانے میں بودھ دھرم اور جین دھرم کی بنا مگدھ میں قائم ہوئی، اس سبب سے مگدھ کو خاص عظمت حاصل ہے اور کروڑوں آدمی اس کو مقدس و متبرک مقام جانتے ہیں۔ ان مذاہب کے بانیوں کے حالات، جہاں تک ہماری تاریخ سے تعلق ہے مختصراً بیان کیے جاتے ہیں۔

---

(۶) مہاتما گوتم بدھ

گوتم بدھ ساکیہ قوم کے راجا کی نسل سے تھے، اپنے باپ کی حکومت کپل وستھو (جو ضلع بیتیا کے مضافات میں تھا) اور تمام علائق کو ترک کر کے حقانیت کی جستجو شروع کی تو پہلے راج گیر کے پہاڑوں پر فقیرانہ زندگی بسر کی اور الرا اور رادکا نامی دو برہمنوں کی شاگردی اختیار کی۔ لیکن ان کی تعلیم سے تشفی نہ ہوئی تو بودھ گیا کی طرف چلے گئے۔ عرصۂ دراز تک مگدھ کے جنگلوں میں رہنے کے بعد بودھ گیا

---

[۱] آن دی ٹریولس آف یوان چوانگ صفحہ ۱۶۲۔

[۲] بدھسٹ انڈیا صفحہ ۳۔

میں ایک درخت کے نیچے ان کو حقانیت یا روشن ضمیری حاصل ہوئی۔ اس کے بعد انھوں نے پھر راج گیر کی طرف مراجعت کی اور گردھا کوٹا[1] (یعنی گدھ والے پہاڑ کی چوٹی) اور بانس کے جنگلوں میں راہبانہ زندگی بسر کرنے لگے اور یہیں سے اپنے وعظ و نصیحت کا آوازہ بلند کیا۔ بہت لوگ اس نئے مذہب کے معتقد ہوئے یہاں تک کہ راجا بھیم بسار اور بالآخر اس کے بیٹے آجات سترو نے بھی اس دھرم کو قبول کیا۔

گوتم بدھ کی پیدایش اور نروان (یعنی انتقال یا فنافی الحق) کے زمانے میں اختلاف ہے۔ برہما اور سیلون کی روایتوں کے مطابق ۵۴۳ قبل مسیح نروان ثابت ہوتا ہے۔ اور ڈاکٹر اسمتھ نے بھی اسی کو تسلیم کیا ہے[2]۔ اور روایتوں کے حساب سے ۵۶۸ قبل مسیح پیدایش اور ۴۸۸ قبل مسیح نروان معلوم ہوتا ہے۔

بودھ دھرم کی مقدس کتاب کا نام تری پتا کا ہے جس کے معنی تین سبد یا ٹوکریوں کے ہیں۔ اس دھرم والوں کے اعتقاد میں چوبیس بدھ یعنی سراپا حقانیت بزرگ گزرے ہیں۔ ان کے ہاں بدھ کو جاننا۔ دھرم یعنی شریعت سے واقف ہونا اور سنگھ یعنی رہبانیت مدارج کو پہچاننا فرضِ اوّلین ہے۔ یہ برہمنوں کی فضیلت کے قائل نہیں اور خدا کے وجود کو نہیں مانتے۔ ان کے یہاں اہنسا کی تعلیم ہے یعنی کسی ذی روح کو قتل کرنا یا ایذا پہنچانا سخت ممنوع ہے۔ ان میں دو فرقے ہو گئے ہیں۔ ایک کو مہایانہ اور دوسرے کو ہنایانہ کہتے ہیں۔ مگدھ دیس یعنی صوبہ بہار میں اب اس مذہب کے ماننے والے موجود نہیں لیکن تبت، چین، جاپان، برہما، سیلون وغیرہ میں ان کی تعداد کثیر ہے۔

---

[1] جنرل کننگھم اس کو راج گیر کی سیلاگیری پہاڑی بتاتے ہیں۔ صفحہ ۵۳۵ اینشنٹ جیوگرافی آف انڈیا۔

[2] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۴۵ تا ۵۱۔

(۷) جین دھرم کے بانی مہابیر جی کا حال

مہابیر وردھان گوتم بدھ کے ہم عصر تھے۔ ابتدا میں انھوں نے پارس ناتھ[1] نامی ایک مذہبی پیشوا کے اصول کی پیروی کی لیکن اس کو ناقابلِ تقلید سمجھ کر خود ایک مذہب ایجاد کیا اور اس کی اشاعت و تلقین شروع کی۔ مہابیر جی کی ماں مگدھ اور چمپا (بھاگل پور) کے راجا سے قرابت رکھتی تھی، اس سبب سے ان کو اپنے دھرم کی اشاعت میں خاطر خواہ مدد ملی۔ تیس سال اسی مگدھ میں گزار کر مہابیر جی نے ۵۲۷ قبل مسیح میں مقام اپاپ پوری (جس کے معنی بے گناہی کی جگہ کے ہیں، اور اب پاواپوری کے نام سے مشہور ہے۔ قصبہ بہار سے چند کوس پر گریک سے تین میل اتر سڑک کے پورب جانب واقع ہے) انتقال کیا۔[2]

بودھ دھرم والوں کی طرح جین دھرم والے بھی برہمنوں کی فضیلت کے قائل نہیں اور وید کی کتابوں کے متعلق بھی ان کے عقائد برہمنوں سے مختلف ہیں۔ ان کے ہاں بھی چوبیس جین گزرے ہیں اور حق شناسی اور اخلاقی برتاؤ کی تعلیم ہے۔ ان میں دو فرقے ہو گئے ہیں (ایک کو سوئمبر یعنی سفید پوش اور دوسرے کو دگمبر یعنی برہنہ یا آسمان پوش کہتے ہیں) اور اہمسا کی بھی تعلیم ہے۔

بودھ اور جین دھرم کا اختلاف

باوجود ان مناسبتوں کے بودھ دھرم اور جین دھرم ایک دوسرے کے

---

[1] پارس ناتھ مہابیر جی سے ڈھائی سو برس قبل ایک مذہبی پیشوا گزرے ہیں۔

[2] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۳۳ - ۴۴ - ۴۸ - ۴۹ -

مخالف ہیں۔ مثلاً دگمبروں کا طریقہ اختیار کرنا اور فاقہ کشی یا نفس کشی سے خود کو ہلاک کرنا جینیوں کے ہاں افضل ترین اعمال سے ہے لیکن بودھ دھرم میں نہایت شدت سے اس کی ممانعت ہے۔

---

(۸) راجا اجات سترو ۵۵۴ سنہ قبل مسیح تا ۵۲۶ سنہ قبل مسیح

اوپر مذکور ہوچکا ہے کہ بھیم بسار نے اپنی زندگی ہی میں حکومت اجات سترو کے سپرد کی تھی اور اس نے فاقے دے کر باپ کو مار ڈالا اس کا سبب یہ تھا کہ گوتم بدھ کا ایک رشتے دار دیودت نامی بودھ دھرم کا سخت مخالف اور خود ایک مذہبی فرقے کا موجد تھا۔ اسی نے اجات سترو کو پدرکشی پر آمادہ کیا[۵۱]۔ اس وقت تک اجات سترو خود بھی بودھ دھرم کا مخالف تھا۔ ڈاکٹر رس ڈیوڈس نے اپنی کتاب ڈائلوگس آف بدھ (یعنی بدھ کی گفتگو) میں کتاب سامنہ پھل سُترا کی روایت کا جو ترجمہ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجات سترو نے اپنے باپ کو فاقے دے کر مار ڈالنے کا اقرار کیا اور توبہ کرکے گوتم بدھ کو اپنا رہبر بنایا[۵۲]۔ لیکن جین دھرم والوں کی روایت میں اس پدرکشی کے واقعہ سے انکار ہے اور راجا کونیکا (یعنی اجات سترو) کو جین دھرم کا بڑا حامی بیان کیا ہے اور بھاگل پور وغیرہ کی طرف کئی جین مندروں کا بانی اسی کو قرار دیا ہے[۵۳]۔

بھیم بسار کے حالات میں اوپر مذکور ہوچکا ہے کہ اس کی رانی کوسلا دیوی نے

---

[۵۱] بدھسٹ انڈیا صفحہ ۱۴

[۵۲] ڈائلوگس آف بدھا مطبوعہ ۱۸۹۹ء صفحہ ۹۴

[۵۳] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۳۶

شوہر کے غم میں جان دی۔ اس کے مرنے پر کاشی کے محاصل جو اس رانی کے ذاتی مصارف کے لیے دیے گئے تھے اس کے بھائی پار سنجیت نے ضبط کرلیے۔ اجات سترو نے کوسلا کے راجا پار سنجیت سے جنگ چھیڑ دی۔ ابتدا میں اس کو کسی قدر کام یابی ہوئی لیکن چوتھے حملے میں اجات سترو خود گرفتار ہوگیا۔ بالآخر کاشی کے محاصل سے دست بردار ہونے پر صلح ہوگئی اور اجات سترو کے رہا ہونے پر پار سنجیت نے اپنی لڑکی وجرا نامی کو اس سے بیاہ دیا اور وہی کاشی کا گانو جس کی بدولت یہ جنگ ہوئی تھی، وجرا کے جہیز میں دے دیا۔ اس کے تین برس بعد پار سنجیت کے بیٹے ویر ودھکا نے باپ سے بغاوت کی؛ پار سنجیت پریشان ہوکر راج گیر کی طرف روانہ ہوا لیکن یہاں پہنچنے کے قبل ہی مرگیا۔[1]

اس کے بعد اجات سترو نے ویسالی[2] کی لچھاوی قوم پر حملہ کیا اور ان پر فتح پائی۔ اسی زمانے میں اجات سترو نے اُجین کے راجا پچوتہ کے حملوں کے اندیشے سے راج گیر کے قلعے کو مستحکم کیا۔ اُجین سے جنگ ہونے کے متعلق کوئی حال معلوم نہیں اگرچہ بعد کے شواہد[3] سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی صدی قبل مسیح میں اُجین مگدھ کی حکومت میں شامل تھا۔

اجات سترو نے سون اور گنگا کے ملاپ کی جگہ کے قریب ایک قلعہ بنایا۔ یہ قلعہ غالباً لچھاوی قوم کے حملے روکنے کی غرض سے تعمیر کیا گیا تھا۔ اسی کی پناہ میں بعد کو مختلف زمانوں میں کوسم پورہ، پُشپا پورہ اور پاٹلی پتر آباد ہوا۔ کوسم پورہ اور پُشپا پورہ دونوں

---

[1] بدھسٹ انڈیا صفحہ ۳

[2] موجودہ نام بساڑہ ہے جو آئین اکبری صفحہ ۱۹۸ میں بھی مذکور ہے اور اینشنٹ جیوگرافی آف انڈیا صفحہ ۵۰۸ میں بھی یہی لکھا ہے۔ یہ جگہ حاجی پور سے دس کوس اُتر ہے اور یہاں بعض قدیم آثار بھی پائے جاتے ہیں۔ [3] بدھسٹ انڈیا صفحہ ۱۲۔

کے معنی پھول والے شہر کے ہیں جو اس شہر کے شاعرانہ نام تھے۔[۱]

---

(۹) پاٹلی پتر کی بنا اور وجہ تسمیہ

جس طرح اکثر واقعات کے متعلق مافوق الفطرت اور خلافِ عقل باتیں بیان کی جاتی ہیں، پاٹلی پتر کی بنا کے متعلق بھی بہت سے افسانے ہیں۔ ہیوان چوانگ نے اس کی وجہ تسمیہ کے متعلق لکھا ہے کہ "ایک برہمن گرو کے چیلوں کی ایک جماعت صحرا نوردی کرتی تھی۔ اتفاقاً ان میں ایک نوجوان افسردہ نظر آنے لگا۔ اس کے ساتھیوں نے اس کو خوش کرنے کو کھیل کے طور پر اس کی شادی رچائی۔ دو شخص اس فرضی دولھا کے والدین بنے اور اسی طور پر فرضی دُلھن کے بھی والدین ٹھیر لیے گئے۔ یہ سب پاٹلی درخت کے قریب جمع ہوئے تھے اور اس درخت کے نام میں لفظ مونث کی علامت تھی اس لیے اسی کو دُلھن قرار دیا۔ شادی کی رسومات کے بعد خیالی دُلھن کے باپ نے دُلھن کے عوض پاٹلی درخت کی شاخ توڑ کر دولھا کے حوالے کی۔ اس کے بعد لوگ روانہ ہونے لگے اور اس دولھا کو بھی ساتھ لے جانا چاہا لیکن یہ مچل گیا اور اور اسی درخت کے پاس ٹھیرا رہا۔ شام کے وقت ایک پیر مرد اپنی بیوی اور نوجوان لڑکی کے ساتھ ظاہر ہوا اور لڑکی کو نوجوان کے سپرد کیا کہ اس کو دُلھن بنائے۔ نوجوان چیلہ ایک برس تک اس لڑکی کے ساتھ یہاں رہا اور اس مدت میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اب اس نوجوان نے بیابان کی تنہائی سے گھبرا کر گھر جانا چاہا لیکن اس کے بوڑھے سُسر نے اس جگہ عمارتیں بنا دینے کا وعدہ کر کے اس کو روک رکھا اور مستعدی کے ساتھ ایفائے وعدہ بھی کیا۔ بعد کو جب دارالحکومت یہاں منتقل ہوا تو اس کا نام

[۱] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۳۰۔ اینشنٹ انڈیا ترجمہ پروفیسر مکرنڈل صفحہ ۲۱۲

پاٹلی پتر رکھا گیا، اس لیے کہ دیوتاؤں نے اس کو پاٹلی درخت کے لڑکے کے لیے تعمیر کیا تھا۔[۵۱]"

یوان چوانگ کے اس بیان سے تاریخی واقعہ کے متعلق صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ یہ جگہ پہلے آباد ہو چکی تھی لیکن اس کا نام پاٹلی پتر اس وقت ہوا جب دارالحکومت (راج گیرا سے منتقل ہو کر یہاں آیا۔ سیاح مذکور نے دوسرے مقام پر اس کا سابق نام کسم پورہ بھی بتایا ہے۔

اس کے بعد سیاح مذکور لکھتا ہے کہ "قدیم شاہی محل سے شمال میں سنگی ستون ہے۔" اس مقام پر بجائے شہر یا پاٹلی پتر کے اس کو شاہی محل سے تعبیر کیا ہے۔

لفظ پاٹلی پتر کی تحقیق کے سلسلے میں بعض یونانی مورخوں کا بیان بھی اس موقع پر فائدے سے خالی نہ ہوگا۔

یونانی مورخ پلینی دریائے اندس کے حالات میں لکھتا ہے کہ "اس کی شاخوں کے درمیان ایک بڑا ٹاپو بن گیا ہے جس کو پراسیانی کہتے ہیں۔ اور ایک چھوٹا ٹاپو ہے جس کو پٹالی یا (پاٹلی) کہتے ہیں۔"[۵۲]

دوسرے یونانی مورخ آرین کا بیان ہے کہ "دریائے اندس ہند کی مغربی سرحد کا نشان ہے جس کا پانی بڑے سمندر میں گرتا ہے۔ دریا اسٹر (ڈینوب) کے پانچ دہانوں کی طرح اس کے بھی دو دہانے ایک دوسرے سے قریب نہیں بلکہ دریائے نیل کے دہانوں کی طرح ہیں جس طرح مصر کا ڈلٹا[۵۳] بن گیا ہے۔ اس طور پر

---

[۵۱] آن دی ٹریولس آف یوان چوانگ صفحہ ۸۷ [۵۲] ایشنٹ انڈیا (مکرنڈل) صفحہ ۱۴۳

[۵۳] ڈلٹا در اصل یونانی زبان کے حروف تہجی کا حرف دال ہے۔ اس کی صورت سنگھاڑے کی سی ہوتی ہے۔ اس رعایت سے دریا کی دو شاخوں کے درمیان جو زمین اس شکل کی پیدا ہو جاتی ہے اس کو ڈالٹا کہتے ہیں اس کی شکل یہ ہے △

اندس سے بھی ڈلٹا بن گیا ہو جو مصر سے کم نہیں اور اس کو ہند کی زبان میں پاٹلہ (یا پٹالہ یا پٹلہ) کہتے ہیں"

(PATTALA) آرین کے بیان میں یہ بھی لکھا ہو کہ پٹالہ کے قریب بعض مقاموں کو خود اسکندر نے اور دوسرے یونانیوں نے دیکھا تھا[1]۔

جیسا کہ مکرنڈل نے بھی لکھا ہو، اس سرزمین کا نام پاٹیلینی اور اس کا صدر مقام پاٹلہ تھا۔ یہ اس جگہ واقع تھا جہاں پر سے اندس کی مغربی شاخ علیحدہ ہوتی ہو۔ حال میں مقام ٹٹھ اسی جگہ آباد ہو۔ جنرل کننگھم نے نیرنکول (حیدرآباد سندھ) کو یہی مقام قرار دیا ہو اور اس کا سابق نام پاٹل پور یا پاٹسلا (بہ معنی ہموار سل) بتایا ہو اور پاٹلہ کی وجہ تسمیہ کے متعلق بیان کیا ہو کہ اندس کی مغربی اور مشرقی شاخوں کے درمیان واقع ہونے کے سبب اس کی صورت پاٹلی درخت کے پھول کی سی ہو۔

(BIGNONASUAYOLENS OR TRUMPET FLOWBR) اور اسی رعایت سے یہ نام رکھا گیا ہوگا[2]۔ پروفیسر مکرنڈل نے ریٹر کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہو کہ برہمن گنگا کے محاذ میں مغربی علاقوں کو پاٹلہ اور مشرقی علاقوں کو پراسیا کہتے تھے اور پاٹلہ سنسکرت میں عالم باطن کو کہتے ہیں اس لیے اس کو مغرب سے منسوب کیا ہے[3]۔

۱۸۳۵ء میں ہرمن براکھوس جرمن عالم نے ایک تحریر پاٹلی پتر کی بنا اور اُپاسوک کی تاریخ کے نام سے لائپزگ (جرمنی) میں شائع کی تھی۔ جس کا خلاصہ یہ ہو کہ پترا کا نامی ایک شخص نے وندھیا کے پہاڑ پر دو بھائیوں کو خاندانی

---

[1] انشنٹ انڈیا مکرنڈل صفحہ ۱۸۸۔

[2] انشنٹ جیوگرافی آف انڈیا صفحہ ۳۲۰۔

[3] انشنٹ انڈیا۔ مکرنڈل صفحہ ۱۸۷۔

نرکے کے متعلق جھگڑتے ہوئے پایا۔ اس میں ایک ظرف، ایک عصا اور ایک جوڑ کھڑاؤں تھی جس میں طلسمائی خواص تھے پترا کا کسی فریب سے یہ چیزیں لے کر چلتا ہوا اور ان کے طلسم کے زور سے اس نے پاٹلی کو جس کے حسن پر وہ فریفتہ تھا اس کے باپ کے گھر سے نکالا اور پاٹلی کی خواہش کے مطابق اس نے گنگا کے کنارے طلسم کے زور سے ایک شہر آباد کیا جس کا نام پاٹلی پتر رکھا۔[1]"

اسی طرح کے افسانے کتاب کتھا سرت ساگر میں بھی مذکور ہیں اور اس میں راجا جودت کے بیٹے دیودت کی شادی پاٹلی پتر کے ساہوکار کی لڑکی سے ہونے کا افسانہ بھی ہے۔

یونانیوں کے بیان کے علاوہ ڈاکٹر رس ڈیوڈس نے بھی بدھسٹ جاتک کی کتابوں کے حوالے سے ایک پٹنہ یا پاٹلہ کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "بدھ کے زمانے میں سولہ متفرق قوموں یا قبیلوں میں سے اساکا قوم کی ایک آبادی گداوری (ندی) کے کناروں پر تھی، اس کا دارالحکومت پٹنہ یا پاٹلی تھا۔ اس ملک کا نام اونتی (جس کا دارالحکومت اُجین تھا) کے ساتھ اسی طور پر مذکور ہے جیسے مگدھ کے ساتھ انگا کا ذکر کیا جاتا ہے اور فہرست میں اس کی جگہ سورسینا (SURASENA) اور اونتی (AVANTI) کے درمیان بتائی گئی ہے اس سے زیادہ ترگمان ہوتا ہے کہ جس وقت یہ فہرست ترتیب دی گئی یہ جگہ اونتی سے اُتر پچھم ملی ہوئی ہوگی اور اس صورت میں گداوری کی آبادی بعد کی معلوم ہوتی ہے۔ جس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ اس میں کہیں پٹنہ یا پاٹلہ کا کوئی ذکر نہیں پایا جاتا۔[2]" اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پٹنہ اور پاٹلہ مترادف الفاظ ہیں۔ بہر کیف پاٹلی پتر کی وجہ تسمیہ کے

---

[1] ڈسکوری آف دی اگزاکٹ سائٹ آف پاٹلی پترا کرنل ویڈل، ۱۸۹۲ء صفحہ ۴

[2] بدھسٹ انڈیا صفحہ ۲۷، بحوالہ جاتک ۲۵-۲-۲-۳-۲

متعلق ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ایسی سرزمین کو جو ندی کی شاخوں کے درمیان ڈلٹا کے طور پر واقع ہو پاٹلہ کہتے تھے اور چوں کہ پاٹلی پتر گنگا اور سون ندیوں کے درمیان واقع تھا لیکن کوئی بڑا ڈلٹا نہ تھا اس لیے اس کو تصغیری صورت میں پاٹلی پتر کے نام سے موسوم کیا۔ اس میں لفظ پتر کی توجیہہ بھی ظاہر ہے اگرچہ جیسا کہ سب کو معلوم ہے پور اور پتر کے معنی میں کوئی فرق نہیں اور لفظ پور شہروں اور قصبوں کے نام کے ساتھ منضم ہوتا ہے۔

لیکن یہ صورت محض قیاسی ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ ہر ڈلٹا کو پاٹلہ کہتے تھے بلکہ یہ نام ایسی جگہوں کے لیے مخصوص نظر آتا ہے جہاں کوئی حکومت قائم ہوئی یا کوئی نئی آبادی وجود میں آئی۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ قدیم زمانے میں اکثر قومیں ایسی جگہوں میں آکر آباد ہوئیں جہاں ندی کا قرب تھا۔

لفظ پٹنہ اور پاٹلہ کے مترادف ہونے میں کوئی شک نہیں رتناولی نامی ناٹک کی کتاب جو ۶۵۰ء کے قبل راجا ہرشہ کے زمانے میں لکھی گئی اس میں وتسہ راجا کے دارالحکومت کا نام وتسہ پٹنہ لکھا ہے[۱]۔ بعض دیسی راجاؤں نے اپنی راج دھانی کا نام پٹنہ اور بھوانی پٹنہ رکھا تھا جو اب تک انھی ناموں سے مشہور و معروف ہیں۔ اول الذکر ضلع سمبل پور سے چالیس میل پر اور آخر الذکر اس سے بھی سو میل دکھن پچھم واقع ہے۔ ان ریاستوں میں وہ رانی جس کی اولاد گدی کی مستحق ہوتی ہے، اس کو پاٹ رانی کہتے ہیں۔ راجا اشوک نے بھی ایک شہر پاٹن یا پٹن نامی نیپال میں بسایا تھا جو اب تک اسی نام سے مشہور ہے[۲]۔ ان کے علاوہ اور بھی اس نام کے بہتیرے شہر معلوم ہیں۔

---

[۱] اینشنٹ جیوگرافی آف انڈیا (جنرل کننگھم) صفحہ ۳۵۰

[۲] ارلی ہسٹری آف انڈیا (ڈاکٹر اسمتھ) صفحہ ۱۷۰

پاٹلی پتر کی وجہ تسمیہ کے متعلق زیادہ ترقرین قیاس صورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ چوں کہ راجا اجات سترو جس نے پاٹلی پتر کو دارالحکومت بنایا، بودھ دھرم اختیار کرنے کے بعد اس مذہب کا بڑا حامی اور پیشوا ہوگیا تھا۔ اس لیے اس کے محلات کو پاٹلہ کہتے ہوں گے جیسا کہ تبت کے دارالحکومت لہاسہ میں لاماؤں (مذہبی پیشوا جو سربراہ حکومت بھی ہوتے ہیں) کے محلات کو پٹلہ کہتے ہیں[1]۔ یہ لفظ بھی تبت میں ہندستان ہی سے پہنچا ہے کیوں کہ ساتویں صدی عیسوی کی ابتدا میں سرونگ ٹسان گمبو نے (SRONG TSON GOMPO) شہر لہاسہ آباد کیا اور ہندستان سے بدھسٹ علما کو بلوا کر تبت کی زبان کے حروف تہجی کی تدوین کرائی[2]۔

یوان چوانگ کا یہ بیان کہ جب دارالحکومت یہاں منتقل ہوا، اس کا نام پاٹلی پتر رکھا گیا راقم کے خیال کی تائید کرتا ہے۔ اُردو زبان میں "راج پاٹ" حکومت و مملکت کے معنی میں بولا جاتا ہے۔

کپیل وستو جانے کے قبل گوتم بدھ نے ایک شب پاٹلی پتر کے قلعے یا محل میں بسر کی تھی اس لیے یہ بھی ایک مقدس جگہ مانی جاتی تھی اور شہر کے دروازوں میں سے ایک دروازے کا نام گوتمی دروازہ اور کشتی سے اُترنے اور چڑھنے کے گھاٹ کا نام گوتمی گھاٹ رکھا گیا تھا[3]۔

یونانیوں اور دوسرے مورخوں کی تحریر میں لفظ پاٹلہ۔ پٹال۔ پٹالہ۔ پاٹلی۔

---

[1] انسائکلوپیڈیا برٹیکا (حالات تبت)

[2] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۳۷۵

[3] ان دی ٹرویلس آف یوان چوانگ صفحہ ۸۰ جلد ۲۔ مہاتما گوتم بدھ نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ تمام مشہور مقاموں میں پاٹلی پتر سب سے بڑی جگہ ہو جائے گی۔ لیکن آگ، سیلاب اور اندرونی فساد کے اندیشے سے مفر نہیں۔

پٹالہ وغیرہ جو مذکور ہوا اس میں تلفظ کا اختلاف چنداں قابلِ لحاظ نہیں۔ یونانیوں نے پاٹلی پترا کو پالی پوتھرا اور پالم بوتھرا بھی لکھا ہے۔ راجا اشوک کا ایک کتبہ جو مقام گرنار (جوناگڑھ) میں پایا گیا ہے اُس میں پاٹلی پُتّا لکھا ہے اور سیلون کی کتابوں میں "پاٹلی پُتو" لکھا ہے۔ سنسکرت میں "کھتر اسمہاسہ" جغرافیے کی کتاب ہے اس میں اس کو پالی بھتّا لکھا ہے۔[1]

اس روایت میں کوئی اختلاف نہیں کہ پاٹلی پتر نام ہونے سے پہلے جو آبادی تھی اس کو کسم پورہ یا پشپا پورہ یعنی پھول والا شہر کہتے تھے۔ بعد کو یہی شہر پاٹلی پتر کہلایا ہو یا اس کے پاس نیا شہر آباد ہو کر پاٹلی پتر کہلایا ہو۔ یہ امر ثابت ہے کہ دارالحکومت ہونے کے سبب اس کا نام پاٹلی پتر ہوا۔ لہٰذا وجہ تسمیہ کے متعلق پاٹلی درخت یا پاٹلی اور اس کے لڑکے کی روایت لغو اور مہمل معلوم ہوتی ہے اور اس کی اصلیت فسانے سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔

دارالحکومت ہونے پر پاٹلی پتر نام ہونا خود بتاتا ہے کہ اس کا بانی کوئی راجا تھا اور تاریخی طور پر اجات سترو ہی اس کا بانی معلوم ہوتا ہے۔ نئے دارالحکومت کا نام رکھنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے نام سے موسوم کیا جائے جو حکومت کے لیے شایان اور مناسب ہو۔

اگر لفظ پاٹلی کو بجائے درخت یا لڑکی کے نام کے لفظ پاٹلہ (بہ معنی شاہی محل) سے مشتق سمجھا جائے تو پاٹلی پتر کے معنی بھی راج پور کے ہو جاتے ہیں جو راج گیر کے مرادف ہے (راجاگر یہ یعنی راجا کے رہنے کی جگہ) اور مگدھ کے سابق دارالحکومت کا نام ہے اور اس شہر کی بنا کو مدِ نظر رکھتے ہوئے نہایت مناسب معلوم ہوتا ہے۔

---

[1] اینشنٹ انڈیا (کرنڈل) صفحہ ۲۱۲

(۱۰) راجا درسکا ۵۲۷ ؁ قبل مسیح تا ۵۰۳ ؁ قبل مسیح

ڈاکٹر اسمتھ لکھتے ہیں کہ "پرانوں کے مطابق اجات سترو کے بعد اس کا بیٹا درسکا مگدھ کا راجا ہوا اور درسکا کے بعد اس کا بیٹا اودے راجا ہوا لیکن بدھسٹ کتابوں میں درسکا کا نام مذکور نہیں اور اجات سترو کے بعد اودے کو اس کا بیٹا اور جانشین قرار دیا ہو۔ مگدھ کے راجا درسکا کا وجود بھاشا میں ایک ناٹک کی کتاب سے پایا جاتا ہو جو شاید تیسری صدی عیسوی میں لکھی گئی۔ اس میں درسکا کو اودیانہ (راجا ودنا) اور مہاسین (پرادیوتا) اونتی یا اوجین کے راجا کا ہم عصر لکھا ہو[۱]۔ بہر حال اس کے متعلق کوئی اور واقعہ معلوم نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر موصوف اس کی مدتِ حکومت چوبیس برس قیاس کرتے ہیں۔

---

(۱۱) راجا اُودے ۵۰۳ ؁ قبل مسیح تا ۴۶۹ ؁ قبل مسیح

وایو پران میں لکھا ہو کہ اجات سترو کے پوتے اُودے کے وقت میں پاٹلی پتر پورا آباد ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر اسمتھ لکھتے ہیں کہ روایتوں کے مطابق اُس نے کسم پورہ آباد کیا اور اس کا زمانہ جو قرار دیا گیا ہو اگر تخمیناً صحیح مان لیا جائے تو یہ راجا ایران کے بادشاہ دارا (اول) جس کا زمانہ ۵۲۱ ؁ قبل مسیح سے ۴۸۵ ؁ قبل مسیح تھا) کا ہم عصر[۲] تھا۔

مسٹر کے۔ پی۔ جسوال نے راجا اُودے کا زمانہ ۴۸۳ ؁ قبل مسیح تا ۴۶۷ ؁ قبل مسیح قرار دیا ہو اور مسٹر آر۔ ڈی۔ بنرجی نے بھی اس کو تسلیم کیا ہو[۳]۔

---

[۱] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۳۸-۳۹۔ [۲] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۳۱

[۳] جرنل بہار و اُڑیسہ ریسرچ سوسائٹی ۱۹۱۹ء جلد ۵ صفحہ ۸۸ تا ۱۰۶ و صفحہ ۲۱۰ تا ۲۱۵

(۱۲) راجا نندی وردھنہ اور مہانندین
سنہ ۴۹۶ قبل مسیح تا سنہ ۴۱۳ قبل مسیح

پرانوں کے مطابق اُودے کے جانشین نندی وردھنہ اور مہانندین ہوئے لیکن ان کے ناموں کے سوا کچھ حالات معلوم نہیں۔ اوّل الذکر کی مدتِ حکومت بیالیس برس اور آخر الذکر کی تیتالیس برس مذکور ہی۔ اِن کے ناموں سے گمان ہوتا ہی کہ یہ نند خاندان کے بانی تھے۔ مہانندین کا ایک بیٹا جو بعد کو حکومت پر قابض ہوا کسی شدر عورت کے بطن سے تھا۔[۱]

---

(۱۳) نند خاندان کا حال سنہ ۴۱۳ قبل مسیح تا سنہ ۳۲۱ قبل مسیح

ڈاکٹر اسمتھ لکھتے ہیں کہ "نند خاندان کے متعلق تمام روایتیں بے معنی اور ناقابلِ اعتبار نظر آتی ہیں۔ پرانوں کے مطابق سیس ناگ خاندان کے دو راجاؤں کے بعد نند خاندان کے نو راجا ہوئے اور مہاپدم نند نے اٹھاسی برس اور اس کے آٹھ بیٹوں نے بارہ برس کے قریب حکومت کی۔ بڑے بیٹے کا نام (کسی قدر اختلاف کے ساتھ) سوکلپ مذکور ہی۔ غرض باپ اور بیٹوں کی مدتِ حکومت مل کر ایک صدی کے قریب ہوتی ہی جو صحیح نہیں ہو سکتی"[۲]۔ غلط ہونے کا سبب یہ ہی کہ سنہ ۴۱۳ سے سو برس کم کیے جائیں تو سنہ ۳۱۳ قبل مسیح آجاتا ہی اور یہ زمانہ راجا چندر گپت موریا کی حکومت کا ہی جو یونان اور ہندستان کی تاریخوں سے ہر طرح ثابت ہی۔ جین دھرم والوں

---

[۱] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۴۱ تا ۴۳

[۲] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۴۳

کے ہاں نند خاندان کی حکومت ایک سو پچپن برس لکھی ہو جو اور بھی خلاف قیاس اور غلط ہو۔ اور بدھسٹ کتابیں (مہاونسہ، دیپہ ونسہ اور اشوک وداننہ) کی عبارتیں اس قدر بے ربط اور ایک دوسرے سے مختلف ہیں کہ ان سے اور بھی الجھن پیدا ہوتی ہو۔ غالباً کسی خاص سبب سے یا کسی مذہبی تعصب کی وجہ سے نند خاندان کے متعلق تمام روایتیں بے سر و پارہ گئی ہیں۔ قدیم ترین پرانوں میں اوّل نند راجا یعنی مہاپدم کو اک شہزادہ بتایا ہو جس نے نصیب کی یاوری سے حکومت پائی اور اس سے عالی خاندان کھتریوں کی حکومت کا خاتمہ اور ادنیٰ طبقے کے شدر کی حکومت کا آغاز ہوا۔ بدھسٹ مہاونسہ میں اس کو دھن[۵۱] نند لکھا ہو جس سے شاید اس کو حریص یا مال ست کہنا مقصود ہو۔ اسی طرح یوان چوانگ چینی سیاح نے لکھا ہو کہ پاٹلی پتر کے استوپ کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہو کہ اس میں نند راجا کے خزانے مدفون ہیں[۵۲]۔

مسٹر جسوال کا خیال ہو کہ نو نند سے بجائے تعداد کے نو نند یعنی نیا نند مراد ہو[۵۳] اور یہ قیاس زیادہ تر صحیح معلوم ہوتا ہو۔

---

(۱۴) نند راجا کے متعلق یونانی تاریخ کا بیان

نند خاندان کے آخری راجا کے زمانے میں اسکندر اعظم نے ہندستان پر چڑھائی کی اس لیے یونانیوں کی تاریخ میں بھی اس کا ذکر آگیا ہو جو حسب ذیل ہو۔

---

[۵۱] داناپور اسی کی یادگار ہو جو دھن پور سے داناپور ہو گیا۔ رپوٹ ڈاکٹر ویڈل صفحہ ۱۲

[۵۲] ان دی ترویلس آف یوان چوانگ صفحہ ۹۶

[۵۳] جرنل بہار و اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی جلد ۱ صفحہ ۹۱ تا ۹۵

۳۲۶ قبل مسیح میں اسکندر اعظم جب ہفاسیس (HYPHASIS) (دریائے بیاس) کے قریب وارد ہوا تو بھگیلا نامی ایک ہندستانی سردار نے اس کو خبر دی کہ گنگاردائی اور پراسی[1] قوم کے راجا کا نام زندرس یا اگرمس ہے اور پورس (POROS) نے بھی اس کی تصدیق کی۔ اس راجا کے پاس بیس ہزار سوار، دو لاکھ پیدل، دو ہزار رتھ اور تین چار ہزار ہاتھی ہیں[2]۔" اسکندر کو یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ راجا شریر اور بدذات ہونے کے سبب اپنی مملکت میں نہایت بدنام ہے۔ اول نند کسی حجام کا بیٹا تھا اس نے صحیح الاصل راجا کی رانی سے تعلقات پیدا کر کے راجا کو قتل کرادیا اور اس کی اولاد کا مربی بن کر ان کو اپنے قابو میں لایا اور راجا کے خاندان کا خاتمہ کیا۔ اس کے بعد اس کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جو اسکندر کے حملوں کے وقت حکمراں تھا اور اپنے باپ کی طرح نالائق ہونے کے سبب رعایا کی نظر میں نہایت حقیر اور قابلِ نفرت تھا[3]۔ بہر کیف نند خاندان میں نو راجا ہوں یا صرف دو ہی ثابت ہوں ان کی حکومت بجمیع الوجود ۴۱۳ قبل مسیح سے ۳۲۱ قبل مسیح تک تسلیم کی گئی ہے۔ آخری راجا کو چندر گپت موریا نے قتل کر کے حکومت حاصل کر لی[4]۔

---

[1] پروفیسر گرنڈل نے لکھا ہے کہ پراسی سے سنسکرت لفظ پراچیہ مراد ہے جس کے معنی پوربی کے ہیں۔ دیکھو انشنٹ انڈیا صفحہ ۷۔ جنرل کننگھم جیوگرافی آف انڈیا صفحہ ۵۱۸ میں لکھتے ہیں کہ مگدھ میں پلاس گھانس بہ کثرت ہونے کے سبب یہ مگدھ کا قدیم نام ہے اور پلاس کو پراس تلفظ کرتے ہیں۔ اسی سبب باشندوں کو پراسی کہتے ہیں۔

[2] انشنٹ انڈیا صفحہ ۷ [3] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۴۲-۴۳ و ۱۲۳

[4] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۴۵

باب دوم

موریا خاندان کی حکومت ۳۲۲ تا ۱۸۶ قبل مسیح

(۱) راجا چندر گپت موریا ۳۲۲ قبل مسیح تا ۲۹۸ قبل مسیح

اسکندر اعظم کے ہندستان آنے کے زمانے میں مگدھ کی حکومت نہایت وسیع تھی۔ پراسی اور گنگا ردای قومیں کوسلا (اودھ) ترہت، بنارس اور انگا (ضلاع مونگیر وبھاگل پور) تک تمام چھائی ہوئی تھیں[۵۱]۔ اسکندر کے سوانح میں لکھا ہو کہ اندروکوٹو (چندر گپت) جو اس وقت محض نوجوان تھا سکندر سے ملا تھا اور بعد میں کہا کرتا تھا کہ اسکندر تمام مگدھ پر قابض ہو سکتا تھا اس لیے کہ راجا کے بد سرشت اور بد ذات ہونے کے سبب اس کی رعایا اس کو نہایت حقیر اور قابلِ نفرت سمجھتی تھی[۵۲]۔

چندر گپت ابتدا میں ایک گمنام شخص نظر آتا ہو اس کے خاندان کی اصلیت کچھ معلوم نہیں اور اس کے باپ کا نام تک نہیں معلوم۔ ڈاکٹر اسمتھ لکھتے ہیں کہ "عام طور پر چندر گپت آخری نند راجا کی نسل سے ایک مجہول الاصل شخص قیاس کیا جاتا ہو اور اس کی ماں یا نانی موریا نامی ایک ادنا طبقے کی عورت بتائی جاتی ہو۔ لیکن ایسے وجوہ موجود ہیں جن سے پایا جاتا ہو کہ چندر گپت بجائے نیچ ذات ہونے

---

۵۱ ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۴۴

۵۲ ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۱۲۲ بحوالہ پلوٹارک باب ۶۲

کے سابق عالی خاندان نند راجا کا قرابت مند تھا۔ مگدھ کا راجا مہا پدم نند اس کی کسی گستاخانہ گفتگو سے برہم ہوگیا تھا اس لیے چندر گپت نے جان بچانے کے لیے جلاوطنی اختیار کی تھی"۔[1]

حال میں بمبئی کے مشہور پارسی عالم سر جیون جی مودی نے اس کے پارسی نژاد ہونے کا دعوا کیا ہے۔ لیکن یہ بات اب تک پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی ہے۔[2]

اسکندر اعظم کی واپسی پر چندر گپت نے سرحد کے خانہ بدوشوں، لٹیروں اور جنگ جو قبیلوں کو ساتھ لے کر ایک بڑا لشکر تیار کیا اور پس ماندہ یونانی فوج کو شکست دے کر پنجاب پر قبضہ کر لیا۔ غالباً اس کے پہلے ہی چندر گپت نے چانکیہ (جس کو وشنو گپتا اور کوتیلیا بھی کہتے ہیں) نامی برہمن وزیر کی سازش سے مگدھ کے نند راجا کو قتل کر کے حکومت حاصل کر لی تھی۔[3]

اسکندر کے مرنے پر اس کے مفتوحہ ممالک اکثر اس کے سپہ سالاروں میں تقسیم ہو گئے۔ پنجاب اور سرحد کے علاقے سلیوکوس نکیٹر (سلاقس) کے دخل میں تھے جو اُس وقت ملک شام میں حکومت کرتا تھا۔ چندر گپت نے جب سرحدی علاقوں اور پنجاب پر قبضہ کیا تو سلیوکوس بھی فوج لے کر آپہنچا۔ جنگ کی کیفیت تو معلوم نہیں لیکن ۳۰۳ قبل مسیح میں سلیوکوس نے صلح کر لی اور پانسو ہاتھی اور کچھ تحائف لے کر پروپنی سدائی، اریا، اور اراکوسیہ یعنی موجودہ کابل، ہرات اور قندھار کے علاوہ پنجاب کے علاقوں سے بھی دست بردار ہوگیا اور غالباً ایک لڑکی بھی چندر گپت

---

[1] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۱۲۴

[2] رپورٹ آل انڈیا اورینٹل کانفرنس واقع پٹنہ ۱۹۳۰ء

[3] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۱۲۴۔ چانکیہ کی مشہور کتاب ارتھ شاستر جس میں حکومت کے اصول بتائے گئے ہیں۔

سے بیاہ[1] دی۔ اسی صلح کے بعد سلیوکوس نے اپنے ایک افسر میگستھنز نامی کو بہ طور سفیر چندر گپت کے پاس روانہ کیا۔ اس لائق سفیر نے عرصۂ دراز تک دارالحکومت پاٹلی پتر[2] میں قیام کیا۔ اس کے قلم بند کیے ہوئے جغرافی حالات زراعت کی کیفیت اور ملکی آئین و دستور وغیرہ اس زمانے کی تاریخ کے لیے قابلِ قدر ہیں۔ میگستھنز کی اصلی تحریر اب نایاب ہے لیکن اس کے حوالے سے دوسرے مورخوں نے جو کچھ لکھا ہے اس سے کافی حالات معلوم ہوتے ہیں۔

---

(۲) پاٹلی پتر کے متعلق یونانیوں کا بیان

استرابو (STRABO) نے لکھا ہے کہ "میگستھنز کے بیان کے مطابق گنگا کا پاٹ سوا سٹیڈیا[3] ہے اور اس کا عمق بیس فیدم (یعنی چالیس گز کے قریب) ہے اس ندی اور ایک دوسری ندی کے ملاپ کی جگہ پاٹلی پتر واقع ہے۔ یہ صورتاً مستطیل ہے اور اس کے چاروں طرف کاٹھ کی دیواریں ہیں جن میں تیر چلانے کے لیے سوراخ بنے ہوئے ہیں۔ شہر کی حفاظت کے لیے سامنے باہر کی جانب ایک خندق ہے اور شہر کا کثیف پانی بھی خندق میں نکل جاتا ہے۔ جن لوگوں کے ملک میں یہ شہر واقع ہے وہ سارے ہندستان میں نہایت ممتاز ہیں۔ یہ پراسی کہلاتے ہیں۔ ان کا راجا اپنے خاندانی نام کے علاوہ پالی بوتھرو کا لقب بھی اختیار کرتا ہے۔ جیسا کہ چندر گپت

---

[1] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۱۲۴ و ۱۲۵

[2] میگستھنز ۳۰۲ ق م و ۲۸۸ ق م کے درمیان پاٹلی پتر میں تھا۔ اینشینٹ انڈیا کرنڈل صفحہ ۱۴۰

[3] ایک اسٹیڈیم ۲۰۲ $\frac{1}{4}$ گز تخمیناً ہوتا ہے۔ صفحہ ۱۸۲ اینشینٹ انڈیا کرنڈل

نے کیا جس کے پاس میگستھنز سفیر ہو کر گیا تھا[۱]۔"

مورخ ایریان نے لکھا ہے کہ "ہندستان میں سب سے بڑا شہر وہ ہے جو پالی بوتھر کہلاتا ہے یہ "پراسیان" کی مملکت ہے جہاں ایرانہ بواس (یعنی سون ندی) اور گنگا ملتی ہے۔ گنگا سب ندیوں سے بڑی ہے اور ایرانہ بواس شاید ہند میں تیسری بڑی ندی ہے۔ لیکن جہاں پر یہ گنگا میں گرتی ہے گنگا سے چھوٹی ہے۔ میگستھنز نے بتایا ہے کہ یہ شہر اسّی اسٹیڈیا کے طول میں دو طرفہ آباد ہے۔ اس کا عرض پندرہ اسٹیڈیا ہے اور اس کے گرد چھ سو قدم چوڑی اور تیس ہاتھ گہری خندق ہے۔ دیواروں پر پانسو ستر برجیاں اور چوسٹھ دروازے ہیں۔ یہاں تمام باشندے آزاد ہیں، ان میں کوئی غلام نہیں[۲]۔"

پلینی لکھتا ہے کہ "ہند میں پراسی تمام قوموں سے زیادہ طاقت ور اور نامور ہیں ان کا دارالحکومت پالی بوتھرا ہے جو بہت بڑا اور دولت مند شہر ہے۔ یہاں کا باشندہ بلکہ گنگا کے محاذ میں تمام علاقہ پالی بوتھرا کہلاتا ہے۔ راجہ کے پاس باقاعدہ تنخواہ دار فوج میں چھ لاکھ پیدل، تیس لاکھ سوار اور نو ہزار ہاتھی ہیں۔ اس سے اس کی طاقت اور اقتدار کا اندازہ ہوتا ہے[۳]۔"

---

(۳) دارالحکومت پاٹلی پتر کا انتظام اور چندر گپت کے باقی حالات

تاریخوں کے رو سے چندر گپت ہی پہلا راجا ہے جس نے دوسرے راجاؤں کو مطیع کر کے ہندستان کے بیشتر حصص کو اپنی حکومت میں شامل کیا، اور پاٹلی پتر ہی

---

[۱] اینشنٹ انڈیا مکرنڈل صفحہ ۶۵ (بحوالہ سترابو صفحہ ۳۵، ۳۶ و ۷۰۲)

[۲] اینشنٹ انڈیا صفحہ ۶۷ (مکرنڈل)، [۳] اینشنٹ انڈیا صفحہ ۱۴۱ مکرنڈل۔

پہلا دارالحکومت ہے، جہاں اوّل اوّل ایک باضابطہ اور منظم حکومت قائم ہوئی۔ یونانیوں کے بیان کے علاوہ چانکیہ[1] کی کتاب ارتھ شاستر (ترجمہ انگریزی شام شاستری مطبوعہ گورنمنٹ پریس بنگلور ۱۹۱۵ء) سے اس راجا کی شان و شوکت، نظامِ حکومت عادات و اشغال اور اس کے علاوہ راجا و رعیت کی طرزِ معاشرت پر پوری روشنی پڑتی ہے اور اس زمانے کے آئین و دستور کا بھی پتا ملتا ہے۔ پاٹلی پتر کے انتظام کے لیے پانچ پانچ اشخاص کی چھ جماعتیں یا مجلسیں تھیں۔ اوّل جماعت کو صنعت و حرفت کی نگرانی، دوسری کو پردیسیوں اور مسافروں کی خبر گیری، تیسری کو پیدائش و وفات کا دفتر مرتب کرنا اور باشندوں سے ٹیکس وصول کرنا، چوتھی کو شہر کے اندرونی و بیرونی معاملات کی دیکھ بھال اور پانچویں کو اہلِ شہر کی مصنوعات کی خرید و فروخت پر چُنگی وصول کرنا سپرد تھا اور ان سب جماعتوں کو بہ حیثیت مجموعی شہر کے بازار، مندر گھاٹ وغیرہ وغیرہ کے متعلق بھی ضروری انتظام کرنا ہوتا تھا۔[2]

زمین کی مال گزاری پیداوار کی ایک چوتھائی کے برابر ہوتی تھی۔ محکمۂ پیمائش و بندوبست اور نہر و آب پاشی کے علاوہ آب کاری یعنی شراب کی بھٹیوں کا بھی حکومت کی طرف سے انتظام تھا۔ تجارتی مال پر چُنگی کی وصولی سے شاہی خزانے میں بڑا اضافہ ہوا کرتا تھا۔ دور دراز علاقوں کے لیے حکام (وائسرائے) مقرر تھے جو غالبا راجا کے قرابت مند یا معتمد ہوتے تھے۔ پرچے نویس اور گویندے بھی مقرر تھے جو راجا کو خبریں پہنچایا کرتے تھے۔ سڑکوں میں ہر دس اسٹیڈ یا (قریب نصف میل) پر فاصلے کے نشان کے لیے پتھر گاڑ دیے گئے تھے اور ایک شاہی سڑک

---

[1] چانکیہ ایک ذی علم برہمن تھا جو راجا چندر گپت اور اس کے بیٹے کا مشیر خاص تھا۔

[2] اینشنٹ انڈیا مکرنڈل صفحہ ۸۷

دس ہزار اسٹیڈیا لمبی پاٹلی پتر سے ممالک مغربی وشمالی تک بنی ہوئی تھی۔[۵۱]

اس زمانے میں جرائم کی سزائیں بھی بہت سخت ہوتی تھیں۔ بعض معمولی جُرم پر تو کسی طرح جرمانہ دے کر چھٹکارا ہوجاتا تھا لیکن شدید قسم کی چوری یا سرکاری افسروں کے سامنے جھوٹ بولنے پر اکثر اعضا کاٹ دیے جاتے تھے اور سرکاری مطالبے ادا نہ کرنے پر سزائے موت تک ہوتی تھی۔ ملزموں سے اقبالِ جُرم کرانے کو طرح طرح کی ایذائیں دی جاتی تھیں۔ میگستھنز کے بیان کے مطابق چندرگپت کی خرگاہ میں چار لاکھ خلقت رہتی تھی لیکن کسی دن دو سو درہم سے زیادہ کی چوری وقوع میں نہ آئی۔[۵۲]

غالباً چندرگپت نے اصولِ نظم ونسق یونانیوں سے اخذ کیے تھے لیکن اس کے دربار کی بعض رسومات مثلاً سال گرہ کے دن بالوں کو دھونا وغیرہ ایرانیوں کی رسومات کے مطابق تھیں۔[۵۳]

چندرگپت کے زمانے میں پَن نامی ایک سکّہ رائج تھا چاندی کا پن تقریباً آٹھ دس آنوں کے برابر ہوتا تھا" ولی عہد کی تنخواہ اڑتالیس ہزار پن تک سالانہ تھی اور ایک ادنیٰ مزدور سال بھر میں ساٹھ پن تک کما لیتا تھا۔[۵۴]"

راجا کے دربار میں ہر طرح کی آرایش اور تزک کے سامان موجود رہتے تھے لیکن عوام الناس کی وضع نہایت سیدھی سادی تھی۔ صرف دھوتی اور چادر میں گزارا کر لیتے تھے لیکن اس پر بھی چاندی سونے کے زیورات کے بڑے شائق تھے۔ چندرگپت نے ۲۹۷ء قبل مسیح تک حکومت کی۔ جین دھرم والوں کی روایت ہو کہ

---

۵۱ ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۱۳۲ بحوالہ سترابو ۱۵

۵۲ ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۱۳۷

۵۳ ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۱۳۵ ۵۴ ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۱۵۴

اُس نے جین دھرم اختیار کیا تھا اور ملک میں بارہ برس تک شدید قحط رہنے کے سبب اُس نے حکومت سے علیحدگی اختیار کی۔ ڈاکٹر اسمتھ لکھتے ہیں کہ یقین ہوتا ہو کہ یہ بیان حقیقت پر مبنی ہو۔[۱]

---

(۴) راجا بندوسرا امترا گھاٹہ ۲۹۸ سنہ قبل مسیح تا ۲۷۱ سنہ قبل مسیح

چندر گپت نے خود حکومت ترک کی یا مرایا مارا گیا صحیح معلوم نہیں لیکن ۲۹۸ سنہ قبل مسیح میں اس کا بیٹا بندوسرا راجا ہوُا، اس کا لقب امترا گھاٹہ[۲] تھا جس کے معنی عدو کش کے ہیں۔ چندر گپت اور سلیوکوس نکیٹر سے جو ارتباط قائم ہوئے تھے بندوسرا کے زمانے میں بھی قائم رہے اس لیے کہ میگستھنز کے بعد ۲۹۶ سنہ قبل مسیح میں ڈایکوس (DIAMAC HO S) سفیر ہو کر پاٹلی پتر آیا۔ ۲۸۰ سنہ قبل مسیح میں نکیٹر کے مارے جانے پر اس کا بیٹا انٹیوکوس سوٹر بادشاہ ہوُا اس سے اور راجا بندوسرا سے جو مراسلات ہوئی اس موقع پر درج کی جاتی ہو۔

بندوسرا نے انٹیوکوس سوٹر کو لکھا کہ انجیر سے زیادہ حلاوت کسی چیز میں نہیں، اس لیے تھوڑے انجیر اور شراب انگوری بھیج دو اور تمھارے ہاں معلم اچھے ملتے ہیں میں ان کو نقد دے کر بلوانا چاہتا ہوں، لہذا کسی معلم کو بھی روانہ کرو۔ اینٹوکوس نے جواب دیا کہ میں انجیر اور شراب انگوری نہایت خوشی

---

[۱] ارلی ہسٹری صفحہ ۱۵۴

[۲] یونانیوں نے اس راجا کو امرتوکوتوس لکھا ہو انشینٹ انڈیا مکرنڈل صفحہ ۵ اور بدھسٹ انڈیا صفحہ ۲۷۲)

کے ساتھ روانہ کرتا ہوں لیکن افسوس کہ آخر الذکر مطلوبہ شی بھیجنے سے معذور ہوں، کیوں کہ معلم کو فروخت کرنا یونانیوں کے شیوے کے خلاف ہے[۱]

۲۸۵ قبل مسیح سے ۲۴۷ قبل مسیح تک پٹولمی فلاڈلفس ملک مصر میں حکمراں تھا اس نے اپنے سفیر دایوانی سیوس نامی کو پاٹلی پتر روانہ کیا تھا اور اس سفیر نے یہاں کے کچھ حالات بھی قلم بند کیے تھے جس کو پلینی مورخ نے پہلی صدی عیسوی میں دیکھا تھا۔ لیکن یہ صحیح طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ سفیر راجا بندوسرا کے پاس پہنچا تھا یا اس کے مرنے پر راجا اشوک کے زمانے میں[۲]۔ بہر حال بندوسرا نے اپنے باپ کی حکومت کو قائم رکھا ممکن ہے کہ اس میں کچھ اضافہ بھی کیا ہو کیوں کہ میسور گزیٹیر ۱۸۹۷ء سے معلوم ہوتا ہے کہ موریا خاندان کی حکومت میں دکن کا بیشتر حصہ شامل تھا۔ ڈاکٹر اسمتھ نے لکھا ہے کہ تارا ناتھ تبت کا مورخ صاف طور پر لکھتا ہے کہ بندوسرا اپنے باپ کے وزیر چانکیہ کے مشورے سے کام کرتا تھا۔ اس نے سولہ راجاؤں اور ان کے وزرا کو قتل کر کے اپنی حکومت کو ہر دو جانب سمندروں کے کنارے تک وسعت دی۔ یہ سولہ راجا یقینی طور پر دکھن ہی کی طرف ہو سکتے تھے[۳]

بندوسرا نے اٹھائیس برس حکومت کر کے ۲۷۱ قبل مسیح میں انتقال کیا[۴]۔

---

[۱] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۱۵۵

[۲] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۱۵۶ بحوالہ پلینی (نیچرل ہسٹری ۶)

[۳] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۱۵۷

[۴] بہسٹ انڈیا صفحہ ۲۷۲ اور ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۲۰۶

(۵) راجا اشوک (ملقب بہ پیادسی) ۲۷۱ سنہ قبل مسیح تا ۲۳۲ سنہ قبل مسیح

بندوسرا کے مرنے پر اس کا بیٹا اشوک راجا ہوا۔ یہ اپنے دادا چندر گپت سے بھی زیادہ مشہور اور عظیم الشان راجا گزرا ہو۔

ڈاکٹر رس ڈیوڈس لکھتے ہیں کہ سیلون کی تاریخی کتابیں اور دوسری بدھسٹ کتابیں اور خود اشوک کے کتابے ظاہر کرتے ہیں کہ تقریباً ۲۷۰ سنہ قبل مسیح میں جب اشوک راجا ہوا اس وقت وہ اوجینی میں مگدھ کی طرف سے نائب السلطنت تھا۔ یونانیوں نے اس راجا کے متعلق کچھ نہیں لکھا ہو اور برہمنوں کی کتابوں میں اس کے زمانے سے دس بارہ صدیوں تک قطعی اس کا کوئی ذکر نہیں اور اس مدت کے بعد بھی جب کہ اس کے رسوخ واثر کا کوئی خطرہ باقی نہ رہا تھا انھوں نے صرف اس کا نام راجاؤں کی فہرست میں داخل کر دیا ہو۔ ان مصنفوں کی بدھسٹ تحریروں تک دست رس نہ تھی اور کتبے بھی نہ پڑھ سکتے تھے۔ سیلون کی کتابوں سے بیقینی طور پر دریافت ہوا ہو کہ کتبوں میں لفظ پیادسی سے آشوک ہی مراد ہو۔ آشوک کے متعلق ایک روایت یہ بھی ہو کہ اس کی ماں چمپا (بھاگل پور) کے رہنے والے ایک برہمن کی لڑکی تھی۔[1]

بہر کیف بندوسرا کے مرنے پر آشوک راجا ہوا لیکن اس کی باقاعدہ تاج پوشی چار برس کے بعد ہوئی۔ غالباً اس کا سبب یہ ہوگا کہ اس کے بھائی نے جو ٹکسیلا

---

[1] دیکھو بدھسٹ انڈیا صفحہ ۲۷۲ تا ۲۷۸ کتاب اشوک اودانہ (سنسکرت) نیپال میں دیپہ ومسہ (پالی) ابرہمایں۔ بدھا گھوشا بہار کے رہنے والے کی تحریر (پالی) اور مہاومسہ سیلون میں دستیاب ہوئی ہیں جن میں آشوک کا حال ہو۔

(پنجاب) کا حاکم تھا اس کی مخالفت کی ہوگی۔ سیلون کی روایتوں میں آشوک کو نہایت شریر اور ظالم لکھا ہے اس لیے کہ اس نے بھائیوں اور قرابت دار ننانوے[۹۹] نفوس میں سے اٹھانوے کو قتل کیا۔ ڈاکٹر اسمتھ اس روایت کو غلط ٹھیراتے ہیں اس لیے کہ اس کی تاج پوشی کے چودہ سال بعد کے کتابوں سے ظاہر ہے کہ اس کے بھائی اور بہن دونوں موجود تھے جن کے ساتھ وہ اخلاق سے پیش آتا تھا[لے]

آشوک نے اپنی تخت نشینی کے نویں سال کلنگا[لے] (خلیج بنگالہ کے پچھم جانب ساحلی علاقوں کا نام ہے) کی حکومت سے جنگ کی۔ اس جنگِ عظیم میں مخالف کے ایک لاکھ آدمی قتل ہوئے اور ان کے علاوہ ڈیڑھ لاکھ نفوس گرفتار ہو کر اسیر ہوئے اور کئی لاکھ قحط اور بعض اسباب سے (جو اسی جنگ سے پیدا ہوئے تھے) ہلاک ہوئے۔ آشوک کو اس واقعہ سے ایسا انفعال ہوا کہ پھر کوئی جنگ نہ کی اور اس کے اظہار کے لیے پتھر پر یہ حکم کندہ کر کے نصب کیا گیا کہ "اصلی فتح دھرم سے ہے۔"

بودھ دھرم کے زیرِ اثر رفتہ رفتہ اشوک کو اس مذہب میں ایسا غلو ہو گیا کہ یہ خود بھی راہبانہ زندگی بسر کرنے لگا۔ تمام نظامِ حکومت بجائے سیاسی اصولوں کے بودھ دھرم کے تحت میں آ گئے۔ کسی ذی روح کو تکلیف دینا ممنوع ہو گیا اور جانوروں کو ذبح کرنا بھی موقوف کر دیا گیا۔

۲۴۹ء قبل مسیح کے قریب آشوک نے پاٹلی پتر سے نکل کر نیپال کپل وستھو۔ بنارس اور بودھ گیا میں دھرم کے مقدس مقاموں کی زیارت کی اور اس کی یادگار میں عبارتیں کندہ کر کے پتھر گاڑے گئے۔ نیپال کے سفر میں آشوک کی لڑکی چارومتی

لے ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۱۶۵

لے قیاس ہے کہ اڑیسہ کے علاوہ چھوٹا ناگ پور کے پہاڑی علاقے بھی کلنگا کی حکومت میں شامل تھے۔

نامی بھی اس کے ساتھ گئی تھی اس نے راہبانہ زندگی اختیار کی اور اشوک کی واپسی پر نیپال ہی میں رہ گئی۔ اس نے وہاں اپنے شوہر وبوپال کی یادگار میں دیو پٹنہ آباد کیا جو اب تک مشہور ہے۔ خود آشوک نے بھی للت پٹن یا للت پاٹن نامی شہر کی بنا ڈالی تھی جو اب تک نیپال کے دارالحکومت کاٹھ مانڈو سے ڈیڑھ کوس پر موجود ہے۔

آشوک نے رفاہِ عام کے کام بھی بہت کیے۔ سڑکیں بنوائیں، درخت نصب کرائے، سرائیں بنوائیں، ہر آدھ کوس پر کنوئیں کھدوائے۔ انسانوں اور جانوروں کے علاج کے لیے علیحدہ علیحدہ ہسپتال کھولے۔ ان کے علاوہ دھرم کی تعلیم کے لیے بہت سے ویہارے یعنی تعلیم گاہیں بنوائیں۔

پاٹلی پتر میں ہر پانچ برس پر ایک عظیم الشان مذہبی جلسہ ہوا کرتا تھا جس میں خلقت کی روحانی ترقی کے لیے تجاویز طے پاتی تھیں۔ ڈاکٹر اسمتھ کا خیال ہے کہ یہ جلسے اشوک کی حکومت کے تیسویں اور چالیسویں سال کے درمیان منعقد ہوئے۔ آشوک کے ایک بھائی مہندر نامی نے بھی بودھ دھرم اختیار کیا تھا اور راج گیر کے پہاڑ پر راہبانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ آشوک نے اس کے لیے اس پہاڑی کا نمونہ تیار کرا کے پاٹلی پتر میں رکھوا دیا اور مہندر کو یہیں رہ کر ریاضت کرنے پر راضی کیا[۱]۔

بودھ مذہب کی اشاعت کے لیے آشوک نے بعض مبلغ غیر ملکوں میں بھی روانہ کیے۔ چین، جاپان، تبت اور برہما وغیرہ میں جو کثیر تعداد بودھ دھرم والوں کی پائی جاتی ہے اسی کی سعی کا نتیجہ ہے۔

---

[۱] اس پہاڑی کا نمونہ اب تک بھکنا پہاڑی میں موجود ہے۔ محلہ مہندرو اسی مہندر کے نام کی یادگار ہے۔ دیکھو رپوٹ کرنل ویڈل بابت پاٹلی پتر مطبوعہ ۱۸۹۲ء اور اس کو راقم نے خود بھی دیکھا ہے۔
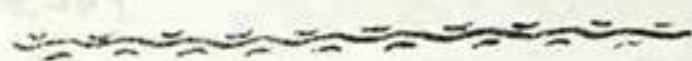
(۶) اشوک کی یادگاریں

اس راجا نے عمارتیں بھی بہت بنوائیں۔ خاص پاٹلی پتر میں اس کے محلات اور بعض عمارتیں فاہیان چینی سیّاح نے ۴۱۲ء کے قریب خود دیکھی تھیں اور ۶۳۰ء کے قریب یوان چوانگ نے بھی ان کا کھنڈر پایا تھا۔ بودھ گیا میں سنہاسن (نشست گاہ) اور سنگین کٹھرے اسی کے بنوائے ہوئے تھے جن کا کچھ حصہ اب تک باقی ہے[۱]۔ سانچی (بھوپال) میں اس کا بنوایا ہوا استوپ اب تک درست حالت میں موجود ہے۔ چینی سیاحوں نے اس کے چوراسی ہزار استوپ بنوانے کی روایت لکھی ہے۔ اشوک کے زمانے کے کُتابے جو پائے گئے ہیں ان کی تعداد بھی تیس سے متجاوز ہے۔ ان میں سے خاص صوبۂ بہار میں تین کُتابے برابر کے پہاڑ (ضلع گیا) میں۔ تین سہسرام (ضلع شاہ آباد) میں ایک موضع لوریا نند پورا اور ایک موضع رام پوروا (ضلع چمپارن) میں پایا گیا ہے۔

یہ کُتابے مختلف مضامین کے ہیں، ان میں بیشتر والدین کی اطاعت، ذی روح کی نگہداشت، صداقت، نیکی، استاد کا ادب اور قرابت مندوں کے ساتھ حُسن سلوک کی تاکید ہے۔ غیبت اور غیر مذہب کی توہین کی سخت ممانعت ہے اور حکومت کی فرماں برداری ہر شخص کا فرض ہے۔ عام اس سے اس کے ذاتی عقائد کچھ ہوں، کتابوں میں لفظ دھرم کے سوا گوتم بدھ یا بودھ مذہب کا کچھ ذکر نہیں اور خدا کا بھی نام یا کوئی ذکر نہیں[۲]۔ یہ سب کُتابے اُتر کوہ ہمالیہ سے دکھن میسور تک اور پورب بنگالہ سے پچھم گجرات تک کے درمیان متفرق مقاموں

---

[۱] بدھسٹ انڈیا صفحہ ۲۹۰ (حال میں راقم نے خود بھی اس کو دیکھا ہے)

[۲] بدھسٹ انڈیا صفحہ ۲۹۷

میں پائے گئے ہیں۔

راجا اُجات سترو نے گوتم بدھ کی خاکستر کو راج گیر کے استوپ میں مدفون کیا تھا۔ اشوک نے اس کو نکلوا کر تمام ملک میں تقسیم کر دیا اور ان پر نئے استوپ[1] بنوائے۔ اشوک نے چالیس برس حکومت کی۔ اس کے مفصل حالات لکھنے کے لیے پوری کتاب کا حجم کافی نہ ہوگا۔ مندرجہ بالا سطور میں چیدہ چیدہ حالات درج کیے گئے ہیں جو کتاب بدھسٹ انڈیا صفحہ ۲۷۲ تا ۲۹۰ اور ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۱۶۲ تا ۲۰۷۔ اور کتاب آشوک مولفہ ڈاکٹر اسمتھ مطبوعہ اکسفورڈ سنہ ۱۹۲۰ء سے ماخوذ ہیں۔

---

(۷) اشوک کی مدتِ حکومت کے متعلق ایک نکتہ

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، عام طور پر اشوک کی مدتِ حکومت چالیس برس قبول کی گئی ہے، لیکن پاٹلی پتر کے "املکہ استوپ" کے متعلق چینی سیاح کے بیان سے راقم کو گمان ہوتا ہے کہ اشوک اپنی زندگی ہی میں حکومت سے بے سروکار ہو گیا تھا۔ یوان چوانگ کی اس تحریر کے متعلق مسٹر طامس ویٹرس کا تنقیدی بیان حسبِ ذیل ہے۔

"یوان چوانگ اپنے بیان کے سلسلے میں لکھتا ہے کہ کوکوترمہ استوپ کے پاس ایک اور استوپ ہے جس کو املکہ استوپ کہتے ہیں۔ اس کی تعمیر کے متعلق اشوک

---

[1] لفظ استوپ کو سنسکرت زبان میں استوپہ۔ پالی زبان میں تھوپہ اور انگریزی میں (TOPE) کہتے ہیں۔ جس کے معنی مدفن کے ہیں۔ مُردوں کی خاک یا کسی شے کو دفن کر کے اس کے اوپر گنبد کی صورت کا ٹیلہ بناتے تھے۔

کا شدّتِ مرض میں آدھا آملہ نذر چڑھانا بیان کیا ہے۔ راجا نے یہ جان کر کہ اب آخری وقت ہے اپنا مال بدھسٹ فقیروں کو خیرات کرنا چاہا لیکن وزرا حکومت پر حاوی ہو گئے تھے۔ انھوں نے اس کی خواہش پوری ہونے نہ دی ایک بار اس نے کھانے کے وقت ایک آملہ ہاتھ میں رکھ لیا تھا جس کا نصف حصہ بار بار ہاتھ لگانے سے خراب ہو گیا تھا، اس نے اس کو ہاتھ میں لے کر انسان کے عیش و عشرت کی بے ثباتی پر آہِ سرد کھینچی اور وزرا سے جو اس وقت موجود تھے کچھ باتیں کر کے ان میں سے ایک کو حکم دیا کہ وہ آدھا آملہ لے جا کر کوترمہ کے برادرانِ مذہبی کو اس کا پیغام پہنچائے۔ راہبوں کے سرگروہ نے اُس آدھے آملے کی نذر قبول کی اور راجا کو دُعا دے کر اُس آملے کو کھانا پکانے والے کے سپرد کیا کہ اس کو پکا کر برادرانِ مذہبی کو کھلا دے اور اس کی گٹھلی کو رکھ کر اس پر استوپ بنائے"۔

"اشوک کے نصف آملہ نذر کرنے کا قصّہ کئی بدھسٹ تحریروں میں مذکور ہے[1]۔ جب راجا ضعیف ہوا، اُس نے اپنے پوتے سمپتی کو جو کنال کا بیٹا تھا، اپنا جانشین بنایا۔ اس نے بعض اعلیٰ حکام کی رائے سے جو ہر طرح کا اختیار رکھتے تھے، راجا اشوک کی مذہبی خیراتوں کو بند کر دیا اور رفتہ رفتہ راجا کے ملازموں اور اس کے ذاتی وظیفے میں بھی کمی کر دی۔ اس پر راجا نے کہا کہ بجائے جمبودیپ (یعنی ملکِ ہند) کے مالک ہونے کے اب میں صرف آدھے پھل کا مالک رہ گیا ہوں[2]۔"

---

[1] چینی جاتری فاہیان اور ہوان چوانگ کا بیان آیندہ سطروں میں مذکور ہوگا، اس کو دیکھنا چاہیے۔

[2] آن دی ٹرویلس آف یوان چوانگ صفحہ ۱۰۰

(۸) اشوک کے ورثا اور جانشین

اشوک کی کئی رانیاں تھیں۔ اُن میں سے ایک کا نام کاروا کی تھا اور اس سے ایک بیٹا تیورا نامی تھا جو غالباً اشوک کی زندگی میں مرگیا۔ دوسری رانی اسندھ مترا نامی تھی جو اشوک کی زندگی ہی میں مرگئی۔ اس کے بعد اشوک نے ایک بیاہ اور کیا۔ اس تیسری رانی کا نام تشیا رکھیتا تھا۔ اشوک کے بیٹوں میں تیورا کے علاوہ کنال اور جلوک نامی بھی تھے۔ روایات کے مطابق بیٹی کے علاوہ گیارہ بیٹے تھے لیکن ان میں سے کسی کے راجا ہونے کا حال معلوم نہیں ہوتا۔

---

(۹) دسرتھ سمپتی اور برہدرتھ ۲۳۲ء قبل مسیح تا ۱۸۵ء قبل مسیح

اشوک کے بعد اس کے پوتے دسرتھ اور سمپتی نے تمام ممالک کو آپس میں تقسیم کرلیا۔ دسرتھ مشرقی علاقوں پر قابض ہوا اور سمپتی نے مغربی علاقوں پر قبضہ کیا۔ دسرتھ کی تخت نشینی کا زمانہ ۲۳۲ء قبل مسیح قیاس کیا گیا ہے۔ اُس نے آٹھ برس حکومت کی۔ نگرجون پہاڑی (ضلع گیا) میں کتابے پائے گئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جگہ اس نے جین دھرم والوں کے اجیوک فرقے کے لیے وقف کی تھی[۱]۔

---

[۱] جرنل بہار واڑیسہ ریسرچ سوسائٹی جلد ۱ ۱۹۱۵ء صفحہ ۱۵۹ تا ۱۷۱

ڈاکٹر اسمتھ لکھتے ہیں کہ اشوک کے جانشینوں کے متعلق ہندوؤں کے پران کی عبارت ایسی بے سروپا ہے کہ کوئی نتیجہ مستنبط نہیں ہو سکتا۔ بہرکیف موریا خاندان نے بہ جمیع الوجوہ ایک سو سینتیس (۱۳۷) برس حکومت کی۔ دسرتھ کے بعد چار حکمراں اور ہوئے۔ ان میں سے ایک کا نام سالشوک کسی قدر صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اس خاندان کے آخری راجا برہدرتھ کو پشیا متر نامی فوجی سردار نے قتل کر کے حکومت حاصل کرلی۔[1]

اشوک کے بعد مگدھ کی حکومت صرف چند صوبوں تک محدود رہ گئی تھی۔ برہدرتھ کے مارے جانے پر حکومت پشیا متر سونگا کے خاندان میں منتقل ہوئی لیکن موریا خاندان اس کے بعد بھی عرصۂ دراز تک مگدھ میں باقی رہا، غالباً اس کی حیثیت محض زمین دار راجا کی سی رہ گئی تھی۔ یوان چوانگ چینی سیاح کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اشوک کے خاندان کا آخری راجا پورن ورما نامی تھا جس نے کارن سوارن کے راجا ساسانیکا کے حملوں کے بعد سنہ ۶۲۰ع میں بودھ گیا کے مقدس درخت کو از سرِ نو زندہ کیا۔[2]

---
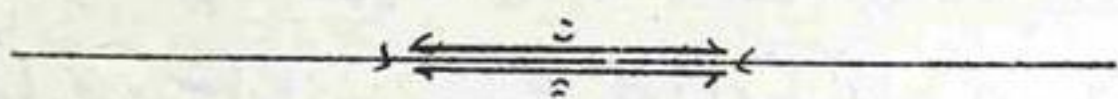
[1] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۲۰۱ تا ۲۰۴

[2] ان دی ٹرویلس آف یوان چوانگ صفحہ ۱۱۵ ساسانیکا کے حملوں کا حال آیندہ اوراق میں اپنی جگہ پر مذکور ہوگا۔

باب سوم

سونگا اور کانوا خاندان کے زمانے سے اندھرا کی حکومت کے بعد ۳۰۰ء تک

(۱) پشیامتر سونگا ۱۸۵ قبل مسیح تا ۱۴۹ قبل مسیح

پشیامتر سونگا کی اصلیت کے متعلق سخت اختلاف ہے۔ مسٹر جیسوال اس کو برہمن نسل کا آدمی بتلاتے ہیں[1] لیکن ہرش چرتر کی عبارت کے رو سے ڈاکٹر اسمتھ اس کو نیچ ذات کا آدمی ٹھیراتے ہیں[2]۔ اس کے ایرانی نژاد ہونے کی بھی ایک روایت ہے لیکن اس کا ثبوت نہیں ملتا۔

بہرکیف پشیامتر راجا برہدرتھ کی فوج کا سپہ سالار تھا۔ فوج کے معائنے کے وقت اپنے آقا کو دھوکے سے قتل کر کے خود تخت نشین ہوا۔ ۱۶۵ء قبل مسیح کے قریب کلنگا کے راجا کھرویلا نے اس پر چڑھائی کی اور دارالحکومت پاٹلی پتر کے قریب آ پہنچا اس وقت پشیامتر متھرا کی طرف چلا گیا۔ کھرویلا نے بھی گورتھاگری (ضلع گیا) سے آگے قدم بڑھانا مناسب نہ سمجھا لیکن اس کے چار برس بعد پھر شمال سے گنگا کو ہاتھیوں پر عبور کر کے اچانک مگدھ کے دارالحکومت

---

[1] جرنل بہار و اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی جلد ۴ ۱۹۱۸ء

[2] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۲۰۸

پاٹلی پتر پر چڑھ آیا۔ اس وقت پشیامتر کو اطاعت قبول کرنی پڑی اور خزانے کے علاوہ جین کی ایک مورتی بھی جو نند راجا کے وقت میں کلنگا سے چھین کر لائی گئی تھی واپس دینی پڑی [۱]

۱۵۸-۱۵۵ قبل مسیح میں میننڈر نامی یونانی حکمران نے اپنی مملکت کابل سے آکر پشیامتر کے ممالک پر حملہ کیا۔ سخت مقابلے کے بعد بالآخر یونانیوں کو پسپا ہونا پڑا۔ اس جنگ کے زمانے میں پشیامتر کا بیٹا اور ولی عہد اگنی متر نامی مقام بھلسا (غالباً اندور کے قریب) میں حکومت کرتا تھا۔ پشیامتر نے اپنے پوتے باسونامی کو ودھرب (برار) کے راجا سے جنگ کرنے کو تعینات کیا اس جنگ میں نمایاں فتح حاصل ہوئی جس کی یادگار میں پشیامتر نے رسم کے مطابق گھوڑے کی قربانی کی جس کو "اسومیڈھ" کہتے ہیں۔

سنسکرت زبان کا مشہور عالم پتن جلی اسی زمانے میں گزرا ہے۔ پشیامتر کے عہد میں برہمنوں کا پھر عروج ہوا اور بودھ اور جین دھرم کو سخت ہزیمت پہنچی۔ مگدھ سے پنجاب تک ان کی مقدس عمارتیں منہدم کی گئیں بعض مذہبی پیشوا قتل کیے گئے اور بعضوں نے غیر ممالک میں جا کر جان بچائی۔ پشیامتر نے ۱۴۹ قبل مسیح میں انتقال کیا [۲]

---

[۱] ہاتھی گمپا اودے گیری میں جو کتبہ پایا گیا ہے اس میں دوبارہ کھرویلا کا مگدھ فتح کرنا مذکور ہے۔ دیکھو بدھسٹ انڈیا صفحہ ۳۱۰ اور جرنل بہار و اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی جلد ۳ سنہ ۱۹۱۶ء

[۲] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۲۰۸ تا ۲۱۳

(۲) پشیامتر سونگا کے جانشین ۱۳۹ء تا ۷۳ء قبل مسیح

ہندوؤں کے پرانوں کے مطابق سونگا خاندان میں دس راجا ہوئے جن کے نام اور مدتِ حکومت حسبِ ذیل ہے[1]۔

(۱) پشیامتر سونگا	چھتیس برس
(۲) اگنی متر پسر پشیامتر	آٹھ برس
(۳) باسوجیٹھا پسر اگنی متر	سات برس
(۴) باسومتر پسر باسوجیٹھا	دس برس
(۵) اندرک پسر باسومتر	دو برس
(۶) پولندک	تین برس
(۷) گھوس پسر پولندک	تین برس
(۸) وجرامتر	نو برس
(۹) بھگوت	تیس برس
(۱۰) دیوبھوبی یا دیوبھوتی	دس برس

مدتِ حکومت کے متعلق ایک اختلاف یہ پایا جاتا ہے کہ پرانوں میں اس خاندان کی حکومت ایک سو بارہ برس لکھی ہے۔ لیکن فہرست کے مطابق جوڑنے سے ایک سو بیس برس ہو جاتے ہیں۔ غالباً اگنی متر کی حکومت کے آٹھ برس پشیامتر ہی کے زمانے میں گزرے تھے۔ اس خاندان کے آخری راجاؤں کے کچھ کارنمایاں معلوم نہیں ہوتے۔ سب سے آخری راجا دیوبھوتی عیاش طبع تھا۔ اس کی بدچلنی کے سبب اس کے برہمن وزیر باسدیو کانوا نے اس کو قتل

---

[1] ڈائی نسٹیز آف دی کلی یوگ (کلجگ) آف۔ ای۔ پارجیٹر ۱۹۱۳ء صفحہ ۳۰، ۷۰ و ۷۱

کرا کے حکومت اپنے خاندان میں منتقل کر لی[۱]

---

(۳) کانوا خاندان کی حکومت سنہ ۷۳ تا سنہ ۲۷ قبل مسیح

دیو بھوتی کے مارے جانے پر باسدیو کانوا راجا ہوا، اس کے بعد اس خاندان میں تین راجا اور ہوئے ان سب کے نام اور مدتِ حکومت حسبِ ذیل ہے۔

(۱) باس دیو کانوا	نو برس
(۲) بھومی متر پسر باس دیو	چودہ برس
(۳) نرائن پسر بھومی متر	بارہ برس
(۴) سوسرما پسر نرائن	دس برس

پرانوں کی عبارت کے مطابق یہ چار برہمن راجا پینتالیس برس حکومت سے متمتع رہے اور انھوں نے اپنے جوار کے دوسرے راجاؤں کو بھی مطیع کیا اور عدل کے ساتھ حکومت کی۔ ان کے بعد مگدھ کی حکومت اندھرا کی حکومت کے تحت میں آگئی[۲]

---

(۴) مگدھ میں اندھرا کی حکومت

راجا اشوک کے حال میں کلنگا کی جنگ کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ یہی کلنگا کی حکومت رفتہ رفتہ ترقی کر کے خلیج بنگال کے مغربی ساحل سے پورے دکھن

---

[۱] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۲۱۵

[۲] ڈائی نس ٹیز آف دی کلی یوگ صفحہ ۱۷ (پارجیٹر)

ہں پھیل گئی جو تاریخوں میں اندھرا کے نام سے مشہور ہوئے۔ قبل مسیح کے قریب اندھرا کی حکومت مگدھ پر حملہ آور ہوئی اور اسی معرکہ میں مگدھ کا آخری برہمن راجا سوسرما مارا گیا۔ ڈاکٹر اسمتھ لکھتے ہیں کہ "اگرچہ اس وقت تک کوئی سکہ یا کوئی دوسری یادگار ایسی نہیں پائی گئی جس سے اندھرا کے راجاؤں کا پاٹلی پتر سے کوئی سروکار معلوم ہو۔ تاہم ممکن ہو کہ یہ عرصے تک مگدھ پر متصرف رہے ہوں۔ پرانوں میں کانوا خاندان کے بعد اندھرا کی حکومت لکھی ہو اور اندھرا کے اول راجا سموک یا سیپارک کو سوسرما کا قاتل بتایا ہو۔ لیکن در حقیقت اندھرا کی حکومت ۲۳۰ قبل مسیح یا ۲۴۰ قبل مسیح میں قائم ہوئی تھی اس لیے سوسرما کا قاتل سموک صحیح نہیں ہو سکتا۔ بہرکیف یہ بات صحیح طور پر نہیں کہی جا سکتی کہ یہ سموک کون اور کب تھا۔

اندھرا کے کئی راجاؤں کی تخت نشینی کا زمانہ معلوم نہیں۔ جو کچھ کہا جا سکتا ہو بس اسی قدر کہ سوسرما کا قاتل اندھرا کے گیارھویں، بارھویں یا تیرھویں راجا میں سے کوئی ہو سکتا ہو[1]۔"

ڈاکٹر موصوف کے بیان سے صاف طور پر کوئی بات منقح نہیں ہوتی، اور راقم کے خیال میں اشوک کے خاندان۔ (موریا خاندان) کے راجاؤں کا پھر مگدھ پر متصرف ہو جانا زیادہ تر قرین قیاس ہو۔ ممکن ہو کہ یہ راجا اندھرا کے ماتحت ہوں۔ اشوک کے ورثا کے حال میں اس خاندان کے آخری راجا پورن ورما کا

---

[1] اندھرا میں تیس راجا ہوئے جنھوں نے ساڑھے چار سو برس حکومت کی۔ گیارھویں، بارھویں اور تیرھویں راجا کے نام (۱۱) سگند سواتی (۱۲) مرجندر سواتی اور (۱۳) کنتلا سواتی تھے۔ یہ سب ساتباہن خاندان کے تھے اور اکثروں کا لقب سکرنی تھا۔ ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۲۱۴-۲۱۶ و ۲۳۱

سنہ ۶۴۰ء کے قریب مگدھ میں حکومت کرنا ہوان چوانگ کے بیان کے حوالے سے مذکور ہو چکا ہے۔

---

(۵) سنہ ۲۷ قبل مسیح سے سنہ ۳۰۰ء تک کا حال

کانوا خاندان کے بعد سے تقریباً تین صدیوں تک مگدھ کے حالات تاریکی میں آتے ہیں۔ ڈاکٹر اسمتھ لکھتے ہیں کہ "یہ نہیں معلوم کہ اندھرا کی حکومت جو اس قدر طویل مدت (ساڑھے چار سو برس) تک قائم رہی، بالآخر کیوں کر ختم ہوئی۔ تیسری صدی عیسوی ہندستان کے صفحۂ تاریخ پر ایک سیاہ دھبے کے مانند ہے۔ اُس زمانے کے تمام واقعات ایسے تاریک پردے میں نہاں ہیں کہ کچھ دکھائی نہیں دیتا اور تصدیقِ واقعات کے بغیر محض اٹکل سے کام لینا بالکل بے سود ہے[۵۱]"

سولنگا خاندان کے بعد سے ہندستان کی تاریخ میں مختلف قوموں کا عروج و زوال نظر آتا ہے لیکن ان واقعات کو مگدھ کی تاریخ سے کوئی سروکار نہیں اس لیے اس مقام پر درج نہیں کیے گئے۔ صرف اس قدر بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سنہ [illegible]ء کے بعد کا دفیس ثانی نے جو کُشان خاندان کا حکمراں تھا کابل سے بنارس اور غازی پور تک فتح کر لیا۔ متفرق روایتوں سے پایا جاتا ہے کہ اس کے بعد اس کے بیٹے کانشکا نے سنہ ۱۲۰ء اور سنہ ۱۶۰ء کے درمیان پاٹلی پتر کے راجا کو شکست دی اور یہاں سے اسواگھوش نامی ایک بہت عالم و راہب

---

[۵۱] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۲۲۶

کو کشمیر لے گیا۔[۵۱]

ڈاکٹر اسمتھ لکھتے ہیں کہ ایسے وجوہ موجود ہیں جن سے یقین ہوتا ہے کہ کانشک کے زمانے سے باسدیو کشان کے عہد تک یعنی سن ۱۲۰ء سے سن ۲۲۰ء تک بہار کشان خاندان کے تحت میں تھا۔[۵۲] تاہم اس مدت کے حالات مزید تحقیقات کے محتاج ہیں۔

باب چہارم

گپتا خاندان کی حکومت سنہ ۲۷۱ء تا ۳۱۹ء

(۱) راجا گپتا اور گھٹوتکچھ سنہ ۲۷۱ء تا ۳۱۹ء

تیسری صدی عیسوی کے آخر زمانے میں پاٹلی پتر میں گپتا نامی راجا حکمراں تھا۔ اس کا زمانۂ حکومت سنہ ۲۷۱ء سے سنہ ۲۹۰ء تک شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا گھٹوتکچھ راجا ہوا جس نے سنہ ۳۱۹ء تک حکومت کی۔[۵۳] ان دونوں راجاؤں

---

۵۱ ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۲۷۶ جرنل بہار و اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی صفحہ ۴۴ جلد ۱۰
آن دی ٹریولس آف یوان چوانگ صفحہ ۱۰۴

۵۲ ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۲۷۶

۵۳ ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۲۹۴ و ۳۳۵

کے متعلق کوئی تفصیلی حالات معلوم نہیں گھٹوٹکچھ کے بعد اس کا بیٹا چندر گپتا مشہور راجا ہوا۔

---

(۲) راجا چندر گپتا ۳۱۹ء تا ۳۲۹ء

چندر گپتا جس کو گپتا خاندان کا اوّل چندر گپتا کہنا چاہیے ۳۱۹ء میں تخت نشین ہوا۔ ۳۰۸ء کے قریب اس نے لچھاوی خاندان میں (جس کا حال کسی قدر بیم پسار اور آجات ستروراجا کے زمانے میں گزر چکا ہی) کمار دیوی رانی سے شادی کی تھی۔

اس وقت لچھاوی حکومت ترہت و اودھ کے علاوہ مگدھ میں بھی نہایت ذی اقتدار اور فائق مانی جاتی تھی۔ اس شادی کی بدولت چندر گپتا نے اپنی حکومت کو پریاگ (الہ آباد) تک وسعت دی اور تمام لچھاوی علاقوں پر دخل جمایا۔ اس نے اپنے جلوس کی یادگار میں ایک سنہ بھی ایجاد کیا جو گپتا سنہ کے نام سے مشہور ہی۔ عیسوی سنہ کے حساب سے اس کا اوّل سال ۲۶ فروری ۳۲۰ء سے ۳ مارچ ۳۲۱ء تک قرار پاتا ہی اور سنہ عیسوی سے تخمیناً تین سو انیس برس کا فرق ہی۔[۱]

چندر گپتا نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹے اور ولی عہد سمدر گپتا کو اپنا جانشین بناکر باسو بندھو نامی بدھسٹ عالم اور راہب کو اس کا معلم و اتالیق مقرر کیا۔

۱؎ ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۲۹۶ - ۲۹۷

(۳) راجا سمدر گپتا سنہ ۳۳۰ء تا ۶۹-۳۸۰ء

سمدر گپتا پسر چندر گپتا کمار دیوی کے بطن سے تھا۔ غالباً کمار دیوی کے خاندان
میں کوئی حکومت کے لائق نہ رہا تھا۔ اسی سبب سے پھاوی حکومت اس قدر
آسانی سے مگدھ کے راجا کے ہاتھ آئی۔ بہرحال سمدر گپتا کے زمانے میں مگدھ
(پاٹلی پتر) کی حکومت نے از سرِنو اقتدار حاصل کیا۔ اس راجا نے "آریہ ورت"
(ایرین کا ملک یعنی ہندستان) کے نو راجاؤں کی حکومت کو اکھاڑ پھینکا۔ انھی
میں ایک گنپتی ناگ راجا تھا جس کا دارالحکومت پدماوتی تھا جو فی الحال پدم پاوا
کہلاتا ہے اور نروار سے پچیس میل اتر پورب مہاراجا سندھیا کی ریاست میں ہے۔
سمدر گپتا نے پاٹلی پتر سے چھوٹا ناگ پور کی راہ طے کر کے دکھن میں مہاندی کی ترائی
کے قریب مہندر نامی ایک راجا کو شکست دی اور اسی زمانے میں جنگلی علاقوں کو بھی
جو فی الحال اڑیسہ کی دیسی ریاستوں میں اور صوبہ متوسط میں شامل ہیں سر کیا (ان
علاقوں میں سب سے سربرآوردہ باگھرہ نامی ایک راجا تھا اس کا اور کوئی حال
معلوم نہیں) اڑیسہ کے علاوہ سمدر گپتا نے کلنگا کے دارالحکومت پشت پورہ (جو
پتھاورم کہلاتا ہے) میں بھی راجا کو ہزیمت پہنچائی اور گنجام کے تمام پہاڑی قلعوں
کو منہدم کیا۔ غرض اس نے پیاپے جنگ کر کے اتر کوہ ہمالہ کے دامن سے دکھن
مدراس کے علاقوں تک اور پورب بنگالہ (سناگا تو یعنی ڈھاکہ) سے آگے بڑھ کر آسام
تک، اور پچھم ارن پلا (مرہٹوں کا ملک) اور خاندیش تک فتح کر لیا۔ یہ واقعات
تخمیناً سنہ ۳۳۰ء سے سنہ ۳۵۰ء کے درمیان کے ہیں۔ دکن کی فتح میں بہت سا مالِ غنیمت
سمدر گپتا کے ہاتھ آیا۔ لیکن غالباً وہاں اس کی کوئی مستقل حکومت قائم نہ ہونے
پائی۔ اس راجا کے سفیر وسط ایشیا اور لنکا (جزیرہ سیلون) تک سفارت کرتے تھے۔

۳۶۰ء کے قریب سیلون کے بدھسٹ راجا میگھورنا نے دو بدھسٹ جاتریوں کو مگدھ میں بودھ گیا کے مقدس درخت اور راجا اشوک کے بنوائے ہوئے بدھسٹ وہیہارے کی زیارت کو روانہ کیا۔ ان جاتریوں نے سیلون واپس جاکر بیان کیا کہ سفر میں ان کے ٹھہرنے کے لیے کوئی مکان نہ تھا۔

میگھورنا نے سمدرگپتا کے پاس بہت سے جواہرات بطور تحفہ بھیج کر ایک سنگت تیار کرانے کی درخواست کی۔ چناں چہ بودھ گیا میں مقدس درخت کے شمال کی طرف ایک سہ منزلہ عمارت تیار کی گئی۔ جس میں چھ کمرے تھے۔ عمارت کے گرد تیس چالیس فٹ بلند احاطہ تھا اور تمام عمارت کو بہتوں قسم کے رنگ اور انتہائی صنعت سے پیراستہ کیا تھا۔ اس میں گوتم بدھ کی مورتی کو سونے اور چاندی پر جواہرات جڑ کر آراستہ کیا تھا۔ اور بدھ کی یادگار کے لیے اس عمارت کے مناسب حال ایک استوپ بھی بنایا تھا۔ اس کے متعلق بودھ گیا میں ایک کتبہ بھی پایا گیا ہے[۱]

سمدرگپتا نے اپنی فتوحات کی یادگار میں "اسومیدھ" (گھوڑے کی قربانی) کی رسم بھی ادا کی اور برہمنوں کو لاکھوں روپے نذر دیے۔

یہ راجا فنِ سپہ گری، شاعری اور موسیقی میں کامل دست گاہ رکھتا تھا۔ اس کے سکوں میں آرام کرسی پر بین بجاتے ہوئے اس کی تصویر بنی ہوئی ہے۔

ڈاکٹر اسمتھ لکھتے ہیں کہ اس راجا کو ہندستان کا نپولین کہنا چاہیے۔ ڈاکٹر موصوف کا دعوا ہے کہ ان کی تاریخ شائع ہونے کے قبل مورخوں کو اس عظیم الشان جنگ آزما، شاعر اور موسیقی داں راجا کا جس نے قریب قریب سارا ہندستان فتح کیا اور جس کے تعلقات دریائے آکس سے جزیرہ سیلون تک قائم تھے نام تک معلوم نہ تھا۔ گزشتہ اسی برسوں میں کتابوں اور سکوں کو بالاستیعاب دیکھنے

---

[۱] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۳۰۳ - ۳۰۴

سے اس کی گزشتہ شہرت دوبارہ سامنے آگئی اور اس کے حالات میں اس طویل بیان کا وقوع میں آنا اس بات کی واضح دلیل ہو کہ ہندستان کے زمانۂ قدیم کی مستند تاریخ آثارِ قدیمہ کی بالاستقلال تحقیقات سے اجزا کو جمع کرنے پر تیار ہو سکتی ہو۔[۵]

سمدر گپتا نے اپنی شوکت و عظمت کا حال ایک قصیدے کے طور پر سنسکرت میں نظم کر کے راجا اشوک کے کتبے کے سنگین پائے پر کندہ کرایا تھا جو الہ آباد کے قلعے کے اندر موجود ہو۔ لکھنؤ کے عجائب خانے میں ایک گھوڑے کی مورت پر اس راجا کا کتبہ تھا جو اب سے پیشتر پڑھا گیا تھا لیکن اب بالکل مٹ گیا ہو۔

سمدر گپتا نے تخمیناً نصف صدی تک حکومت کی۔ اس کے کئی لڑکے تھے۔ ان میں چندر گپتا جو رانی دتا دیوی کے بطن سے تھا، سمدر گپتا کے جیتے جی اس کا جانشین ہوا۔

۴، راجا چندر گپتا بکرماجیت ۳۸۰ء تا ۴۱۴ء

سمدر گپتا کے بیٹے اور جانشین کا نام اس کے دادے کے نام پر چندر گپتا رکھا گیا تھا۔ اس کے ساتھ بکرماجیت (یعنی آفتاب طاقت) کے لقب کا اضافہ ہوا۔ اس کو چندر گپتا ثانی بھی کہتے ہیں۔ ۳۹۵ء کے قریب اس نے مالوہ اور گجرات ہو کر سراشترا یعنی کاٹھیاوار پر چڑھائی کی اور ساکیہ قوم کو جو یہاں برسرِ حکومت

---

[۵] راقم نے اس راجا کے حالات ڈاکٹر اسمتھ کی ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۲۹۷ تا ۳۰۱، ۱۲ اور ۳۰۲ و ۳۴۲ سے اخذ کیے ہیں۔

تھی منہدم کیا۔ اس فتح سے اس کی حکومت پچھم جانب سمندر کے ساحل تک پھیل گئی۔ اسی زمانے میں اسکندریہ ہو کر مصر اور یورپ کا تجارتی مال ہندستان میں آنے لگا۔ اس راجا نے اپنا دارالحکومت پاٹلی پتر سے اجودھیا کو منتقل کیا۔ سیاسی مصلحتوں کے علاوہ اس کا سبب اس راجا کا ہندو مذہب کے غلو تھا کیوں کہ اجودھیا رام چندر جی کا جنم استھان کہا جاتا ہی۔ دارالحکومت نہ رہنے کے سبب پاٹلی پتر اور مگدھ کی رونق میں کمی آنے لگی۔ اس راجا نے سنہ ۴۱۳ع تک حکومت کی[1] اسی کے زمانے سے چین کے جاتری ہندستان اور مگدھ میں آنے لگے۔ ان میں پہلا شخص جس نے مگدھ اور پاٹلی پتر کے چشم دید حالات قلم بند کیے فاہیان نامی تھا۔

(۵) فاہیان چینی جاتری کا بیان سنہ ۴۰۵ع تا ۴۱۱ع

فاہیان ویسالی (ترہت) ہو کر پاٹلی پتر میں داخل ہوا۔ وہ لکھتا ہی کہ اس جگہ (یعنی ویسالی) سے چار یوجنہ[2] آگے پانچ ندیوں کے سنگم پر پہنچا۔ ندی کو عبور کر کے ایک یوجنہ طے کرنے پر شہر پاٹلی پتر میں پہنچا۔ جو مگدھ کی حکومت میں ہی اور اسی شہر میں اشوک راجا حکومت کرتا تھا۔ وسط شہر میں شاہی محلات اور

---

[1] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۳۰۰ تا ۳۰۴

[2] یوجنہ ایک دن کی مسافت یعنی ایک منزل ہوتی ہی۔ بعض حساب سے سات میل کے قریب اور بعض حساب سے پانچ میل کے قریب۔ لیکن بعضوں نے تین ہی میل قرار دیا ہی۔ دیکھو ان دی ٹرویلس آف یوان چوانگ صفحہ ۱۴۱

عمارتیں جیسی سابق میں تھیں بدستور موجود ہیں۔ اشوک نے ان کو جنوں سے تعمیر کرایا تھا۔ انھی نے پتھر جمع کیے، دیوار و در بنائے اور پھول اور بوٹے اور تصویریں تراشیں جو اس دنیا میں انسان کے ہاتھوں سے نہیں بن سکتی تھیں۔

"راجا اشوک کا ایک چھوٹا بھائی تھا جس نے آرہت (یعنی بدھسٹ راہب) کا مرتبہ حاصل کیا تھا۔ اور گردھا کوٹا[1] پہاڑی پر گوشۂ عافیت میں عزلت گزیں تھا۔ راجا نے عقیدت مندی کے باعث اس سے التجا کی کہ تم میرے ساتھ آکر رہو اور میں تمھاری حاجتوں کو پورا کروں۔ لیکن اس کو پہاڑ کا گوشۂ تنہائی اس قدر مرغوب تھا کہ اس التجا کو قبول کرنے کو راضی نہ ہوتا تھا۔ تب راجا نے کہا کہ تم میری التجا کو قبول کرو تو میں تمھارے لیے شہر میں ایک پہاڑی بنوا دوں گا۔ اس قرارداد کے بعد اس نے ایک دعوت کا سامان کیا اور جنوں کو طلب کر کے کہا کہ کل تم کو میرا فرمان ملے گا۔ لیکن نشست کے لیے بوریا موجود نہیں اس لیے ہر ایک اپنی نشست کی چیز ساتھ لے کر آئے۔ دوسرے دن اجنہ اپنی اپنی نشست کے لیے بڑے بڑے چٹان جو ناپ میں چار پانچ قدم مربع دیوار کے طور پر تھے لے کر حاضر ہوئے۔ راجا نے بڑے بڑے پتھر رکھوا کر ان سے ایک پہاڑی بنوائی۔ اور پانچ مربع پتھر پہاڑی کے دامن میں رکھوا کر ایک کوٹھڑی بنوائی جو تیس ہاتھ کے قریب لمبی اور بیس ہاتھ چوڑی اور دس ہاتھ سے زیادہ بلند تھی[2]۔"

---

[1] سیلاگری پہاڑی (راج گیر) کا قدیم نام گردھا کوٹا یعنی گدھ والی چوٹی تھا۔ انشنٹ جیوگرافی آف انڈیا (کنگھم) صفحہ ۵۲۳ و ان دی ٹرویلس آف یوان چوانگ صفحہ ۱۵۳

[2] موجودہ تحقیقات کے مطابق یہی جگہ بھکنا پہاڑی کر کے مشہور ہے۔ یہ پہاڑی اشوک نے اپنے بھائی مہندر کے لیے بنوائی تھی۔ رپوٹ کرنل ویڈل ۱۸۹۲ء

اس شہر میں رادھا سوامی نامی ایک برہمن رہتا تھا جو مہایانہ (بودھ دھرم کا ایک فرقہ ہو) اصول کی تعلیم دیتا تھا۔ یہ شخص نہایت عاقل و فرزانہ اور ہر شے سے واقف تھا اور بے لوث زندگی بسر کرتا تھا۔ اس ملک کا راجا اس کی تعظیم کرتا تھا اور چیلے کی طرح اس کی خدمت کرتا تھا۔ جب یہ صاحب سلامت یا مزاج پرسی کو جاتا تھا تو راجا اس کے برابر بیٹھنے کا قصد نہ کرتا تھا۔ اور اگر فرط محبت یا تعظیمانہ اس کا ہاتھ پکڑ لیتا تھا تو ہاتھ چھوڑ دینے پر برہمن فوراً پانی لے کر ہاتھ کو دھو ڈالتا تھا۔ اس کی عمر قریب پچاس برس کے تھی اور سارا ملک اس کو مانتا تھا۔ اسی ایک شخص کے سبب بدھ مذہب ہر طرف شائع ہوا اور اس کے مذہبی گروہ کو غیر مذہب والے کوئی ضرر نہ پہنچا سکے۔

اشوک کے استوپ[1] کے پاس مہایانہ (فرقہ) کا نہایت اعلیٰ اور خوش نما ویہارہ بنا ہوا ہے اور دوسرا ویہارہ ہنایانہ (فرقہ) کا بھی ہے۔ ان دونوں میں کوئی چھ سات سو راہب رہتے ہیں۔ ان کا طرز سکونت اور ضابطہ اور تعلیمی انتظامات قابل دید ہیں۔

تمام اطراف سے اعلیٰ ترین نیکوکار سرمنہ (درویش) طالب علم، حق اور دلائل حق تلاش کرنے والے سب ان ویہاروں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ویہارے کے اندر منجوسری نامی ایک معلم ہے جن کو ملک بھر میں بڑے بڑے سرمنہ بھی واجب التعظیم جانتے ہیں۔"

اس ملک کے شہر اور قصبے حکومت متوسط میں سب سے بڑے ہیں۔ باشندے دولت مند اور مرفہ الحال ہیں۔ نیکوکاری اور سچائی میں ہر ایک دوسرے

---

[1] لفظ استوپ کے معنی اشوک کی یادگار کے سلسلے میں بیان کیے جا چکے ہیں، اس کو دیکھنا چاہیے۔

پر فائق رہنا چاہتا ہو۔ ہر سال دوسرے مہینےؔ کی آٹھویں تاریخ کو یہ لوگ بتوں کے جلوس کا تہوار مناتے ہیں۔ چار پہیوں کا ایک رتھ بنا کر اُس پہانس کا پانچ منزلہ مکان بناتے ہیں جو ایک شہتیر کے سہارے پر قائم ہوتا ہو جس میں آڑے ترچھے کھمبے لگے ہوتے ہیں۔ اس کی بلندی بیس ہاتھ سے کچھ زیادہ ہوتی ہو اور اس کی صورت ایک اسٹوپ کی سی ہوتی ہو۔ اس کے گرد سفید ریشمی اور پشمینے کے رنگ بہ رنگ کپڑے لپیٹتے ہیں۔ سونے چاندی اور نیلم کی اعلیٰ قسم کی دیوتاؤں کی مورتیاں تیار کی جاتی ہیں۔ اور ان پر ریشمی جھالریں اور چتر لگاتے ہیں۔ ہر چہار طرف نشست گاہ میں ایک بدھ اور اُس کی خدمت میں ایک بدھستوا (کی مورتی) کو بٹھلا دیتے ہیں۔ تقریباً بیس رتھ ہوتے ہیں اور سب اعلیٰ و شان دار ہوتے ہیں۔ ہر ایک کی وضع مختلف ہوتی ہو۔ جس دن کا ذکر کیا گیا اس روز تمام اطراف سے راہب اور عوام الناس مع گویوں اور مشاق سازندوں کے جمع ہوتے ہیں۔ یہ لوگ پھولوں اور بخور کی نذریں چڑھا کر اظہار پرستش کرتے ہیں۔ برہمن آکر بدھ (کی مورتیوں) کو شہر میں داخل ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ اور اس طور پر وہ داخل ہو کر دو رات یہاں قیام کرتے ہیں۔ تمام رات چراغ روشن رہتے ہیں اور اچھے گویئے بھی موجود رہتے ہیں۔ اور نذریں چڑھتی رہتی ہیں اور علاقوں میں بھی یہی دستور ہو۔"

شہر میں ویش ذات والوں نے خیرات خانے اور شفاخانے کھول رکھے ہیں۔ جہاں غریب مفلس یتیم یا جن کے اہل و عیال نہ ہوں لولے، لنگڑے اپاہج اور مریضوں کی ہر طرح خبرگیری کی جاتی ہو۔ طبیب ملاحظہ کر کے ان کے احوال کے مطابق غذا اور دوائیں دیتے ہیں اور عافیت پہنچاتے ہیں۔ اچھے ہونے پر یہ

ؔ سال کے دوسرے مہینے سے غالباً اساڑھ کا مہینہ مراد ہو۔

پس خواہش کے مطابق بیچے جاتے ہیں۔"

جب راجا اشوک نے چوراسی ہزار استوپ بنوانے کے ارادے سے سات اسٹوپوں کو منہدم کیا تو سب سے پہلے یہ استوپ تیار کرایا جو شہر سے دکھن تین لی (نصف میل) کے فاصلے پر ہے۔ اس کے سامنے بدھ کے قدم کا نشان ہے جہاں ایک وِہار بھی تعمیر کیا گیا ہے۔ اس کا دروازہ اُتر رُخ کا ہے اور اس کے دکھن پتھر کا گول پایہ ہے جس کی گولائی چودہ پندرہ اور اونچائی تیس ہاتھ سے زیادہ ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ اشوک نے جمبودیپ (ملک ہند) کو راہبوں کے نذر کیا۔ اور پھر نقد دے کر واپس لیا۔ تین بار اس نے ایسا ہی کیا۔ یہ استوپ کے تین چار سو قدم اُتر اشوک نے شہر نی لی (NE-LE) آباد کیا۔ اس میں ایک سنگین پایہ ہے جو تیس قدم سے زیادہ بلند ہے۔ اس کے سرے پر شیر بنا ہوا ہے۔ اس پائے کے کتبے میں نی لی کی تعمیر کے اسباب مع سنہ و روز و ماہ درج ہیں"۔

مندرجہ بالا حالات کے علاوہ فاہیان نے بُودھ گیا اور راج گیر اور خاص پاٹلی پتر میں اشوک کا بنایا ہوا جہنم یا قید خانہ اور بدھ کے قدم کے نشان کے پتھر وغیرہ وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو بخوف طوالت کے خوف سے اس جگہ درج نہیں کیا گیا۔ اس موقع پر یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ اس وقت تک نالندہ کا مذہبی دارالعلم قائم نہیں ہوا تھا اس لیے اس کا کوئی ذکر نہیں آیا۔ اس نے جو کچھ لکھا ہے ذاتی اور مذہبی عقیدت مندی سے لکھا ہے۔ تاہم اس کا بیان صداقت سے خالی نہیں۔

فاہیان چین اور ختن سے کوہستانی راستوں کو طے کرتا ہوا ہندستان میں داخل ہوا اور ۳۹۹ء سے ۴۱۴ء تک تیرتھ سیاحت اور تحصیلِ علم کر کے سمندر کی راہ سے چین واپس گیا۔

اُس نے تین برس پاٹلی پتر میں رہ کر سنسکرت زبان اور بدھ دھرم کے اصول سیکھنے میں صرف کیے۔ یہ زمانہ راجا چندر گپتا بکرماجیت ثانی کی حکومت کا تھا۔

مندرجہ بالا بیان کتاب بدھسٹ رکارڈس آف دی ویسٹرن ورلڈ مرتبہ پروفیسر بیل (Beal) مطبوعہ ۱۸۸۵ء اور فاہیانس ٹریولس مرتبہ پروفیسر لگ مطبوعہ ۱۸۸۶ء سے ماخوذ ہے۔

---

(۶) راجا کمار گپتا (اول) ۴۱۳ء تا ۴۵۵ء

چندر گپتا بکرماجیت کے بعد اس کا بیٹا کمار گپتا اول جو دھرب دیوی نامی رانی کے بطن سے تھا راجا ہوا۔ اس کے مفصل حالات معلوم نہیں۔ لیکن اس قدر معلوم ہے کہ اُس نے بھی "اسومیدھ" یعنی گھوڑے کی قربانی کی جو اس کے فاتح ہونے کی دلیل ہے۔ اس راجا کے زمانے کے سکے بھی پائے گئے ہیں۔ اس کے زمانے میں ہون قوم نے زور پکڑا۔ لیکن اس کی زندگی تک اس کی حکومت پر کوئی زوال نہیں آیا۔ غالباً کالی داس سنسکرت کے مشہور شاعر نے اسی راجا کے عہد میں شکنتلا نامی ناٹک تصنیف کیا۔[۱]

قصبہ بہار میں کچہری کے سامنے چبوترے پر ایک ستون نصب کیا گیا ہے اس میں اوپر کی طرف جو عبارت کندہ ہے اسی راجا کے عہد کا کتبہ ہے۔ اور نیچے کی عبارت اس کے بیٹے سکند گپتا کے زمانے کی ہے۔ سابق میں یہ پتھر قصبہ بہار کے پرانے قلعے کے کھنڈر میں پڑا ہوا تھا۔ وہیں سے لاکر اس جگہ نصب کیا گیا۔[۲]

---

[۱] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۳۱۶۔

[۲] پٹنہ ڈسٹرکٹ گزیٹر ۱۹۲۶ء میں بھی مذکور ہے علاوہ اس کے عام طور پر سب کو معلوم ہے۔

(۷) راجا سگند گپتا ۴۵۵ء تا ۴۶۷ء

سگند گپتا کمار گپتا کا بیٹا تھا۔ ۴۵۵ء کے قریب پشیا متر نامی کسی راجا نے (جس کا اور کوئی تاریخی حال معلوم نہیں) کمار گپتا کی حکومت پر چڑھائی کی اور کسی قدر ہزیمت بھی پہنچائی تھی۔ اس وقت سگند گپتا نے بڑی بہادری سے اپنے باپ کے راج کو بچا لیا تھا۔ اب اس کے خود راجا ہونے پر پھر وسط ایشیا کی خانہ بدوش ہون قوم اس کے ملک پر حملہ آور ہوئی۔ سخت معرکہ کے بعد سگند گپتا نے ان کو پسپا کیا اور اس فتح کی یادگار میں پتھر کے پائے پر عبارتیں کندہ کر کے اس پر وشنو کی مورتی رکھ کر نصب کیا۔ یہ پتھر مقام بھٹاری ضلع غازی پور میں موجود ہے لیکن مورتی کا کچھ پتا نہیں۔ سگند گپتا اپنی ماں کو بھی بہت مانتا تھا۔ سب سے پہلے اس نے اس فتح کی خوش خبری خود جا کر اپنی ماں کو پہنچائی۔ اس راجا نے سراشترا (کاٹھیاوار) کے دور دراز علاقوں کی حکومت کے لیے نائب مقرر کیے اور ہر جگہ مناسب انتظام کیا۔ لیکن ۴۶۵ء کے قریب ہون قوم کا ایک دوسرا گروہ پنجاب کے مغربی علاقوں (گندھارا) پر قابض ہو گیا۔ اور اس کے چند سال بعد سگند گپتا کی حکومت پر چڑھ آیا۔ اس وقت سگند گپتا سے کچھ بنائے نہ بنی۔ گپتا خاندان کے جو سکے پائے گئے ہیں ان میں خود سگند گپتا کے آخری زمانے کے سکے کا سونا اس کے ماقبل کے سکوں کے مقابلے میں کھوٹا ہے۔ غالباً متواتر جنگ کرنے کے سبب کافی سونا بہم نہ پہنچا ہوگا۔ سگند گپتا نے ۴۶۷ء کے قریب انتقال کیا۔ اس کے کوئی اولاد نہ تھی[۱]۔

---

[۱] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۳۲۶ تا ۳۲۹

(۸) راجا پورگپتا اور مگدھ کی حکومت سنہ ۴۶۷ء

چندرگپتا بکرماجیت ثانی کے زمانے میں دارالحکومت کا پاٹلی پتر سے اجودھیا کو منتقل ہونا اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ غالباً اس کے بعد سے اس خاندان کے حکمراں مگدھ میں بطور نائب حکومت کرتے ہوں گے۔ بہرحال یہ معلوم ہوتا ہے کہ سکند گپتا کے آخری زمانے میں کچھ مدت کے لیے اس کے سوتیلے بھائی پورگپتا نے مگدھ میں حکومت کی۔ پورگپتا کمارگپتا اول کا بیٹا اننت نامی رانی کے بطن سے تھا۔ خالص سونے کا سکہ جس کے پشت کے جانب پرکاش ادیتہ لکھا ہوا ہے اسی راجا کا سمجھا جاتا ہے۔ شاید اس نے چند مہینوں سے زیادہ حکومت نہ کی[۵۱]۔

---

(۹) راجا نرسنگ بالادت گپتا سنہ ۴۶۹ء تا سنہ ۴۷۳ء

پورگپتا کے بعد نرسنگ بالادت گپتا راجا ہوا۔ اس راجا نے بودھ دھرم کی تعلیم کے لیے نالندہ کی مشہور تعلیم گاہ کی بنا قائم کی۔ جنرل کننگھم نے اس کی جگہ قصبہ بہار سے چھ کوس دکھن موضع بڑگانو میں تحقیق کی ہے۔ ڈاکٹر سپونر اور سٹرپچ وغیرہ ہم نے بہت سے آثارِ قدیمہ بھی کھود کر نکالے ہیں[۵۲]۔ اس راجا کو ہونہ قوم سے بھی سخت معرکے پیش آئے۔

---

[۵۱] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۳۲۹

[۵۲] انشنٹ جیوگرافی آف انڈیا صفحہ ۵۳۶، رپورٹ آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا ایسٹرن سرکل بابت سنہ ۱۹۰۱ء و سنہ ۱۹۱۵-۱۶ء و سنہ ۱۹۱۶ء وغیرہ۔

(۱۰) نالندہ کی تعلیم گاہ

راجا نرسنگ بالادت گپتا نے نالندہ میں اینٹوں کا ایک بڑا مندر یا بودھ دھرم کی خانقاہ بنوائی جو تین سو فٹ بلند تھی۔ اس میں چاندی اور سونے کے ظروف تھے جن کو جواہرات سے آراستہ کیا تھا۔ نالندہ کی وجہ تسمیہ کے متعلق یوان چوانگ نے لکھا ہے کہ روایت کے مطابق اس مقام کے جنوب میں آم کے درختوں کے جنگل میں ایک تالاب تھا اور اس میں جو اژدھا[۱] رہتا تھا اس کو نالندہ کہتے تھے۔ اور اسی کے نام پر اس جگہ کا نام رکھا گیا[۲]۔ اس کے بعد لکھا ہے۔ "لیکن دراصل واقعہ یہ ہے کہ گوتم بدھ سابق جنم میں راجا تھا اور اس کا دارالحکومت یہیں تھا۔ راجا ہونے کی حیثیت سے اس کا لقب نالندہ تھا جس کے معنی داد و دہش سے نہ رکنے والے کے ہیں۔" اسی لقب سے وہار موسوم کیا گیا۔ اس سرزمین میں آموں کا باغ تھا جس کو پانسو تاجروں نے دس کروڑ سونے کے سکے دے کر خرید کیا اور بدھ کی نذر کیا۔ بدھ کے انتقال کے بعد ہی اس دیس کے راجا سکرادتیا نے ایک وہارہ بنوایا[۳]۔ اس کے بیٹے اور جانشین بدھ گپتا راجا

۱؎ عبارت میں لفظ ڈراگن (DRAGON) ہے جو ایک خیالی جانور کا نام ہے۔ اس کی صورت اژدہے یا مگر کی سی فرض کی گئی ہے جس کے بازو بھی ہوتے ہیں اور منھ سے شعلے نکلتے رہتے ہیں۔ جو چین کے اوہام پرستوں کے عقیدے میں ایک قسم کا بدی کرنے والا دیوتا تصور کیا جاتا ہے۔

۲؎ ای چنگ چینی سیاح نے بھی یہی وجہ تسمیہ لکھی ہے۔ ان دی ٹریولس آف یوان چوانگ صفحہ ۱۶۶ جلد دوم

۳؎ یہ بیان یوان چوانگ کے مذہبی عقائد سے تعلق رکھتا ہے۔ بدھسٹ رکارڈس آف دی وسٹرن ورلڈ صفحہ ۱۶۸ میں بھی یہی ہے اور وہارہ کے لیے نیو کھودنے میں اژدہے کو زخم لگنا بھی لکھا ہے۔

نے دکھن جانب اپنے باپ کے کارِ خیر کو جاری رکھ کر پورب طرف ایک اور
ویہارہ بنوایا۔ راجا تتھاگتہ گپتا نے تیسرا ویہارہ بنوایا اور اس سے اُتر پورب
راجا بالا دتیا نے چوتھی عمارت تعمیر کرائی۔ جس وقت آخر الذکر عمارت کے افتتاح
کی رسم ادا ہوئی، راجا نے دعوت دے کر تمام اطراف سے بدھسٹ بھائیوں کو بلایا۔
ان میں دو شخص تھے، جنھوں نے خود کو چین کا باشندہ بتایا تھا۔ جب راجا ان کی
ملاقات کو گیا، یہ دونوں پُراسرار طریقے پر نظروں سے غائب ہو گئے۔ راجا نے
اس واقعے سے متاثر ہو کر حکومت ترک کر دی اور بدھسٹ بھائیوں میں شامل
ہو گیا۔ لیکن نو آموز ہونے کے سبب اس کا رتبہ اوروں سے کم تھا اور یہ بات
اس کو ناگوار معلوم ہوئی۔ آخر بدھسٹ بھائیوں کو کہنے سے یہ قاعدہ مقرر ہوا کہ
ہر ایک کا مرتبہ اس کی عمر کے لحاظ سے مانا جائے۔ یہ خاص اس ویہارے کا
دستور تھا، دوسری جگہوں میں ایسا نہ تھا۔ اس ویہارے کے پچھم خود بالا دتیا اور
اس کے بیٹے اور جانشین وجرا نامی نے ایک اور ویہارہ بنایا اور اس کے اُتر وسطِ ہند
کے ایک راجا نے بعد کو ایک بڑا ویہارہ بنوایا[1]۔ ان سبھوں کے گرد بلند احاطے کی
دیواریں تھیں اور ایک دروازہ تھا۔ ان عمارتوں میں متواتر کئی راجاؤں کے عہد
میں عمدہ قسم کی مورتیاں رکھی گئیں جو بہت خوب صورت تھیں۔ سکرادتیا راجا کے
بنوائے ہوئے ویہارے میں بدھ کی مورتی تھی۔ ہر روز چالیس بدھسٹ یہاں
آکر کھانا کھاتے اور اس کے بانی کے حق میں دعائے خیر کرتے تھے۔ ان عمارتوں
میں ہزاروں ذی علم بدھسٹ رہتے تھے جن میں کئی سو نہایت ذی اعزاز اور
مشہور تھے۔ یہ لوگ اپنے مذہبی قواعد و ضوابط کے نہایت پابند تھے اور تمام

---

[1] بدھسٹ رکارڈس آف دی وسٹرن ورلڈ صفحہ ۱۷۰

BUDHIST RECORDS OF THE WESTORN WORLD P. 170

ہندستان کے لیے قابلِ تقلید نمونہ سمجھے جاتے تھے۔ درس اور مباحثے کے لیے سارا دن بھی ان کو کافی نہ ہوتا تھا۔ ان کو دن رات آپس میں ایک دوسرے کو نصیحت کرکے کامل بنانے سے غرض تھی۔ اگران میں کوئی تری پتا کا (بدھسٹ صحیفہ) کے اسرار پر گفتگو نہ کرسکا تو شرمندہ ہوکر خود کنارہ کش ہوتا تھا۔ غیر ملک سے طالبِ علم آکر اپنے شکوک رفع کرکے نام پیدا کرتے تھے اور یہاں سے جانے پر ان کی بڑی قدر ہوتی تھی۔ باہر والے جو مناظرے کے لیے آتے تھے اکثر مسائل کی مشکلات سے گھبرا کر واپس ہوجاتے تھے۔ یہاں وہی لوگ داخل ہوتے تھے جو قدیم وجدید علوم سے بخوبی بہرہ مند تھے۔ دس آدمیوں میں دو تین آدمیوں سے زیادہ کو داخل ہونے کی نوبت نہ آتی تھی۔

جن لوگوں نے نالندہ کو رونق بخشی ان میں دھرم پال اور چندر پال تھے۔ جو بدھ کی تعلیم کو دستور میں لائے۔ گوناتی اور استھرامتی بھی اپنے زمانے میں بڑے باوقعت تھے۔ پرابھامترا کے دلائل واضح ہوتے تھے اور سیلا بھدرا اپنی تمام خوبیوں کو نہاں رکھتا تھا۔ یہ سب ذی لیاقت اور قابل لوگ تھے اور ان کی کئی تصنیفیں بھی تھیں، جو اپنے زمانے میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔

اسی سلسلے میں سٹروپٹرس نے لکھا ہو کہ بودھ دھرم کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہو کہ بدھ ہی کے زمانے میں نالندہ نامی ایک گانو تھا جس میں 'پاداریکا' (یعنی آموں کا باغ) بھی تھا اور نالندہ کی زمین کے اصلی مالک کا نام امرہ یعنی آم تھا۔

آگے چل کر صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ سلا بھدر ایوان چوانگ کے زمانے میں نالندہ کے ویہارے میں سرگروہ تھا اور یوان چوانگ کا دوست اور اُستاد تھا۔ دھرم پال نے غالباً ۶۰۰ء کے قریب انتقال کیا۔

گوناتی کا زمانہ اس سے بھی قبل تھا۔ استھراتی نے مہایانہ اصول پر تقریظ لکھی تھی جس کا سنہ ۴۰۰ء کے قریب چین میں ترجمہ کیا گیا تھا۔ اور اس کے علاوہ بھی ایک رسالہ حقانیت کے متعلق لکھا تھا جس کا ترجمہ ۶۹۱ء میں ہوا۔ جیومتراکی تصنیف کا ترجمہ بھی ای چنگ نامی چینی سیاح (جو ساتویں صدی عیسوی کے آخر میں نالندہ آیا تھا) کی تحریر سے ثابت ہے لیکن باقی اشخاص کی تصنیف کا حال معلوم نہیں۔

بالادتیا مندر کے دکھن ایک پیتل کا مندر اور اس کے پورب اسّی فٹ بلند بدھ کی مورتی اور نالندہ سنگرام سے آٹھ تولی (ڈیڑھ میل) دکھن پچھم کولیکا نامی قصبہ بھی تھا۔ یوان چوانگ نے نالندہ کے قریب ایک سو مندروں اور مقدس مقاموں کا ذکر کیا ہے[۱]

بہرکیف نالندہ ہندستان میں بودھ دھرم کی مشہور و معروف تعلیم گاہ تھی جو ہندستان سے چین تک مشہور تھی۔ سنہ ۶۰۰ء کے قریب کارن سوارن (بنگالہ) کے بت شکن برہمن راجا نے مگدھ پر چڑھائی کرکے بودھ دھرم کی مورتیوں اور عمارتوں کو توڑ کر خاک میں ملایا اور ان دھرم والوں کا تمام نظام درہم و برہم کر ڈالا۔ اس کے بعد جو کچھ باقی رہ گیا تھا، محمد بن بختیار کے حملے کے بعد نابود ہو گیا[۲] اور اس کے عوض میں اسلامی مدرسے، مسجدیں اور خانقاہیں قائم کی گئیں۔ نالندہ کی کتابوں کو جلا دینا یا کسی طرح برباد کرنا طبقات ناصری میں جو اس زمانے کے واقعات کے لیے اصل ماخذ ہے کہیں مذکور نہیں۔ صرف اس قدر لکھا ہے کہ جو کتابیں پائی گئیں ایسی تھیں کہ کوئی ان کو پڑھ نہ سکا۔

---

[۱] ان دی ٹرویلس آف یوان چوانگ جلد دوم صفحہ ۱۶۴ تا ۱۷۲

[۲] اس کی کیفیت محمد بن بختیار کے حالات میں درج ہے

(۱۱) راجا کمار گپتا ثانی اور بدھ گپتا ۴۷۶ء تا ۵۳۵ء

نرسنگ بالادت گپتا کے بعد اس کا بیٹا کمار گپتا راجا ہوا۔ اس کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں۔ موضع بھٹاری ضلع غازی پور میں چاندی کی ایک مہر پائی گئی ہو جو اسی کے زمانے کی سمجھی جاتی ہو۔ ڈاکٹر اسمتھ لکھتے ہیں کہ "تخت نشینی کے وقت غالباً یہ بہت کم سن ہو گا اور شاید اس نے دو ایک برس سے زیادہ حکومت بھی نہیں کی ہو کیوں کہ سرناتھ کی مورتی کے کتبے کی مدد سے ۴۷۶ء میں بدھ گپتا نامی ایک حکمراں معلوم ہوتا ہو۔"[۱] راقم کے خیال میں یہ بھی قرین قیاس ہو کہ بدھ گپتا اسی کمار گپتا ثانی کا دوسرا نام یا لقب ہو۔

---

(۱۲) گپتا خاندان کا آخری دور دورہ

کمار گپتا کے بعد مگدھ میں کچھ کم دو سو برس تک گپتا خاندان نے راج کیا۔ اس مدت میں گیارہ راجا ہوئے لیکن ان کی حکومتیں برائے نام تھیں کیوں کہ راجا برمن خاندان کے راجاؤں کے جو موکھری کہلاتے تھے اور اودھ میں حکومت کرتے تھے، ماتحت یا سہیم تھے۔ گپتا خاندان کی ایک شاخ میں بھانو گپتا اور وجرا نامی راجا بھی مالوہ میں حکمراں تھے لیکن ان کو مگدھ کی حکومت سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔

گپتا خاندان کے آخری راجاؤں میں آدیت سین نے ۶۷۲ء کے قریب

---

[۱] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۳۳۰

راجا ہرشہ کے مرنے پر خودسری اختیار کی۔ ہرشہ کا ذکر آیندہ اوراق میں آئے گا۔ سب سے آخری راجا جیوگپتا ثانی نے ۷۳۰ء کے قریب تک حکومت کی لہ

آریہ بھٹ مشہور و معروف مہندس و منجم گپتاہی خاندان کے زمانے میں گزرا ہے۔ اس کی پیدائش ۴۷۶ء میں اور انتقال ۵۸۷ء میں بیان کیا جاتا ہے۔ اس نے پاٹلی پترہی میں تعلیم پائی تھی۔

---

(۱۳۱) مگدھ میں شہنشاہِ چین کا وفد ۵۳۹ء

۵۳۹ء میں چین کے لیانگ (LIANG) خاندان کے اوّل بادشاہ ووٹی (WU-TI) دریا ہسیاوین (HISIAO YEN) نے مگدھ کے راجا رجیوتاگپتا اوّل یا کمار گپتا ثانی) کے پاس ایک وفد بھیجا۔ جس کا منشا یہ تھا کہ بودھ دھرم کے مہایانہ فرقے کے اصولوں کے متعلق روایتیں جمع کرے اور یہاں سے کسی قابل مترجم کو چین لے جائے۔ یہ وفد کئی برس ہندستان میں مقیم رہا۔ اس کی درخواست کے مطابق مگدھ کے راجا نے پرامارتھ نامی ایک عالم کو ساتھ کر دیا۔ اور یہ شخص بہت سی قلمی کتابیں بھی ساتھ لے کر ۵۴۶ء میں چین کے دارالحکومت کنیٹن میں پہنچا۔ اور ۵۴۸ء میں شہنشاہِ چین کے دربار میں باریاب ہوا۔ اس نے چین میں رہ کر اکثر کتابوں کا جن کو مگدھ سے ساتھ لیا گیا تھا، ترجمہ بھی کیا۔ اور ستّر برس کی عمر میں ۵۶۹ء میں چین ہی مرا ٢ہ

لہ ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۲۹۵ تا ۳۰۷

٢ہ ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۳۲۱

باب پنجم

بُت شکن برہمن راجا ساسانیکا کے حملے کے بعد سے سنہ ۷۳۰ تک مختلف واقعات

(۱) بُت شکن برہمن راجا ساسانیکا کے حملے سنہ ۶۰۰ء

سنہ ۶۰۰ء کے قریب کارن سوارن میں ایک برہمن راجا ساسانیکا نامی حکومت کرتا تھا[۱]۔ کارن سوارن کے معنی سونے کے کان کے ہیں۔ جنرل کنگھم نے اس مقام کو سنگھ بھوم کے قریب قیاس کیا تھا۔ لیکن ڈاکٹر ویڈل اس کو برووان سے دکھن کنچن نگر ہیں بتاتے ہیں۔ ساسانیکا بُودھ دھرم کا سخت مخالف تھا۔ اُس نے اس مذہب والوں کو سخت ایذا پہنچائی۔ مگدھ بودھ دھرم والوں کی مقدس جگہ تھی۔ یہاں حملہ کرکے اس نے تمام بدھسٹ مورتیوں اور عمارتوں کو توڑکر خاک میں ملا دیا۔ اور اس مذہب کی ایسی بیخ کنی کی کہ بُودھ گیا کے مقدس درخت کو جس کے سایے میں گوتم کو حقانیت اور روشن ضمیری حاصل ہوئی تھی جڑ سے

---

[۱] حال میں راقم کو معلوم ہوا کہ موضع مہانند ضلع ہگلی کی رہنے والی مسماۃ سورج بالا کر نے اس راجا کا ایک سونے کا سکہ پایا ہے۔ یہ سکہ ہاٹ پوکھر گھاٹ میں ملا تھا اور اب کلکتہ میوزیم یعنی عجائب خانے میں ہے۔

کٹوا کر جلوا دیا۔ خاص پاٹلی پتر میں راجا اشوک کے وقت کی ایک عمارت کے اندر بُدھ کے قدم کے نشان کا پتھر تھا اس کو خراب کر ڈالا۔[1]

مسٹر بکگر نے قلعہ رہتاس (شہسرام) کے قریب ایک لوح پائی تھی، جس میں یہ عبارت پڑھی گئی:

"سری مہاسنتھ ساسانیکا دیوابہ (یعنی نامی زبردست فاتح ساسانیکا کا) اگرچہ ساسانیکا نے مگدھ پر زبردست چڑھائی کی لیکن اس کی حکومت قائم ہونے کا کچھ حال معلوم نہیں ہوتا۔ یوان چوانگ جو ۶۳۷ء کے قریب یہاں آیا قنوج کے راجا کی حکومت کو کارن سوارن کی حد تک بتاتا ہے۔[2]

---

(۲) راجا ہرشہ وردھنہ (سلادتیہ ۶۰۶ء تا ۶۴۷ء)

ہندستان کا آخری بڑا راجا جس نے دوسرے راجاؤں پر بھی فتح حاصل کی یہی ہرشہ وردھنا تھا۔ اُس کے زمانے میں مگدھ دیس بھی اسی کی حکومت میں تھا۔ اس کے حالات بنش تراس کے دربار کے ایک برہمن بانا نامی کی کتاب ہریش چرتر اور یوان چوانگ کی تحریر سے پائے جاتے ہیں۔ لیکن یہ دونوں کتابیں لغو روایات اور مبالغوں سے خالی نہیں۔

بہرکیف ہرشہ کا باپ پربھاکر وردھنہ چھٹی صدی عیسوی کے آخر میں تھانیشوں (جہاں مہابھارت کی جنگ ہوئی تھی) حکومت کرتا تھا۔ اس کی ماں

---

[1] رپوٹ کرنل ویڈل ۱۸۹۲ء صفحہ ۲۴ رپوٹ آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا جلد ۷ صفحہ ۶ وارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۳۶۰۔

[2] بدھسٹ رکارڈس آف دی وسٹرن ورلڈ مرتبہ بیل (PROH BEAL) صفحہ ۳۱۲

گپتا خاندان کے راجا کی لڑکی تھی۔ ۶۰۶ء کے قریب پربھاکر نے اپنے لڑکے راجا راجیہ کو مغربی علاقوں کی طرف ہونہ قوم کی مقاومت کے لیے روانہ کیا۔ اور اس کے بعد ہی دوسرے لڑکے ہرشہ کو بھی سواروں کے ساتھ اس کی کمک کے لیے بھیجا۔ اس وقت ہرشہ کی عمر پندرہ سولہ برس سے زیادہ نہ تھی۔ ان دونوں کے جانے پر پربھاکر سخت بیمار ہوا۔ اور ہرشہ اس کی خبر پاکر راہ سے واپس آیا۔ اس کے بعد ہی پربھاکر نے انتقال کیا اور کچھ عرصے کے بعد راجا راجیہ مہم سے واپس آکر تخت نشین ہوا۔ اسی زمانے میں اس کی بہن راجیشری کے شوہر راجا گرہ ورمان کو مالوہ کے راجا نے مار ڈالا تھا اور راجیشری کو بھی قید کرلیا تھا۔ راجا راجیہ نے مالوہ کے راجا پر چڑھائی کرکے اس کو شکست دی۔ لیکن اس کے بعد ہی کارن سوارن (بنگال) کے راجا ساسانیکا نے اس کو ایک مجلس میں آنے کی دعوت دی اور فریب سے قتل کرڈالا[۵]۔ اس کے مارے جانے پر ہرشہ راجا ہوا اور اس نے اپنا لقب سلادتیہ رکھا۔ اس کی تخت نشینی کے زمانے میں ایک سنہ بھی ایجاد ہوا تھا جس کی ابتدا اکتوبر ۶۰۶ء کے قریب سے ہوئی۔ راجا ہونے پر ہرشہ نے سب سے پہلے اپنی بہن راجیشری کی جستجو شروع کی اور حُسنِ اتفاق سے اس کو وندھیا کے جنگل میں ایسے وقت میں پایا کہ وہ آگ میں جل کر ہلاک ہونے کا تہیہ کرچکی تھی۔ بہرکیف ہرشہ اور راجیشری نے مل کر حکومت کی اور مختلف علاقوں میں فتوحات حاصل کرکے حکومت کو وسعت دی۔ بقول یوان چوانگ اس نے پورب سے پچھم تک تمام سرکشوں کو سرگرکے مطیع کیا۔ جب ہرشہ اپنی مملکت میں دورے کرتا تھا، کوچ کے وقت سونے کے نقارے

---

۵ بدھسٹ رکارڈ آف دی وسٹرن ورلڈ صفحہ ۲۱۰ مرتبہ پروفیسر بیل

BUDHIST RECORDS OF THE WESTORN WORLD BY BEAL P. 210.

بجائے جاتے تھے۔ دوسرے راجاؤں کو اس کی اجازت نہ تھی۔ اس کی فوج میں ساٹھ ہزار ہاتھی اور ایک لاکھ گھوڑے تھے۔ یہ راجا علم دوست بھی تھا۔ بعض ناٹک بھی اس کی تصنیف سے بتائے جاتے ہیں۔ اس نے اپنی دارالحکومت قنوج میں ایک علمی مذہبی جلسہ بھی منعقد کیا تھا جس میں اور ذی علم لوگوں کے علاوہ یوان چوانگ بھی شریک ہوا تھا اور نالندہ کے ایک ہزار بدھسٹ بھی شامل تھے۔

سنہ ۶۴۱ء میں اس نے ایک برہمن کو سفیر بنا کر شہنشاہِ چین کے پاس روانہ کیا اور سفارت نامے میں خود کو مگدھ کا راجا لکھا تھا[۱]۔ یہ سفیر سنہ ۶۴۳ء میں واپس آیا اور شہنشاہِ چین نے ہرشہ کی سفارت کے جواب میں برہمن سفیر کے ساتھ ایک جماعت کو یہاں بھیجا جو سنہ ۶۴۵ء تک ہندستان میں مقیم رہی۔ ہرشہ نے سنہ ۶۴۷ء میں انتقال کیا[۲]۔ اس کی کوئی اولاد نہ تھی اس لیے اس کے بعد ارجن نامی وزیر بر سرِ حکومت ہوا۔

ہرشہ ہی کے زمانے میں یوان چوانگ (ہون ٹسانگ) نامی چینی جاتری پاٹلی پتر آیا تھا۔ گزشتہ صدی میں پاٹلی پتر کے آثارِ قدیمہ کے متعلق جو تحقیقات ہوئی ہر اس میں بیش تر اسی جاتری کی تحریر اور سفرنامے سے سراغ ملا ہے۔

---

(۳) یوان چوانگ[۳] چینی جاتری کا بیان

یوان چوانگ چین کا رہنے والا بودھ دھرم کے مقدس مقاموں کی نیر تھ

---

[۱] ان دی ٹریولس آف یوان چوانگ جلد ۱ صفحہ ۳۴۳ - ۳۴۸ - ۳۵۱ - [۲] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۳۴۸ تا ۳۷۰ - [۳] یوان چوانگ مشہور و معروف چینی سیاح کے نام کے مختلف تلفظ ہیں۔ مسٹر بیل نے ہون ٹسانگ اور پروفیسر لگ نے (بقیہ نوٹ صفحہ ۷۶ پر)

اور علوم مذہبی کی تحصیل کے لیے ۶۲۹ء میں چین سے روانہ ہوا اور کوہستانی راستوں کو طے کرتا ہوا بلخ ہو کر ہندستان میں داخل ہوا۔ اور مختلف مقاموں کی سیر کرتا ہوا ویسالی (ترہت) پہنچا۔ اور یہاں سے ۲۰ فروری ۶۳۷ء کے قریب مگدھ کی دارالحکومت پاٹلی پتر میں وارد ہوا۔ اور اس نے تخمیناً دو برس اسی مگدھ میں گزارے۔ اور اس مدت میں پاٹلی پتر، بودھ گیا، راج گیر اور تلوشیدکا (تلہاڑا) وغیرہ میں تیرتھ کرنے کے علاوہ نالندہ میں رہ کر بیشتر اوقات پالی و سنسکرت زبان سیکھنے اور بودھ دھرم کی کتابیں پڑھنے میں صرف کی۔ اور پھر ہرانہ پرورتہ اور چمپا (یعنی علاقہ مونگیر و بھاگل پور) ہوتا ہوا بنگالہ کی طرف گیا۔ لیکن اپریل ۶۴۲ء میں پھر مگدھ واپس آیا اور دو مہینے قیام کرکے یہاں سے دوبارہ کامروپ کی طرف روانہ ہوا۔ بالآخر سارے ملک کی سیر کرکے ۶۴۴ء میں اپنے وطن کو واپس گیا۔[۵۱]

مگدھ کے عام حالات کے متعلق یہ لکھتا ہے کہ مگدھ کا دائرہ پانچ ہزار لی[۵۲] کا ہے۔ حصار (فصیل) والے شہروں میں آبادی کم ہے لیکن قصبوں میں بہت لوگ رہتے ہیں۔ زمینیں زرخیز ہیں اور ان میں پیداوار خوب ہوتی ہے۔ یہاں ایک قسم کا چاول ہوتا ہے جس کے دانے بڑے ہوتے ہیں اور نہایت خوش ذائقہ اور خوش بو ہوتا ہے۔

(صفحہ ۷۵ کا بقیہ نوٹ)۔ ہسوان چوانگ لکھا ہے۔ مسٹر ویٹرس جو چینی زبان کے ماہر تھے، یوان چوانگ صحیح تلفظ قرار دیتے ہیں۔ اس کی تفصیل ان کی کتاب ان دی ٹریولس آف یوان چوانگ کے دیباچہ میں موجود ہے۔

۵۱ انشنٹ جیوگرافی آف انڈیا کننگھم (صفحہ ۳۸ - ۶۲۵ - میں یہی زمانے قرار دیے گئے ہیں۔

۵۲ جنرل کننگھم اور ڈاکٹر ویڈل وغیرہ نے چھوٹی لی کو ایک میل کے قریب قرار دیا ہے اور یہ صحیح مانا جاتا ہے۔ دیکھو انشنٹ جیوگرافی آف انڈیا اور رپوٹ کرنل ویڈل کننگھم نے پانچ ہزار لی کو ۸۳۳ میل قرار دیا ہے۔

اس کو عمائدین کے کھانے کا چاول بولتے ہیں۔ زمینیں پست اور مرطوب ہیں اور قصبے بلند سطح جگہوں پر واقع ہیں۔ گرمیوں کے موسم سے قبل نصف فصل خزاں تک میدانوں میں پانی بھرا رہتا ہے جن میں کشتیاں چل سکتی ہیں۔ آب و ہوا گرم ہے۔ یہاں کے باشندے نیک چلن ہیں۔ لوگ علم کی قدر اور بدھ کی عظمت کرتے ہیں۔ بدھسٹ وہار سے پچاس سے زیادہ ہیں جن میں دس ہزار سے زیادہ دھرمی لوگ رہتے ہیں۔ جو بیشتر مہایانہ اصول کے ماننے والے ہیں۔ دیوا مندر بیسیوں کی تعداد میں ہیں اور دوسرے فرقے والوں کی تعداد بھی کثیر ہے۔

---

(۴) پاٹلی پتر کا آخری منظر

(۱) یوان چوانگ لکھتا ہے کہ گنگا ندی سے دکھن میں ایک قدیم شہر ہے جس کا گھیرا ستر لی (گیارہ میل) کے قریب ہے۔ عرصۂ دراز سے ویران ہو رہا ہے لیکن اس کی دیواروں کی نیواب تک موجود ہے۔ مدت مدید ہوئی جب کہ ان گنتی زمانے تک لوگوں نے عمریں بسر کیں۔ اس کا نام کسم پورہ تھا۔ اس لیے کہ شاہی احاطے میں بہت قسم کے پھول ہوتے تھے۔ پھر جب کہ انسانوں کی عمر کا شمار ہزاروں برس تک پہنچا، اس کا نام تبدیل ہو کر پاٹلی پتر ہوا۔[۱]

(۲) پرانے شاہی محل سے اُتر اشوک کے جہنم کی سرزمین کے پاس ایک سنگی پایہ تھا جو دس قدم سے کئی گنا زیادہ بلند تھا۔ ساکیہ جولائی (بدھ کا لقب ہے) کے نروان کے سو برس گزرنے پر راجا بھیم بسار کے پرپوتے راجا اشوک نے اپنا دار الحکومت راج گیر سے پاٹلی پتر کو منتقل کیا اور اس شہر کے گرد فصیل بنوائی۔ امتداد زمانہ

---

[۱] وجہ تسمیہ باب اوّل میں مفصل مذکور ہے۔

سے اب اس قدیم شہر کی صرف نیو باقی رہ گئی ہے۔ وہیارہ، دیوامندر اور استوپ کے کھنڈر سینکڑوں کی تعداد میں ہیں۔ ان میں صرف دو تین عمارتیں اپنی حالت پر قائم رہتیں۔

(۳) قدیم شاہی محل سے اُتر گنگا کے قریب فصیل (دیواروں) کے اندر ایک چھوٹا شہر ہے جس میں تخمیناً ایک ہزار باشندے ہیں۔ (اسی جگہ اشوک کا قید خانہ یا جہنم ہے۔)

(۴) اس قید خانے کے قریب ہی دکھن جانب ایک استوپ تھا۔ اس کا گنبد جواہرات سے آراستہ تھا۔ اور اس کے گرد نزشے ہوئے پتھر کے کٹھرے تھے۔ اب یہ خراب حال اور گرنے کے قریب ہے۔ زیریں حصہ دھنس جانے کے سبب نظر نہیں آتا۔ چوراسی ہزار استوپوں میں پہلا یہی ہے۔ اس کو انسانوں نے راجا اشوک کے لیے بنایا تھا۔ اس میں بدھ کی یادگار کی ایک شنگ یا چنگ (یعنی مقدار) ہے۔[۱]

(۵) اسی یادگار کے استوپ کے قریب ایک مندر میں بدھ کے قدم کے نشان کا پتھر ہے جو ایک طرف بڑا اور دوسری طرف چھوٹا ہے۔ جب بدھ مگدھ سے چلنے لگا تو آخری بار اپنے قدم کا نشان اس پر چھوڑ گیا۔ قدم کا نشان ایک ہاتھ لمبا اور ایک بالشت چوڑا ہے۔ داہنے بائیں چکر بنے ہوئے ہیں اور دسوں انگلیوں کے نشان میں پھول بوٹے ہیں۔ جب اشوک پاٹلی پتر میں آیا۔ اُس نے قدم کے نشان کے پتھر کو ایک محیط مکان کے اندر رکھا۔ اور چوں کہ یہ دارالحکومت کے پاس تھا، اشوک خود بھی اس کی پرستش کرتا رہا۔ بعد کو کئی راجاؤں نے اس کو ہٹانا چاہا لیکن وہ ذرا بھی اس کو نہ ہٹا سکے۔ حال میں راجا سا سانیکا نے اس کو ہٹوا کر گنگا میں پھکوا دیا۔ لیکن یہ پھر بھی اپنی جگہ پر موجود ہو گیا۔

---

[۱] بدھسٹ رکارڈس آف دی وسٹرن ورلڈ صفحہ ۸۸ Buddhist Records of the Western world by Prof. Bea P. 88

(۶) جس مندر میں قدم کے نشان کا پتھر ہے اس کے قریب تیس فٹ اونچا ایک سنگی پایہ ہے۔ اس کا کتبہ بہت خراب ہو گیا ہے۔ اس کی عبارت کا خلاصہ یہ تھا کہ اشوک نے تین بار مستحکم اعتقاد کے ساتھ جمبودیپ (مملکتِ ہند) کو (بدھسٹ) مذہبی ارکان کے لیے نذر کیا۔ اور تین بار اپنا خاص خزانہ (یا قیمتی متاع) دے کر واپس لیا۔

(۷) قدیم شاہی محل (یعنی دارالحکومت) کے اُتر میں ایک سنگی حجرہ تھا جو باہر سے پہاڑی کی طرح نظر آتا تھا اور اندر کئی دس قدم کے برابر وسیع تھا۔ اشوک نے اس کو دیوتاؤں (یا جنوں) کے ذریعے سے اپنے چھوٹے بھائی مہندر کے لیے بنوایا تھا۔ جو تارک الدنیا فقیر تھا۔[1]

(۸) قدیم محل (دارالحکومت) سے اُتر اور رجہنم سے (جس کا ذکر نمبر ۳ میں کیا گیا) دکھن میں ایک بڑا پتھر کا ناد تھا۔ جس میں کھانا رکھ کر فقیروں کو دینے کے لیے اشوک نے دیوتاؤں سے بنوایا تھا۔

(۹) قدیم دارالحکومت سے دکھن پچھم چٹانوں کا ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے جس کے ترچھے کناروں میں دس بیس حجرے ہیں۔ جن کو جنوں نے اُپاگپتا اور دوسرے ارہٹ (درویشوں) کے لیے بنایا تھا۔ اس پہاڑ کے ایک جانب ایک قدیم عمارت (منارہ) کی سنگی نیو اور ایک تالاب تھا جس کا لہراتا ہوا پانی آئینے کی طرح صاف تھا۔ دور و نزدیک کے لوگ اس کو مقدس پانی کہتے تھے اور اس کو پینے یا اس سے غسل کرنے سے گناہ کا غبار دُھل جاتا تھا۔

(۱۰) اس چھوٹی پہاڑی سے دکھن پچھم پانچ استوپ تھے جن کی ساخت

---

[1] اس کے بعد مہندر کے فقیر ہونے کا سبب اور پہاڑی اور حجرے کی تعمیر کا حال ہے۔ تعمیر کی کیفیت کسی قدر فاہیان کے بیان میں مذکور ہو چکی ہے۔ اس لیے اس کو مکرر لکھنا ضروری نہیں۔

کچھ نظر نہیں آتی۔ صرف نیچے کا حصّہ باقی ہو جو اُبھرا نظر آتا ہو۔ کچھ فاصلے سے دیکھنے میں یہ پہاڑی کے طور پر نظر آتے تھے۔ بعد کو لوگوں نے ان کے سرے پر دوسرے چھوٹے استوپ بنوائے۔ ہندستان کی کتابوں کے مطابق جب اشوک نے چوراسی ہزار استوپ بنوائے قدیم یادگاروں میں پانچ چیزیں (شینگ) موجود تھیں جن میں سے ہر ایک (شینگ) کے لیے اس نے ایک عالی شان استوپ بنایا جو دوسری جگہوں کے استوپ سے عمدہ تھا۔ مذہبی اعتقاد نہ رکھنے والوں نے یہ بے ثبوت بات بیان کی کہ ان پانچ استوپوں میں نند راجا کے سات قیمتی مال (خزانے) تھے۔

اس کے بعد ایک بدمذہب راجا اپنی فوج لے کر آیا کہ خزانہ کھود کر نکال لے لیکن زمین کو زلزلہ ہوا۔ آفتاب پر تاریکی چھاگئی۔ استوپوں سے گرج پیدا ہوئی۔ سپاہی مُردہ ہو کر گر پڑے۔ اور ہاتھی گھوڑے بھاگ گئے۔ اس کے بعد سے کوئی اس کا لالچ نہ کر سکا۔

(۱۱) قدیم شہر سے دکھن پوُرب کوتا (یا کوکوتا یعنی مُرغا) سنگرام تھا۔ یہ سنگرام بھی اشوک کا بنوایا ہوا تھا۔ یہ بھی منہدم ہو گیا صرف نیو باقی تھی۔ اشوک نے بودھ دھرم اختیار کرنے پر یہاں ایک ہزار بدھسٹ درویشوں اور راہبوں کی مجلس منعقد کی اور ان کے رتبے کے لحاظ سے ان کی ضروریات مہیا کر دیں۔

(۱۲) کوکوتارا (سنگرام) کے ایک جانب بڑا استوپ تھا جس کو آملک استوپ کہتے تھے۔ آملک (آملہ) ایک پھل کا نام ہو جو ہند میں دوا کے لیے استعمال ہوتا تھا[1]

(۱۳) آملک استوپ سے اُتر پچھم ایک سنگرام میں استوپ تھا جو گھنٹا بجا کر بلانے

---

[1] اس کا حال اشوک کی مدتِ حکومت کے بیان میں مذکور ہو چکا ہو۔

کے آئین والا استوپ کہلاتا تھا۔[۱]

(۱۴) شہر کے دکھن پچھم کونے سے دو سو لی سے کچھ زیادہ فاصلے پر ایک قدیم سنگرام کی بنا اور ایک استوپ تھا۔ یہ اس جگہ پر واقع تھے جہاں گزشتہ چار بدھ بیٹھتے اور ریاضت کرتے تھے۔

مندرجہ بالا بیان طامس ویٹرس کی کتاب ان دی ٹریولس آف یوان چوانگ مطبوعہ روائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن ۱۹۰۵ء جلد دوم صفحہ ۸۶ تا ۱۰۵ سے جو اس بارے میں سب سے زیادہ مستند مانی جاتی ہے ترجمہ کیا گیا۔ ڈاکٹر ویڈل نے اس چینی جاتری کا بیان جو اپنی رپورٹ ڈسکوری آف دی اگزیکٹ سائٹ آف پاٹلی پترا مطبوعہ ۱۸۹۲ء میں نقل کیا ہے۔ بہ ظاہر مسٹر بیل کے ترجمے سے ماخوذ ہے مقابلہ کرنے پر بعض جگہ خفیف فرق پایا جاتا ہے۔ لیکن مطالب کے اعتبار سے چنداں اختلاف نہیں۔

---

(۵) اشوک کا جہنّم

یوان چوانگ کے بیان میں (نمبر ۳ میں) اشوک کے جہنم بنوانے کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ روایتوں کے مطابق راجا اشوک بودھ دھرم اختیار کرنے سے پہلے بہت ظالم تھا۔[۲] تخت نشینی کے بعد ہی اس نے لوگوں کو عذاب

---

[۱] اس کے بعد اسو اگھوش نامی بدھسٹ کا ایک برہمن کو مناظرے میں شکست فاش دینا مذکور ہے۔

[۲] کتاب دیویہ اودانہ میں مذکور ہے کہ اشوک نے اپنے محل کی پان سو عورتوں کو آگ میں جھونک کے ہلاک کیا تھا۔ اس کے وزیر انورودھ نامی نے اس کو متنبہ کیا کہ یہ حرکت راجا کے شایان نہیں۔ بہتر ہے کہ یہ کام باضابطہ طور پر کسی ملازم کے سپرد کیا جائے۔ (بقیہ نوٹ صفحہ ۸۲ پر)

دینے کے لیے ایک جہنم یا قید خانہ بنوایا، جو بلند دیواروں سے محیط تھا۔ اور اس کے ہر کونے پر ایک عالی شان منارہ تھا۔ بظاہر تالاب و باغ وغیرہ سے اس کو دل کش بنایا تھا اور اس کے ساتھ جہنم کے مانند اس میں ایذا پہنچانے کے سامان یعنی دہکتی ہوئی آگ کا تنور اور نوک دار اور تیز دھار کے آلاتِ جراحت وغیرہ جمع کیے تھے اور نہایت جستجو کے بعد چندر گیری نامی ایک مہیب اور شریر آدمی کو اس جہنم کا داروغہ مقرر کیا تھا۔ ابتدا میں صرف مجرموں کو سزائیں دی جاتی تھیں لیکن بعد میں اگر کوئی بھولا بھٹکا دھوکے سے آجاتا تھا تو وہ بھی ہلاک کیا جاتا تھا۔ اور چوں کہ اندر آکر کوئی شخص واپس جانے نہ پاتا تھا اس لیے یہاں کا بھید نہ کھلتا تھا۔ چندر گیری نے بہت لوگوں کو کھولتے پانی میں ڈال کر آگ میں جلا کر کچل کر اور طرح طرح کی ایذائیں دے کر ہلاک کیا تھا۔ اتفاقاً سمدرا نامی ایک سرمنہ (درویش) دھوکے سے یہاں آکر گرفتار ہو گیا۔ داروغہ نے اس کو کھولتے پانی میں ڈال دیا لیکن وہ پانی سرد ہو گیا۔ اور سرمنہ کنول کے تخت پر بیٹھا ہوا دکھائی دیا۔ داروغہ نے اشوک کو اس عجیب واقعے کی خبر دی اور اشوک نے خود آکر اس معجزے کا مشاہدہ اور اعتراف کیا۔ جب اشوک واپس جانے لگا، داروغہ نے اس کو یاد دلایا کہ قاعدے کے مطابق کوئی شخص یہاں آکر زندہ واپس نہیں جا سکتا ہے۔ اشوک نے اپنے بنائے ہوئے قاعدے کا احترام کیا اور حکم دیا کہ چندر گیری جو خود اس کے قبل سے یہاں موجود ہے، پہلے ہلاک کیا جائے۔ چندر گیری تنور میں جلا کر خاک کیا گیا اور اس کے بعد اشوک نے اس جہنم کو مسمار کرا دیا اور اپنے قانون تعزیرات میں بھی اس قدر سختیاں رکھیں۔[۱]

(صفحہ ۸۱ کا بقیہ نوٹ)۔ اس پر اشوک نے جیل خانہ بنوا کر عذاب دینے کا باقاعدہ انتظام کیا۔

[۱] ان دی ٹریولس آف یوان چوانگ صفحہ ۹، تا ۰ ۹ سے ماخوذ ہے۔ سمدرا نامی سرمنہ کے متعلق معجزے کا بیان بھی چینی سیاح نے اپنے عقیدے کے مطابق یا اس نے جو دوسروں سے سُنا ہوگا لکھ دیا۔

(بقیہ صفحہ ۸۳ پر)

(۶) راجا ارجن ۴۸-۶۴۷ء اور چین کا دوسرا وفد

راجا ہرشہ کے لاولد مرنے پر اس کا وزیر ارجن (آرون آسوہ) حکومت پر قابض ہوگیا۔ اسی زمانے میں بودھ دھرم کی اشاعت کے سلسلے میں شہنشاہِ چین کی طرف سے دوسرا وفد ہندستان پہنچا۔ ارجن نے ان کو مخالف سمجھ کر قتل کرایا اور ان کا سارا مال لوٹ لیا۔ صرف وینگ ہوین تسی (WANG HIUENT SE) سرگروہ قافلہ جو سابق وفد کے ساتھ بھی ہرشہ کے زمانے میں آچکا تھا کسی طرح بھاگ کر نیپال پہنچا۔

---

(۷) ترہت کا محاصرہ ارجن کی گرفتاری اور نیپالیوں کا راج

جب شہنشاہِ چین کے وفد کی تباہی کا حال نیپال اور تبت میں معلوم ہوا۔ تبت کا راجا سرونگ ٹسان گمپو[۱] جس نے شاہِ چین کی لڑکی سے شادی کی تھی چینیوں کا مددگار بن گیا۔ اور اپنے پاس کے بارہ سو منتخب سپاہیوں کے علاوہ نیپال کے راجا سے جو اس کا ماتحت تھا، سات ہزار فوج لے کر ان کے ساتھ کردی۔ اس فوج کی معیت میں وینگ ہوئن ٹسی نے کوہ ہمالہ سے اتر کر ترہت کا محاصرہ کیا اور تین دن تک تمام علاقوں میں غارت گری کی۔ ارجن کے تین ہزار سپاہی قتل ہوئے اور دس ہزار کے قریب ندیوں میں ڈوب کر ہلاک ہوئے۔ ارجن نے دوسری

(صفحہ ۸۲ کا بقیہ نوٹ) 'Budhist RECORDS OF HE WESTORN WORLD BOOK VIII P. 86 صفحہ ۸۱ بک ۸ میں بھی یہ بیان ہے۔

[۱] شہر لہاسہ (تبت) اسی کا آباد کیا ہوا ہے۔ اس نے ہندستان سے برہمنوں کو بلوا کر تبت کی زبان کے حروف تہجی مدوّن کرائے (ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۳۱۰)

فوج جمع کر کے پھر مقابلہ کیا۔ لیکن پھر اس دفعہ ایسی شکستِ فاش نصیب ہوئی کہ اس کے کئی ہزار سپاہی مارے گئے اور یہ خود بھی اپنے تمام اہل و عیال اور بارہ ہزار سپاہیوں کے ساتھ گرفتار ہو گیا۔ اور تیس ہزار گھوڑے اور مویشیوں کے علاوہ ارجن کے پانسو اسّی قصبے بھی نیپالیوں کے قبضے میں آ گئے۔ کامروپ کا راجا کمار بھی نیپالیوں کا طرف دار ہو گیا تھا۔ اس فتح کے بعد وینگ ہوئن ٹسی ارجن کو زنجیروں میں جکڑ کر چین لے گیا۔ اور اس کے صلے میں انعام حاصل کیے۔ بعد کو جب ۶۵۰ء کے قریب شاہِ چین تائی سونگ (TAi SONG) مرا تو اس کے مقبرے کے در و دیوار پر تبت کے راجا سرون ٹسان گمپو اور راجا ارجن کی تصویریں منقش کی گئیں[1]

ترہٹ کے علاقے ۷۰۳ء کے قریب تک تبت کی حکومت میں رہے۔ وینگ ہوئن ٹسی نے پھر تیسری بار ۶۵۷ء میں ہندستان آ کر مگدھ میں بودھ دھرم کی زیارت گاہوں کی زیارت کی۔ اور بودھ گیا وغیرہ میں تیرتھ کر کے شہنشاہِ چین کے حکم کے مطابق پوشاک نذر کی۔

---

(۸) ۶۵۰ء سے ۷۰۳ء تک عام کیفیت

راجا ہرشہ کے مرنے پر ارجن کی غاصبانہ حکومت اور نیپالیوں کا اس کو گرفتار کر کے لے جانا اوپر مذکور ہوا۔ حقیقتاً ہرشہ کے بعد حکومت

---

[1] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۳۶۶ و ۳۸۱ و ترجمہ کرنل ویڈل مندرجہ پرچہ ایشیاٹک کوارٹرلی ریویو بابت جنوری ۱۹۱۱ء۔

کا شیرازہ بکھر گیا تھا۔ اور ایک زمانے تک آشوب و غدر کی سی کیفیت رہی۔ اسی برس کی مدت میں جہاں جس کی بن آئی ذی قدر لوگوں نے اپنا دخل جمایا۔ اس زمانے میں مگدھ کے متعلق ایک قابلِ ذکر واقعہ یہ ہے کہ اتسنگ یا ایچنگ (ITSING) نامی چینی سیاح و عالم نے ۶۷۵ء سے ۶۸۵ء تک نالندہ میں قیام کرکے سنسکرت (پالی) زبان اور بودھ دھرم کی کتابوں کا درس حاصل کیا۔ اس نے گردھاکوٹا پہاڑی (راج گیر) بودھ گیا، ویسالی اور (ترہت) وغیرہ کی بھی سیر کی تھی۔ یہ بھی یوان چوانگ سے کسی طرح کم شہرت نہ رکھتا تھا۔ اس کی کتاب ہندستان اور ملایا (جزیرہ) میں بودھ دھرم کا رواج" کے نام سے موجود ہے۔ جس کا انگریزی ترجمہ مسٹر ٹکاکسو (MR TAKAKUSU) نے ۱۸۹۶ء میں اکسفورڈ میں شائع کیا ہے[۱]۔ ایچنگ نالندہ سے بعض قلمی کتابیں (بودھ دھرم کے متعلق) اپنے ساتھ چین لے گیا تھا اور ان میں سے کئی کتابوں کا اس نے ترجمہ بھی کیا تھا[۲]۔

---
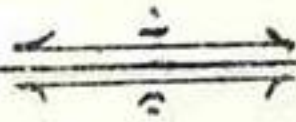
[۱] جنرل کننگھم کی انشنٹ جیوگرافی آف انڈیا۔ مسٹر ٹکاکسو کا ترجمہ شائع ہونے کے قبل مرتب ہوئی تھی اس لیے اس میں اس کا کچھ حوالہ نہیں۔

[۲] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۳۹۲

باب ششم

پال خاندان کی حکومت سنہ ۷۳۰-۷۴۰ تا ۱۱۹۷ء

(۱) راجا گوپال سنہ ۷۳۰-۷۴۰ء تا ۷۸۵ء

عرصۂ دراز تک کوئی باضابطہ حکومت نہ رہنے پر سنہ ۷۳۰ء سے سنہ ۷۴۰ء کے درمیان بنگالہ میں گوپال نامی ایک ذی اقتدار شخص کو لوگوں نے اپنا سردار مانا۔ گوپال بودھ دھرم کے ساتھ غلو رکھتا تھا۔ کچھ مدت کے بعد اس نے مگدھ پر بھی اپنا اقتدار قائم کرلیا اور اودنت پور (موجودہ قصبہ بہار) میں بڑا وِہارہ تعمیر کرایا۔ گوپال نے پینتالیس سال حکومت کی۔ اس کے متعلق یہ بھی معلوم ہے کہ راجپوتانہ کے بنا راجا نے ایک بار اس کو ہزیمت پہنچائی تھی[1]

---

(۲) مگدھ کا نام بہار ہونا

چین کے جاتریوں کے بیانات سے اور تمام تاریخی واقعات سے ثابت ہے کہ ساتویں صدی عیسوی تک اضلاع پٹنہ و گیا کی سرزمین کو مگدھ دیس کہتے تھے۔[2]

---

[1] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۳۱۳۔ [2] جنرل کننگھم یوان چوانگ کے بیان سے مگدھ کے مغربی حد کو کرمناسہ ندی (ضلع شاہ آباد) تک قیاس کرتے ہیں (صفحہ ۵۱۹ انشنٹ جیوگرافی آف انڈیا)

اس کی وجہ تسمیہ تو صحیح معلوم نہیں، لیکن رگ وید میں مقام کیکٹ (KAKT) کو غیر ایرین (یعنی اصلی باشندوں) کا ملک اور اس کے حکمراں کو پرمگندہ لکھا ہی اور کیکٹ سے یہی مگدھ دیس مراد ہی۔ اس لیے قیاس کیا گیا ہی کہ مگدھ کو مگندہ کے نام سے کوئی نسبت ضرور ہی۔[1]

جس جگہ موجودہ قصبہ بہار ہی، سابق میں یہاں ایک بستی تھی جو اُدنڈپوریا اتنت پوری کہلاتی تھی۔ طبقات ناصری میں سلطان شہاب الدین غوری کے مفتوحہ ممالک کی فہرست میں اُودنڈ بہار بھی لکھا ہی جس سے ظاہر ہی کہ اس زمانے میں اُودنڈ نام غیر معروف نہ تھا۔ بہرکیف ۷۵۰ء کے قریب راجا گوپال نے یہاں ایک بڑا وِیہارہ بنوایا اور اس کے بعد اس خاندان کے اور راجاؤں نے وقتاً فوقتاً اسی قصبے کو اپنا دارالحکومت قرار دیا۔ اور وِیہارے کی تعمیر میں بھی اضافہ کیا۔[2] انھی وِیہاروں کے سبب قصبے کا نام وِیہارہ (بہار) ہوگیا۔ اور دارالحکومت ہونے کے سبب تمام مگدھ پر اسی نام کا اطلاق ہوگیا۔ یہ بتانا دشوار ہی کہ پال خاندان کے کس راجا کے زمانے میں یہ نام قطعی طور پر مشتہر ہوگیا۔ کیوں کہ دس گیارہ صدیوں تک تاریخی طور پر مستقل نام بہار ہونے کے بعد بھی کہیں کہیں دیہاتوں میں اس کو مگدھ بولتے ہیں۔ لیکن اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ بہار نام ہونے کی ابتدا راجا گوپال کے وِیہارے بنوانے کے بعد ہی سے ہی۔

اس صوبے میں اسلامی حکومت کا آغاز چھٹی صدی ہجری (بارھویں صدی

---

[1] نوٹ انشنٹ جیوگرافی آف انڈیا صفحہ ۱۸، (بحوالہ RIG VEDA III 530.14

KIKITAH MAGADHAHVAYAH ABHIDHANA

CHINTAMANI IV. 26)

[2] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۳۱۲ تا ۳۱۶

عیسوی) کے آخر زمانے میں ہوا، اور مسلمانوں کی تاریخ میں سوائے بہار یا صوبہ بہار کے مگدھ کا کہیں نام نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے آنے سے پہلے مگدھ کا نام تبدیل ہو کر بہار ہو چکا تھا۔ طبقات ناصری جو ۶۵۸ھ کے قریب لکھی گئی اس میں مگدھ کا نام نہیں پایا جاتا۔ اس میں لکھا ہے کہ "تمامت آں حصار وشہر مدرسہ بود و بہار بلغت ہندی اسم مدرسہ باشد"

---

(۳) راجا دھرم پال ۷۸۶ء تا ۸۵۰ء

گوپال کے بعد دھرم پال راجا ہوا۔ اس کی مدت حکومت چونسٹھ سال بیان کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر سمتھ کے خیال میں تینتیس سال سے کسی طرح کم نہیں ہو سکتی۔ ڈاکٹر موصوف نے تارا ناتھ (تبت کا مورخ) کے حوالے سے لکھا ہے کہ دھرم پال نے اپنی حکومت کو خلیج بنگالہ کے ساحل سے دہلی اور جالندھر (پنجاب) تک وسعت دی۔ اور قنوج کے راجا اندر کو بے دخل کر کے چکر یودھ کو تخت نشین کیا۔ اور دوسرے راجاؤں نے بھی اس کا استصواب کیا۔ بھاگل پور اور خالم پور میں دھرم پال کے فرمان کے متعلق تانبے کی دو تختیاں بھی پائی گئی ہیں۔ سنہ ۸۱۰ء کے قریب اس راجا نے پاٹلی پتر میں دربار بھی کیا تھا اور پنڈرور دہان[۱] میں اچار مواضعات بطور جاگیر دیے تھے جس کا فرمان پاٹلی پتر ہی سے جاری کیا تھا۔ بکرم سیلا کا ویہارہ جس میں ایک سو سات مندر اور چار مذہبی تعلیم گاہیں شامل

---

[۱] جنرل کننگھم پنڈرور دہان کو ضلع پٹنا میں بتلاتے ہیں اور ڈاکٹر فرگسن اس کو ضلع رنگپور میں ٹھیراتے ہیں۔ (ان دی ٹریولس آف یوان چوانگ صفحہ ۱۸۵)

تھیں، اسی راجا نے تعمیر کرایا۔ یہ مقام گنگا کے داہنی طرف ایک پہاڑی پر واقع تھا[1]۔

---

(۴) راجا دیو پال اور اس کے ورثا ۸۵۰ء تا ۸۹۰ء تخمیناً

دھرم پال کے بعد دیو پال راجا ہوا۔ پال خاندان کے راجاؤں میں یہ بڑا نام ور راجا سمجھا جاتا ہے۔ اس کے سپہ سالار لاؤ سین نامی نے آسام اور کلنگا کو فتح کیا۔ دیو پال مودگ گیری (یعنی موجودہ مونگیر) میں بھی دربار کرتا تھا کیوں کہ یہاں سے جاری کیا ہوا اس کا ایک فرمان پایا گیا ہے۔ یہ سخت متعصب بھی تھا۔ بودھ دھرم کے ساتھ غلو رکھتا تھا۔ اس لئے اس دھرم کے نہ ماننے والوں کو سخت نقصان پہنچایا۔ اوران کے چالیس قصبوں کو خراب کردیا۔ دیو پال نے اڑتالیس برس حکومت کی۔ اس کے بعد اس کے پانچ جانشین اور بتائے جاتے ہیں جن کا حال اب تک تحقیق نہیں ہوا۔ انھی کے زمانے میں ایک پہاڑی قوم نے بھی خود سر ہو کر حکومت کی۔

---

(۵) کمبوجہ راجا کا ذکر

پال خاندان کی حکومت کے زمانے میں پہاڑی علاقوں کے باشندوں نے خود سر ہو کر اپنی قوم کے ایک سردار کو راجا بنایا جو کمبوجہ راجا کے نام سے مشہور تھا۔

---

[1] یہ جگہ ہنوز شناخت میں نہیں آئی ہے۔ لیکن بعض مورخوں نے جن میں ڈاکٹر اسمتھ بھی ہیں قیاس کیا ہے کہ بھاگل پور سے بارہ کوس پورب میں پتھرگھاٹ میں بکرم سیلا کی عمارتیں تھیں۔ (ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۳۱۴) پتھرگھاٹ کے متعلق انشینٹ جیوگرافی آف انڈیا صفحہ ۵۴۶ دیکھنا چاہیے۔

اس کی حکومت کا پتا دیناجپور میں پتھر کے پائے پر ایک کتبے سے دریافت ہوا ہے جس میں ۸۸۸ء درج ہے۔ جو ساکہ سن ہونے کی صورت میں ۹۶۶ء کے برابر ہوتا ہے۔ پال خاندان کے نویں راجا مہی پال نے کمبوجہ کی حکومت کا خاتمہ کیا۔

---

(۶) مہی پال (اوّل) ۹۸۰ء تا ۱۰۳۰ء تخمیناً

دیو پال کے جانشینوں کے بعد اس خاندان کا نواں حکمراں مہی پال بڑا مشہور راجا ہوا۔ ۱۰۲۳ء کے قریب چولا خاندان کے راجا راجندر نے جس کا دارالحکومت کانچی (مدراس کے قریب دکھن میں) تھا۔ مہی پال کی مملکت پر چڑھائی کی لیکن کوئی ہزیمت نہ پہنچا سکا۔ ۱۰۱۳ء میں مہی پال کے زمانے میں بودھ دھرم کی اشاعت کے لیے پنڈت دھرم پال کے ساتھ مگدھ (بہار) سے ایک مذہبی جماعت تبت کو روانہ ہوئی اور انھی کی سعی سے تبت میں بودھ دھرم کی از سرِ نو نشو ونما ہوئی۔ اس راجا کے زمانے کی کتابوں میں سرناتھ (بنارس کے قریب) کا کتبہ ۱۰۸۳ سمبت بکرمی کا اور اس کے سنہ جلوس کا کتبہ مقام باگھورہ (کمیلا ضلع ٹپرہ) میں اور دو پیتل کی مورتیوں پر سنہ جلوس کے کتبے ضلع مظفر پور میں پائے گئے ہیں[1]

---

(۷) راجا نیپال اور وگرہ پال سوم ۱۰۳۰ء تا ۱۰۸۰ء

مہی پال کے بعد نیپال راجا ہوا۔ اس نے بھی ۱۰۳۸ء کے قریب مگدھ (بہار) کے بکرم سیلا و یہارہ (جس کا ذکر دھرم پال کے حال میں کیا گیا ہے)

---

[1] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۴۱۲۔

کے مشہور راہب اتیسہ نامی کے ساتھ ایک مذہبی جماعت کو تبت بھیج کر بودھ دھرم کی مزید اشاعت کی۔ اس کی مدتِ حکومت صحیح معلوم نہیں۔ اس کے بعد اس کے بیٹے وگرہ پال نے ۱۰۸۰ء تک حکومت کی۔ اس نے چھیدی خاندان کے کرن نامی راجا کو ایک بار شکست بھی دی تھی۔ اس کے تین بیٹے تھے جن کے نام مہی پال دوم اور سور پال دوم اور رام پال تھے[۱]

---

(۸) مہی پال دوم ۱۰۸۰ء تا ۱۰۸۲ء

مہی پال دوم نے تخت نشین ہو کر اپنے دونوں بھائیوں یعنی سور پال دوم اور رام پال کو مقید کیا اور حکومت کا نظم بھی درست نہ رکھا۔ اس کے سوئے تدبیر سے ملک میں بغاوت کے اسباب پیدا ہوئے۔ شمالی بنگالہ کے چاسی کیورت یا ماہیشیا کے ایک سردار "دیوا" یا دیوکا نامی نے باغیوں کی مدد سے مہی پال کو قتل کیا اس کے بعد حکومت انھی باغیوں کے قبضے میں آگئی۔ دیوکا کے بعد اس کے بھتیجے بھیم نامی نے علاقہ ورندر (بارند)[۲] میں اپنی حکومت قائم کی لیکن اس کو بھی قیام نہ ہوا اور بالآخر رام پال نے ان کا خاتمہ کیا۔

---

(۹) راجا رام پال ۸۴-۱۰۸۲ء تا ۱۱۳۰ء

مہی پال اور دیوکا اور بھیم کے ہنگامے میں رام پال نے کسی طرح قید سے

---

۱ ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۴۱۶-۱۷-۴۱۸ ۔ ۲ ورندر اب بارند کہلاتا ہے۔ ورندر میں اضلاع راج شاہی۔ مالدہ۔ دیناجپور۔ رنگ پور۔ بوگرا اور پبنا شامل تھے۔

نکل کر خاندانی حکومت حاصل کرنے کے لیے ہر طرف معین و مددگار کی جستجو شروع کی۔ بڑی سعی کے بعد اس نے راشٹر کوٹ (دکھن میں) کے راجا کو جس کے خاندان میں اس نے شادی بھی کی تھی۔ اور بعض دوسرے راجاؤں کو اپنا طرف دار بنایا۔ اور ان کی کمک سے بھیم کو شکست دے کر قتل کیا۔ اس کے بعد ہی اس نے متھلا دیس (یعنی اضلاع چمپارن و دربھنگہ) اور آسام کو بھی فتح کر لیا۔ یہ راجا بھی بودھ دھرم رکھتا تھا اس لیے اس کے زمانے میں مگدھ (بہار) میں اس دھرم والوں کے وہیارے اور عبادت خانے خوب آباد ہوئے۔

---

(۱۰) پال خاندان کے آخری راجاؤں کا حال ۱۱۳۰ء تا ۱۱۹۷ء

رام پال کے بعد اس کا بیٹا کمار پال راجا ہوا۔ اس نے آسام کی حکومت اپنے ایک وزیر دید یہ دیوا نامی کو تفویض کی۔ ڈاکٹر اسمتھ لکھتے ہیں کہ تارا ناتھ (تبت کا مورخ) اور بعض بنگالی مصنفوں نے رام پال کو پال کا آخری راجا یا کم از کم آخری ذی اقتدار راجا لکھا ہے۔ لیکن بعض کتبے پائے گئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رام پال کے بعد اس خاندان کے پانچ راجا اور ہوئے۔ ڈاکٹر موصوف کا بیان بیشتر مسٹر آر ڈی بنرجی کی تحریر پالاز آف بنگال مطبوعہ پرچہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال جلد ۵ بابت ۱۹۱۵ء اور مسٹر ہر پرشاد شاستری کی تحریر مندرجہ پرچہ بہار و اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی جلد ۵ حصہ دوم ۱۹۱۵ء، اور مسٹر بیجے۔ ان۔ سمدار کی تحریر (جو اسی پرچے میں ہے) سے ماخوذ ہے۔ بہر کیف کمار پال کے بعد دو راجاؤں کے کچھ حالات معلوم نہیں۔ اس کے بعد ۱۱۷۵ء تک گوبند پال

راجا حکومت کرتا تھا اور ۱۱۹۷ء میں اندر من دیو پال مگد (بہار) کا حکمراں تھا۔ مونگیر کا قلعہ اسی کا بنوایا ہوا سمجھا جاتا ہے۔ پال خاندان کے آخر زمانے میں بنگالہ کے سین خاندان کے راجاؤں نے پال راجاؤں کو بنگالہ کے اکثر علاقوں سے بے دخل کردیا تھا۔ لیکن مگدھ (بہار) اور مونگیر کے اطراف میں تمام علاقے محمد بن بختیار خلجی کے حملوں کے قبل تک پال خاندان کی حکومت میں تھے۔ پال خاندان کی حکومت میں بودھ دھرم کی درس گاہیں خوب آباد رہیں۔ اس زمانے میں دھامن اور ویٹو پال نامی مصوری، بت تراشی اور پیتل کی مورتیاں ڈھال کر بنانے میں کمال رکھتے تھے[1]۔

محمد بن بختیار خلجی کے حملوں کے وقت اندر من دیو پال خائف ہو کر بھاگ گیا اور گنگا کے پار کسی جگہ روپوش رہا۔ اسی کے بعد سے صوبہ بہار میں اسلامی حکومت کا آغاز ہوا۔

---

(۱۱) بنگالہ کے سین راجاؤں کا مختصر حال ۱۰۵۰ء تا ۱۱۹۹ء (تخمیناً)

بہار میں پال خاندان کی حکومت کے استیصال کے بعد ہی محمد بن بختیار خلجی نے بنگالہ کے سین خاندان کی حکومت کا استیصال کر کے شہر لکھنوتی کو دارالحکومت قرار دیا۔ سین خاندان کے راجا تخمیناً سو برس سے بنگالے کے اکثر حصص پر قابض تھے۔ بانئ خاندان سامنت دیو نامی برہمن تھا۔ ۱۰۵۰ء کے قریب دکھن سے آکر اول سبرن ریکھا ندی کے کنارے کاسی پوری نامی بستی میں جو فی الحال ریاست

---

[1] ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۳۱۶ - ۳۱۷۔

موربھنج میں کاسیاری کے نام سے مشہور ہو آباد ہوا۔ سامنت دیو اور اس کا بیٹا ہمانت سین معمولی درجے کے سردار تھے۔ ہمانت سین کا بیٹا بجیے سین ذی اقتدار راجا ہوا۔ اس نے ۱۰۷۰ء کے قریب پال راجا کے بعض علاقوں پر قبضہ کر کے بنگالہ میں اپنی حکومت کو وسعت دی اور اپنی چالیس سالہ حکومت میں کلنگا اور اُڑیسہ میں بھی رسوخ قائم کیا۔ بجیے سین کے بعد اس کا بیٹا بلال سین راجا ہوا۔ اس نے ہندوؤں کی قدیم ذات کی تقسیم کو ازسرِ نو رائج کیا اور بنگالہ کے شہر لکھنوتی (گوڑنگر) کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ بلال سین کے بعد اس کا بیٹا لکھمن سین راجا ہوا اس نے طویل عمر پائی اور شہر ندیا کو اپنا مستقر بنایا۔ ۱۱۹۹ء کے قریب محمد بن بختیار نے اچانک اس کے محل پر قبضہ کیا۔ لکھمن سین پریشان حال کسی طرح کشتی کے ذریعے بھاگ کر بکرم پور (ضلع ڈھاکہ) چلا گیا لیکن اس کی عورتیں اور ملازم اکثر گرفتار ہوئے اور بہت سامال و متاع محمد بن بختیار کے ہاتھ آیا۔ ندیا کی فتح کے بعد محمد بن بختیار نے لکھنوتی پر بھی قبضہ کر لیا جو کئی صدی بعد تک بہار و بنگالہ کے لیے دارالحکومت تھا۔ طبقاتِ ناصری میں لکھمن سین کو رائے لکھمینہ لکھا ہو۔ زمانۂ حال میں بعض مورخوں نے لکھمن سین اور رائے لکھمینہ کو دو جُدا شخص قیاس کیا ہو لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔
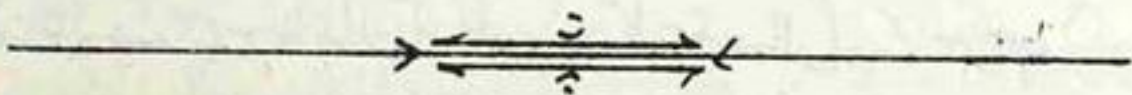
باب ہفتم

اقطلاع بہار میں اسلامی حکومت کا آغاز

(۱) منیر[1] و بہار میں مُسلمانوں کی آمد

صوبہ بہار میں اسلامی حکومت کا آغاز محمد بن بختیار خلجی کی فتوحات سے ہُوا جو آیندہ اوراق میں مذکور ہے۔ لیکن بعض واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد بن بختیار سے پہلے سلمانوں نے یہاں قدم جمانے شروع کر دیے تھے۔

مقامی روایات کے مطابق مُنیر (منیر) کو اوّل اوّل سلطان محمود غزنوی کے سپاہیوں نے فتح کیا۔ محمود غزنوی کی تاریخوں میں کوئی ایسا واقعہ پایا نہیں جاتا لیکن ہندستان پر اُس نے جتنے حملے کیے ہر ایک کی مفصّل کیفیت بھی کسی تاریخ میں مذکور نہیں۔ تاہم تاریخ سالار مسعود غازی سے ظاہر ہوتا ہے کہ محمود غزنوی کے انتقال سے دو ایک برس پہلے اُس کا ایک لشکر اس کے ایک بھانجے سالار مسعود غازی کے تحت میں ہندستان آیا۔ سالار مسعود نے مقام ستر کھ میں قیام کر کے مشرقی علاقوں پر چڑھائی کی۔ اکثر راجاؤں نے متحد ہو کر مقابلہ کیا۔ لیکن ان میں بعض ایسے تھے جو پہلے سے سلطان محمود سے ربط رکھتے تھے اور بعض کو گمان تھا کہ ایک لشکر گراں مسعود کی کمک کے لیے غزنین سے روانہ

---

[1] منیر عظیم آباد پٹنہ سے بارہ کوس بھیم مشہور قصبہ ہے۔

ہوا چاہتا ہو۔ بہرحال مسعود نے اکثر راجاؤں کو شکست دے کر اُن کی متحدہ طاقت کا استیصال کیا لیکن بالآخر خود بھی مقتول ہو کر بہرائچ میں مدفون ہوا۔ اس کے بعد تقریباً ایک سو ساٹھ برس تک سلاطین غزنین کا کوئی لشکر ادھر نہ آیا۔ سالار مسعود کے لشکر کا اطراف بنارس تک آنا صریح طور پر مذکور ہو اور یہ بھی لکھا ہو کہ تمام اطراف میں کم تر کوئی مقام ہوگا جہاں ان سپاہیوں نے جنگ نہ کی ہو۔ سالار مسعود کے بعد اس گروہ کے پس ماندہ افراد مختلف اطراف میں منتشر ہو کر رہ گئے۔[۱]

جن جن مقاموں میں مسعود غازی کے سپاہیوں نے جنگ کی اور مقتول ہو کر مدفون ہوئے عام طور پر گنجِ شہیداں کے نام سے مشہور ہیں۔ اطراف کرّاہ مانک پور۔ غازی پور۔ سیوان (ضلع سارن) کے علاوہ خاص قصبہ منیر میں بھی ایسی جگہ موجود ہو جہاں اس واقعے کی یادگار میں سالانہ میلہ ہوا کرتا ہو جو غازی میاں کے میلے کے نام سے مشہور ہو۔

منیر کے مخدوم زادوں کے سفینوں سے پایا جاتا ہو کہ ۵۷۶ھ (۱۱۸۰ء) میں حضرت تاج فقیہ اور قطب سالار نے راجا منیر کو شکست دے کر منیر پر قبضہ کیا۔ قطب سالار کا مزار منیر سے دو میل پورب موضع مہدادان میں مسجد کے پسِ پشت میدان میں واقع ہو۔ اس جنگ میں جو مسلمان شریک تھے ان میں پچیس آدمیوں کے نام بھی سفینوں میں مذکور ہیں اور اس فتح کی تاریخ حسب ذیل ہو:۔

یافت چوں بر راجۂ منیر ظفر   داد امام از دین جہانے را نوی

---

[۱] خلاصہ تاریخ سالار مسعود غازی صفحہ ۵ تا ۱۲، اور مزید تحقیقات کے لیے مرات مسعودی اور تاریخ ملا محمد غزنوی دیکھنی چاہیے۔ منیر میں بڑی درگاہ کے احاطے میں ایک قبر کو لوگ سلطان محمود غزنوی کے کسی عزیز تاج الدین کھانڈگاہ (شاید خاندگاہ) کی قبر بتلاتے لیکن اس کی تحقیق محال ہو۔ ۱۲

(۱۳) اختیار الدین یوزبک طغرل طغان ۶۴۴ھ تا ۶۴۶ھ
(۴۶-۱۲۴۸ء)

اختیار الدین یوزبک سلطان التمش کے ترکی غلاموں میں تھا۔ سلطانہ رضیہ معز الدین بہرام شاہ اور علاء الدین مسعود کے زمانے میں اکثر سیاسی جھگڑوں میں اس کی بھی شرکت رہی تھی اور معز الدین بہرام شاہ نے ۶۳۹ھ میں ایک بار اس کو قید بھی کر لیا تھا بعد کو سلطان علاء الدین مسعود نے اس کو لاہور کی حکومت دی لیکن وہاں اس سے خود سری کے آثار ظاہر ہونے پر سلطان نے اس کو معزول کیا۔ مگر اُلغ خاں نے (جو بعد کو سلطان بلبن ہوا) سفارش کر کے اس کو قنوج کی حکومت دلوادی۔ کچھ عرصے کے بعد یہاں بھی اس نے تمرد اور مخالفت کی بنا ڈالی اور سلطان نے ملک قطب الدین حسن کو ایک لشکر کے ساتھ اس کی تنبیہ کے لیے روانہ کیا۔ اس وقت اختیار الدین یوزبک نے سوائے اطاعت کے کوئی چارہ نہ دیکھا۔ سلطان نے کچھ دن اس کو اودھ کی حکومت پر بحال رکھنے کے بعد مملکت لکھنوتی حوالے کی۔ ملک یوزبک کو ممالک لکھنوتی (یعنی بہار و بنگالہ) میں کوئی مزاحمت پیش نہ آئی۔ لیکن جاجنگر کے راجا کا داماد جس کا نام سابنتر تھا اور طغان خان کے زمانے میں بھی جیسا کہ اوپر مذکور ہوا لکھنوتی پر فوج کشی کر چکا تھا۔ اب طغرل خان کا حریف ہوا۔ طغرل نے دو معرکوں میں اس کو شکست دی۔ تیسری بار یوزبک کو کسی قدر ہزیمت پہنچی اور اس کا فیل سفید راجا کے قبضے میں آگیا۔

دوسرے سال یوزبک نے امردن پر فوج کشی کی اور راجا کو شکست دے کر تمام سامان چھین لیا۔ اس فتح کے بعد اودھ پہنچ کر اس نے اپنا لقب

سلطان مغیث الدین قرار دیا اور سر پر چتر لعل رکھ کر اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ اس باغیانہ حرکت سے تمام خلقت یوزبک سے ناراض ہو گئی آخر دو ہفتوں کے اندر ہی یوزبک سلطان دہلی کے لشکر سے ہراساں ہو کر لکھنوتی واپس آیا۔

آخر میں یوزبک نے کامرود (آسام) پر چڑھائی کی۔ راجا نے منہزم ہو کر صلح کا پیام دیا اور اطاعت پر راضی تھا، لیکن یوزبک نے کسی طور پر صلح نہ کی۔ آخر راجا نے اپنے بچاؤ کے لیے تمام غلّہ زیادہ قیمت دے کر خرید لیا اور رسد کی ایسی روک تھام کی کہ یوزبک کی تمام فوج اور جانوروں کے فاقے کی نوبت آگئی۔ اسی مخمصے میں لکھنوتی کی طرف واپس آتے ہوئے یوزبک تیر سے مجروح ہو کر مع لشکر گرفتار ہوا اور اسی حالت میں راجا کے پاس پہنچ کر مرا۔[۱]

---

(۱۴) جلال الدین مسعود جانی، عزالدین بلبن ازبک ارسلان خان سنجر خوارزمی اور محمد تاتار خان ۶۴۷ھ تا ۶۶۴ھ (۱۲۶۵-۴۹ء)

اختیار الدین یوزبک کے مرنے پر سلطان ناصر الدین محمود نے بلاد لکھنوتی کی حکومت ملک جلال الدین مسعود جانی کو تفویض کی۔ اس کے زمانے کے

---

[۱] طبقات ناصری صفحہ ۲۶۲۔ کامرود کے متعلق مولّف طبقات نے لکھا ہے کہ میں نے لکھنوتی میں قیام کرنے کے زمانے میں معتمد لوگوں سے سُنا تھا کہ گرشاسپ شاہ عجم جو چین کی طرف گیا تھا، اسی طرف سے ہندستان بھی آیا تھا اور اس زمانے کے بارہ سو خزانے سربمہر تھے جو اسلامی لشکر کے ہاتھ آئے۔

متعلق یہ اختلاف ہے کہ طبقات ناصری (صفحہ ۲۲۵) کے مطابق ۶۵۶ھ میں جلال الدین مسعود جانی حاکم لکھنوتی تھا اور ریاض السلاطین نے اس کا زمانہ ۶۵۵ھ لکھا ہے لیکن حال میں اسی کے زمانے کا ایک کتبہ راقم کی نظر سے گزرا جس سے ۶۴۷ھ میں اس کا یہاں برسر حکومت ہونا ثابت ہوتا ہے کتبہ جس کی لوح سات فٹ ساڑھے سات انچ لمبی اور سوا فٹ کے قریب چوڑی ہے۔ موضع پچھلی ضلع مالدہ میں پایا گیا تھا۔ اس کی عبارت یہ ہے:-

امر بناء هذا الا البقعة المباركة السلطان المعظم شمس الدنيا والدين ابي المظفر التمش السلطان يمين خليفة الله ناصر امير المومنين انار الله برهانه وثقل بالحسنى ميزانه وجدد العمارة في دولة السلطان الاعظم ناصر الدنيا والدين ابو المظفر محمود شاه السلطان ناصر امير المومنين خلد الله ملكه وسلطنته في نوبة اياله الملك المعظم جلال الحق والدين ملك ملوك الشرق مسعود شاه جاني برهان امير المومنين خلد الله دولته في غره محرم سنة سبع واربعين وستمايه[1]

بہرکیف جلال الدین مسعود جانی کے بعد عز الدین بلبن نے حکومت کی اور اس کے بعد ارسلان خان سنجر خوارزمی اور اس کے بیٹے تاتار خان نے ۶۵۹ھ سے ۶۶۳ھ تک حکومت کی۔ ارسلان خان نے بغیر کسی شاہی فرمان کے یہاں آکر ملک پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور اس کے بیٹے تاتار خان نے ۶۶۳ھ میں سلطان

---

[1] جنرل کننگھم کی رپورٹ نمبر ۱۵ ۱۸۸۲ء صفحہ ۳۵، ۱۷۹، اور میموارس آف گوڑ اینڈ پنڈوا صفحہ ۱۶۳ مرتبہ عابد حسین خاں صاحب و مسٹر اسٹپلٹن میں بھی اس کی کیفیت مندرج ہے ۱۲

بلبن کے اوّل جلوس کے وقت تریسٹھ ہاتھی اور بعض تحائف دہلی بھیجے تھے۔
خاص بہار کے متعلق ان حکام کے زمانے کا کوئی واقعہ نظر نہیں آتا اس لیے
اسی قدر بیان پر اکتفا کی گئی۔[1]

(۱۵) مغیث الدین طغرل ۶۶۵ھ تا ۶۸۰ھ (۶۵-۱۲۸۱ء)

ملک طغرل سلطان بلبن کے ترکی غلاموں میں ذی عزت سردار تھا۔ ۶۶۵ھ
میں سلطان بلبن نے اس کو بلاد لکھنوتی کی حکومت پر مامور کیا۔ طغرل نے چند
سال کے اندر بہار و بنگالہ میں خاطر خواہ بندوبست کر کے اڑیسہ پر چڑھائی کی اور
راجا کو شکست دے کر بہت سا مالِ غنیمت اور ہاتھی حاصل کیے لیکن سلطان
بلبن کو ان میں سے کچھ نہ بھیجا۔ اس زمانے میں سلطان بلبن ضعف پیری کے
سبب اکثر بیمار رہا کرتا تھا اور ایک مہینے تک محل سے برآمد نہ ہوا تھا بلکہ بعض
فتنہ پسندوں نے سلطان کے مرنے کی افواہ بھی اُڑا دی تھی۔

بہر حال طغرل نے (یہ سمجھ کر کہ سلطان ناتواں ہو چکا ہے اور اس کے فرزندان
کو مغول کے مقابلے سے فرصت نہیں) اپنے مال و فیل پر غرّا ہو کے خود سری
اختیار کی اور سلطان مغیث الدین لقب رکھ کر اپنے نام کا سکہ و خطبہ بھی جاری
کیا۔ اس اثنا میں سلطان بلبن کی شفا و صحت کی اطلاع بھی وصول ہوئی لیکن

---

[1] تفصیل کے لیے طبقات ناصری صفحہ ۲۶۸، ۳۱۳، ۳۶۵ اور تاریخ فیروز شاہی مؤلفہ
ضیاء الدین برنی صفحہ ۵۲ دیکھنا چاہیے۔ ریاض السلاطین نے بلبن ازبک کا کوئی ذکر نہیں کیا
ہے حالاں کہ طبقات ناصری میں اس کا حال موجود ہے۔ ۱۲

طغرل بجائے پشیمانی کے مخالفت پر آمادہ ہوگیا۔ بلبن کو اس کی سرکشی کا حال معلوم ہوا تو اوّل ملک الپتگین موے دراز حاکم اودھ کو امین خان کا خطاب دے کر بعض امرا کے ساتھ (جن میں قمر خان شمسی۔ ملک تاج الدین و جمال الدین قندھاری وغیرہ بھی تھے) طغرل کی سزادہی کے لیے روانہ کیا۔ طغرل نے ان میں سے اکثر امرا کو روپے دے کر ملا لیا اور امین خان کو شکست دی۔ سلطان کو معلوم ہوا تو اس نے امین خان کو اودھ میں پھانسی دلوادی اور ترمتی خان ترک کو ایک بھاری لشکر کے ساتھ طغرل کی سزادہی کے لیے روانہ کیا۔ اس عرصے میں طغرل نے اور بھی طاقت بہم پہنچائی تھی۔ اس نے ترمتی خان کو شکست دی۔ پے در پے شکست کی خبروں نے سلطان بلبن کو غصے سے از خود رفتہ کر دیا۔ سلطان اپنے چھوٹے بیٹے ناصر الدین بغرا کو ساتھ لے کر بہ نفس نفیس اس مہم پر روانہ ہوا اور گنگا میں کشتیوں کا انتظام کر کے باوجود کثرت بارش اور صعوبت راہ کے طغرل کے سر پر آ پہنچا۔ طغرل نے خوف زدہ ہو کر جاجنگر (اڑیسہ) اور تارکیلہ[۵۱] کی راہ لی۔ سلطان بلبن نے بلا مزاحمت بہار و بنگالہ پر قبضہ کر کے سپہ سالار حسام الدین وکیل دار ملک باربک کو (جو ضیاء الدین برنی مورخ تاریخ فیروز شاہی[۵۲] کا جد مادری تھا) اپنی نیابت سپرد کی اور خود طغرل کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ راہ میں سُنار گانو کے راجا بھوج رائے (یا دنوج رائے) نے سلطان بلبن کی ملازمت حاصل کی

---

[۵۱] تارکیلہ تاریخ بداؤنی صفحہ ۱۲۹ وغیرہ میں مذکور ہے۔ [۵۲] تاریخ فیروز شاہی مولفہ ضیاء الدین برنی صفحہ ۸۰ اور تاریخ فرشتہ میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ لیکن ایک نسخے میں ملک باربک کو یار بیگ برلاس لکھ دیا ہے اور تاریخ بداؤنی میں لکھا ہے کہ "ملک اختیار الدین بیگ برلاس را حکم بہ تعاقب او شد" ۱۲

اور ندی کی راہ کو طغرل کے لیے مسدود رکھنے کا وعدہ کیا۔

کچھ عرصے تک طغرل کا کچھ پتا نہ ملا۔ اتفاقاً ایک دن سلطان کے مقدمۃ الجیش میں ملک محمد شیر انداز اور اس کا بھائی ملک مقدر تیس چالیس سواروں کے ساتھ جنگل کو روانہ ہوا تو چند بقال نظر آئے، ان کو گرفتار کر کے طغرل کا پتا پوچھا تو پہلے انھوں نے بالکل لاعلمی ظاہر کی لیکن جب ان میں دو ایک کی گردن ماری گئی تو انھوں نے اقرار کیا کہ طغرل اس جگہ سے نصف فرسخ پر ہے اور ہم اسے رسد پہنچا کر آرہے تھے۔ شیر انداز نے ان بقالوں کو ملک باربک کے پاس روانہ کیا اور خود نے ایک بلند ٹیلے پر چڑھ کر دیکھا تو طغرل کے لشکر کو بالکل غافل پایا۔ اس کے ہاتھی گھوڑے بھی چرائی میں مشغول تھے۔ اس فرصت کو غنیمت جان کر تیس چالیس سواروں سے جو اس وقت موجود تھے، اچانک طغرل کی خیمہ گاہ پر حملہ کر دیا۔ ان سواروں نے نعرہ بلند کیا کہ "سلطان بلبن کا اقبال قائم رہے"۔ طغرل نے خود سلطان بلبن کے آپہنچنے کا گمان کیا۔ گھبراہٹ میں طہارت خانے کی طرف سے نکل کر بغیر زین کے گھوڑے پر سوار ہو کر ندی کو عبور کرنا چاہا۔ اسی وقت ملک مقدر نے ایک تیر سے اس کا کام تمام کیا اور اس کا سر کاٹ کر رکھ لیا۔ بعد میں ملک باربک کا لشکر بھی پہنچ گیا اور طغرل کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے سلطان بلبن کے پاس لے گیا۔ سلطان بلبن نے ملک مقدر کو "طغرل کش" کا خطاب دیا، اور لکھنوتی واپس آکر بازاروں میں دُور تک سُولیاں کھڑی کرائیں اور طغرل کے تمام اہل و عیال اور اعیان و انصار کو مجرم قرار دے کر قتل کرایا۔[۱] انھی میں سلطان قلندر نامی ایک فقیر بھی تھا جس سے طغرل کو بہت عقیدت تھی

---

[۱] تاریخِ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی، صفحہ ۹۱، ۱۵۵۔ طبقات اکبری صفحہ ۱۰۲۔ تاریخِ فرشتہ جلد ۱ صفحہ ۱۳۱، اور ریاض السلاطین صفحہ ۷۵ تا ۸۲ سے پورا بیان ماخوذ ہے ۱۲

اور اس کو تین من سونا دے رکھا تھا۔ سلطان بلبن نے اس کو قتل کر کے سونا چھین لیا۔ یہ واقعہ ۶۸۱ھ کے قریب کا ہے۔

اس سیاست کے بعد بلبن نے اپنے چھوٹے بیٹے ناصر الدین بغرا خان کو تمام لوازماتِ شاہی دے کر بہار و بنگالے کی حکومت عطا کی اور اس کو مخاطب کر کے مکرر پوچھا کہ "محمود تو نے دیکھا"' ناصر الدین بغرا اس مبہم سوال کا کچھ جواب نہ دے سکا، اس لیے سلطان نے کہا تو نے میری سیاست کو دیکھا۔ اس کو خوب یاد رکھنا کہ اگر تو بادشاہِ دہلی سے عام اس سے کہ تیرا بھائی کیوں نہ ہو سرکشی کرے گا تو تیرا بھی یہی حال ہوگا۔" اس کے بعد بیٹے کو بہت سی وصیتیں کر کے سلطان دہلی واپس گیا۔ ضیاء الدین برنی مورخ تاریخ فیروز شاہی نے تمام وصیتیں (صفحہ ۹۲، ۹۳ میں) نقل کی ہیں طوالت کے خوف سے اس جگہ درج نہیں کی گئیں۔

باب ہشتم

بہار و بنگالہ میں خاندانِ بلبن کی حکومت

(۱) سلطان ناصر الدین بغرا خان ۶۸۱ھ تا ۶۹۱ھ

(۱۲۸۳-۱۲۹۲ء)

ناصر الدین بغرا نے اپنے باپ سلطان بلبن سے تمام لوازماتِ شاہی پا کر بہار

و بنگالے میں آزادانہ حکومت شروع کی۔ سلطان بلبن نے دربارِ دہلی کے بعض ذی لیاقت لوگوں کو بھی بیٹے کی ملازمت میں چھوڑ دیا تھا۔ انہی میں عہد سلطان ناصر الدین محمود کا مشہور و معروف شاعر شمس الدین دبیر منشیٔ مملکت بنگالہ و کامرود مقرر ہوا تھا[1]۔ (اس کے ایک مشہور قصیدے کے دو شعر اس جگہ نقل کیے جاتے ہیں)

این ہمہ کار دلم از تو بہ نادانی خام — دادہ دوش مرا وعدہ مہمانی خام

پختہ گردم ہمہ شب چشم ندانستم کان — طمعی بود ازاں گونہ کہ میدانی خام

چند سال حکومت کا نظم نہایت امن و اطمینان سے جاری رہا تھا کہ ۶۸۵ھ میں سلطان بلبن کا بڑا لڑکا شہزادہ محمد جو ولی عہدِ سلطنت بھی تھا، دیبال پور کے قریب مغلوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس وقت سلطان کی عمر اسی سال کی ہو چکی تھی اور بیماری اور اس صدمۂ جانکاہ کے سبب زندگی سے بیزار تھا۔ اس نے اپنے چھوٹے بیٹے ناصر الدین بغرا کو ولی عہد کرنے کے خیال سے بنگالے سے دہلی بلوا لیا، لیکن ناصر الدین بغرا کو بنگالے کی ہوا ایسی مرغوب ہوگئی تھی کہ اس نے چھ مہینے جوں توں دہلی میں گزارے اور باپ کو ذرا افاقے کی صورت بندھتے ہی شکار کے بہانے سے بنگالے کی راہ لی[2]۔

چرا نہ درپیٔ عزمِ دیارِ خود باشم — چرا نہ خاکِ کفِ پائے یارِ خود باشم

غم غریبی و غربت نمی توانم دید — بہ شہر خود روم و شہریارِ خود باشم

سلطان بلبن کو بیٹے کی یہ طفلانہ حرکت سخت ناگوار ہوئی۔ اس نے بجائے بغرا خان کے کیخسرو پسر شہزادہ محمد کو ولی عہد کر دیا۔ ناصر الدین بغرا ابھی لکھنوتی تک نہ پہنچا تھا کہ (۶۸۶ھ میں) سلطان بلبن نے انتقال کیا اور وزرا نے

---

[1] بداونی جلد ۱ صفحہ ۹۴۔

[2] طبقات اکبری جلد ۱ صفحہ ۱۰۳۔ بداونی جلد ۱ صفحہ ۱۵۶۔ فرشتہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۶۔

خود غرضیوں سے ولی عہد کا کچھ خیال نہ کرکے ناصر الدین بغرا کے نوجوان بیٹے معز الدین کیقباد کو تخت نشین کر دیا[1]۔ اب باپ تو بہار و بنگالے کا حکمران تھا اور بیٹا شہنشاہِ دہلی ہوا۔ کچھ دن یونہی گزر گئے آخر بعض بد اندیشوں نے کیقباد کو سمجھایا کہ ناصر الدین کو تابع فرمان بنانا چاہیے۔ ادھر ناصر الدین بغرا کو بھی کیقباد کی بے اعتدالی۔ لہو ولعب اور غفلت شعاری کی خبریں ملتی رہتی تھیں۔ اس نے دیکھا کہ بیٹے کی جان اور سلطنت کی خیر نظر نہیں آتی[2]۔ غرض اسی کش مکش میں ناصر الدین بہار سے اور کیقباد دہلی سے روانہ ہوکر دونوں اودھ میں گھاگرا ندی کے دونوں کناروں پر خیمہ زن ہوئے لیکن کسی نے عبور کرنے کی جرأت نہ کی۔ آخر عہد سلطان بلبن کے بعض امرا نے درمیان میں پڑکر صلح کی کوشش کی اور ناصر الدین بغرا نے بیٹے کی ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا تو یہ بات قرار پائی کہ بغرا خان صوبے کا حکمران ہونے کی حیثیت سے آدابِ خادمانہ بجالاتا ہوا حاضر ہو۔ بغرا خان نے اس کو بھی گوارا کیا لیکن باپ جب بیٹے کے سامنے مؤدب ہوکر حاضر ہوا تو بیٹے نے تعظیم لینی کسی طرح روا نہ رکھی اور خود تخت سے اُتر کر باپ کو تخت پر بٹھا لیا۔ ابن بطوطہ اپنے سفر نامے میں لکھتا ہے کہ لوگوں نے اس ملاقات کا نام "لقا السعدین" رکھا ہے۔ اس سلسلے میں امیر خسرو کے چند اشعار اہلِ ذوق کی ضیافت طبع کے لیے نقل کیے جاتے ہیں ؎

---

[1] امیر خسرو کی مثنوی قران السعدین میں اس واقعے سے متعلق دو شعر یہ ہیں ؎

بر سر شان شاہ جواں بخت زاد	تاجور پاک گہر کیقباد
کرد چو در شش صد و ہشتاد و شش	بر سرِ خود تاج جد خویش خوش

[2] تاریخ فرشتہ جلد اصفحہ ۱۲۹ و ریاض السلاطین صفحہ ۸۶۔

زہے ملک خوش چوں دو سلطان یکے شد | زہے عہد خوش چوں دو پیماں یکے شد
پدر پادشاہے پسر نیز سلطان | کنوں ملک بیں چوں دو سلطاں یکے شد
زبہر جہاں داری و پادشاہی | جہاں را دو شاہ جہاں باں یکے شد
یکے ناصر عہد محمود سلطان | کہ فرمانش دو چار ارکاں یکے شد
دگر شہ معزِ جہاں کیقبادے | کہ در ضبطش ایران و توراں یکے شد

چند ملاقاتوں کے بعد ناصر الدین نے بیٹے کو اس کی غفلت شعاری پر بہت کچھ نصیحتیں کرکے گلے سے لگا کر رخصت کیا اور اپنی خیمہ گاہ میں آکر تمام دن اس کی جدائی کے صدمے سے کچھ نہ کھایا اور رو رو کر کہتا تھا کہ آج میں نے بیٹے اور سلطنتِ دہلی دونوں کو رخصت کیا۔ ناصر الدین بغرا نے نہایت امن و اطمینان کے ساتھ حکومت کی اور ۶۹۱ھ میں انتقال کیا۔ واضح ہو کہ اس کے ایک پوتے کا نام بھی ناصر الدین تھا جس کو غیاث الدین تغلق شاہ نے حکومت عطا کی۔ مؤرخوں نے دونوں کو ایک شخص سمجھا ہے۔ اس کی مفصّل کیفیت آیندہ اوراق میں مسطور ہوگی۔

---

(۲) ناصر الدّین بغرا کی اولاد و احفاد

دہلی میں سلطان بلبن کے بعد اس کے پوتے کیقباد نے تین برس سلطنت کی۔ لیکن بہار و بنگالے میں سلطان بلبن کی اولاد و احفاد نے ۷۳۳ھ تک حکومت کی۔ شاہانِ دہلی کے مؤرخوں نے ان کا حال بہت کم لکھا ہے اور جو کچھ لکھا ہے مبہم یا غلط طور پر لکھ دیا ہے۔ ۷۴۶ھ کے قریب مشہور و معروف مغربی سیاح ابنِ بطوطہ بنگالے آیا تھا۔ اس کا سفر نامہ اور ایڈورڈ طامس

(ADWARD TAMAS) صاحب کے جمع کیے سکوں اور کتب تواریخ سے حسبِ ذیل شجرہ نسب مرتب ہوا ہو:۔

سلطان غیاث الدین بلبن

شہزادہ محمد شہید — ناصر الدین بغرا ۶۸۱-۶۹۱ھ

ناصر الدین بغرا:
سلطان معز الدین کیقباد شہنشاہِ دہلی — رکن الدین کیکاؤس شاہِ بنگالہ ۶۹۱-۷۰۲ھ — شمس الدین فیروز شاہِ بنگالہ ۷۰۲-۷۲۲ھ

شمس الدین فیروز:
شہاب الدین بغرا — ناصر الدین شاہ (ثانی) لکھنوتی بنگالہ — غیاث الدین بہادر شاہ بھورا (ممکن ہو کہ یہ رکن الدین کیکاؤس کا بیٹا ہو)
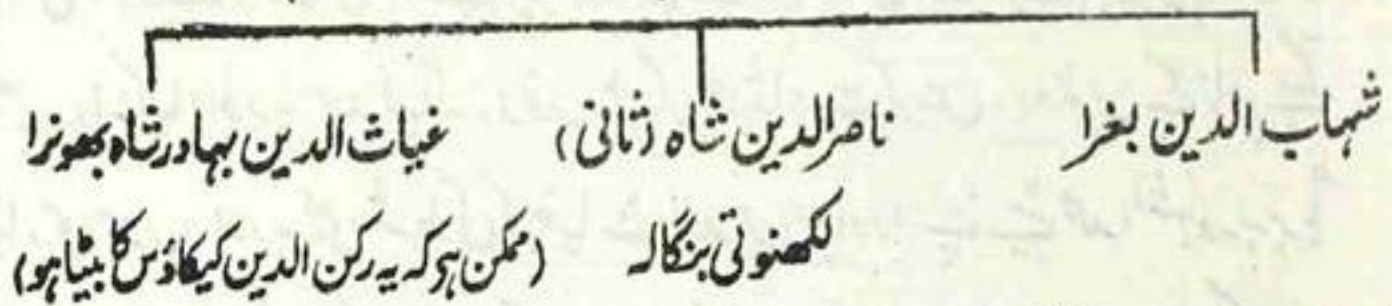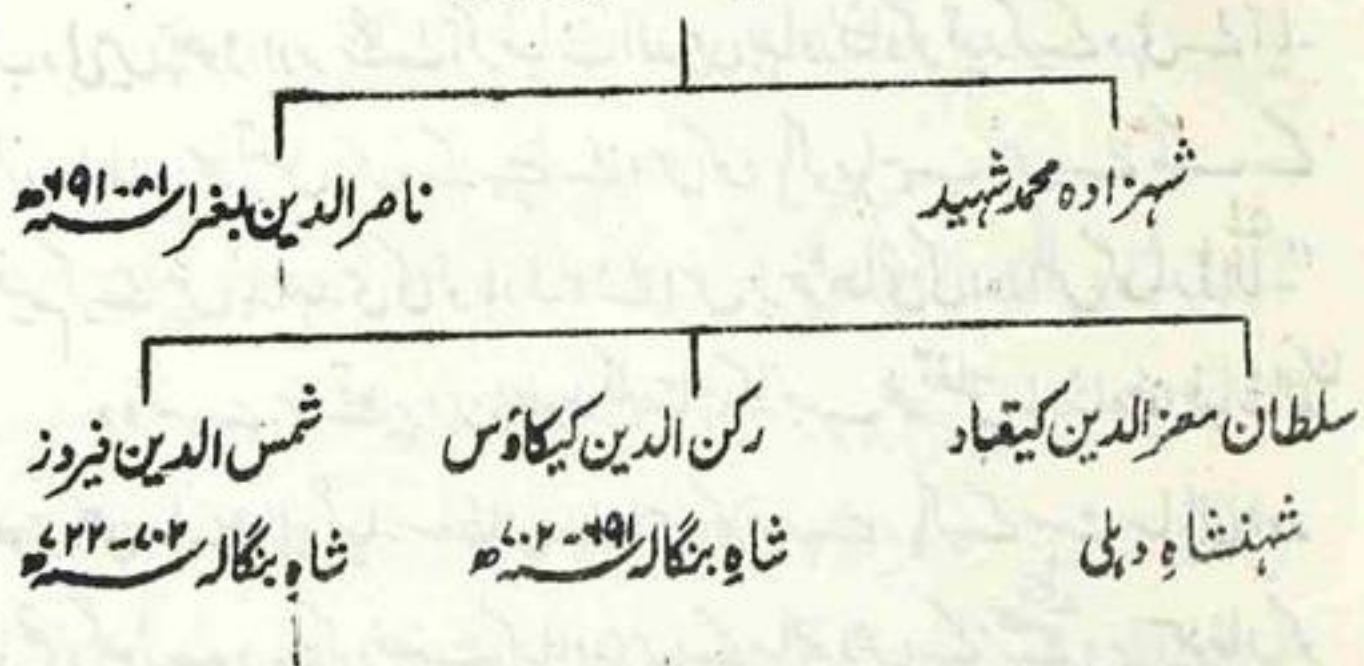
کتاب میموارس آف گوڑ اینڈ پنڈوہ MEMOIRS OF GAVR AND PANDVA میں مسٹر اسٹپلٹن نے شمس الدین فیروز کے ایک بیٹے جلال الدین محمود کی حکومت ۷۲۴-۷۲۶ھ کا بھی پتا دیا ہو۔

---

(۳) حکومتِ بنگالہ کے متعلق مغربی سیاح ابن بطوطہ کا بیان

ابنِ بطوطہ بنگالے آنے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہو کہ اصل میں یہاں کا بادشاہ ناصر الدین تھا جس کا بیٹا کیقباد دہلی میں سلطنت کرتا تھا۔ جب ناصر الدین مر گیا گیا تو اس کا بیٹا شمس الدین بادشاہ ہوا۔ شمس الدین کے مرنے پر اس کا ولی عہد شہاب الدین بنگالے کا بادشاہ ہوا۔ لیکن اس کے چھوٹے بھائی غیاث الدین

بھونرا نے اپنے بھائی کو معزول کیا اور اپنے دوسرے بھائی کو مار ڈالا۔ اس کے بھائی شہاب الدین اور ناصر الدین بھاگ کر تغلق شاہ کے پاس پہنچے۔ تغلق شاہ ان کی مدد کے لیے ان کے ساتھ گیا۔ اور اپنے بیٹے کو بطور نائب دہلی میں چھوڑا اور بنگالے آکر غیاث الدین بہادر شاہ کو قید کر کے دہلی لے آیا۔ لیکن سلطان محمد تغلق اس کے بیٹے نے اس کو رہا کر دیا جب اس نے ملک کے تقسیم کرنے میں بدعہدی کی تو بادشاہ نے اس پر چڑھائی کی اور اس کو مار ڈالا[۵۱]۔"

دوسرے موقعے پر ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ جب محمد تغلق بادشاہ ہوا غیاث الدین بھونرا بھی سامنے لایا گیا۔ سلطان نے اس کو قید سے رہا کر کے بہت سامان اور ہاتھی گھوڑے دے کر رخصت کیا اور اس کے ساتھ اس کے بھتیجے[۵۲] ابراہیم خاں کو بھی روانہ کیا، اور یہ عہد لیا کہ دونوں مل کر بادشاہت کریں۔ دونوں کے نام سکے جاری ہوں اور یہ بھی شرط کی کہ غیاث الدین بہادر اپنے بیٹے محمد المشہور بہ برباط کو بطور اول بادشاہ کے پاس بھیج دے۔ غیاث الدین بہادر نے اپنے ملک میں جا کر سب شرطیں پوری کیں لیکن بیٹے کو بادشاہ کے پاس نہ بھیجا اور یہ عذر کیا کہ وہ کہنا نہیں مانتا اور گستاخی کرتا ہے۔ بادشاہ نے ابراہیم خاں کے پاس لشکر بھیجا اور دل چلی تاتاری کو امیر مقرر کیا۔ انھوں نے مقابلہ کر کے بہادر کو مار ڈالا اور اس کی کھال کھنچوا کر اس میں بھوسہ بھروا کر ملک میں پھرایا[۵۳]۔" ابن بطوطہ کے

---

۵۱ سفرنامہ ابن بطوطہ مترجمہ خان بہادر مولوی محمد حسین ام اے۔ سی۔ آئی۔ ای ریٹائرڈ جج صفحہ ۹۱، ۲۷۵۔ ۵۲ یہاں پر مترجم نے غلطی سے اس کے بھتیجے کی بجائے "اپنے بھتیجے" لکھ دیا ہے۔ اصل عربی عبارت سے مقابلہ کرنے پر اور تاریخ کو پیش نظر رکھتے ہوئے صحیح یہ ہے کہ ابراہیم خان غیاث الدین بہادر کا بھتیجا تھا۔ ۵۳ سفرنامہ ابن بطوطہ صفحہ ۱۶۰۔ ابن بطوطہ کے بیان کے مطابق یہ واقعہ ۷۲۶ھ کے قریب گزرا، لیکن سکوں کے مطابق ۷۳۳ھ میں غیاث الدین بہادر بادشاہت کرتا تھا۔

اس بیان میں شمس الدین و شہاب الدین و ناصر الدین و غیاث الدین بہادر شاہ کا ذکر نہایت ضروری ہو اس لیے اس کا اعادہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ آیندہ کیا جائے گا۔

---

(۴) رکن الدین کیکاؤس ۶۹۱ھ تا ۷۰۲ھ (۱۲۹۲-۱۳۰۲ء)

ناصر الدین بغرا کے بعد رکن الدین کیکاؤس نے تقریباً دس برس حکومت کی۔ اکثر مورخوں نے اس کا کوئی ذکر نہیں کیا ہو اور ابن بطوطہ نے بھی اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا ہو۔ غالباً اس کی حکومت میں کوئی قابلِ ذکر واقعہ نہیں گزرا اور ممکن ہو کہ اس کی حکومت برائے نام رہی ہو۔

---

(۵) شمس الدین فیروز شاہ ۷۰۲ھ تا ۷۲۲ھ (۱۳۰۲-۱۳۲۱ء)

ابن بطوطہ نے ناصر الدین بغرا کے بعد شمس الدین کا بادشاہ ہونا لکھا ہو جو اوپر مذکور ہوا۔ دوسرے موقعے پر ۷۲۱ھ میں وارنگل سے ایک امیر کا بھاگ کر شمس الدین کے پاس آنا بھی بیان کرتا ہو[۱]۔ شمس الدین کے سکے پر ایک طرف السلطان الاعظم شمس الدنیا والدین ابوالمظفر فیروز شاہ السلطان اور دوسری جانب الامام المستعصم امیر المومنین اور

---

[۱] سفرنامہ ابن بطوطہ صفحہ ۱۹۰۔

حاشیہ پر ضرب ہذہ الفضۃ بحضرۃ لکھنوتی سنۃ عشرین وسبعمایۃ (یعنی ۷۲۰ھ) درج ہے اور بعض پر ۷۲۲ھ بھی پایا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس نے ۷۲۲ھ تک ضرور حکومت کی۔

۷۲۴ھ میں اس کے بیٹے شہاب الدین و ناصر الدین کا سلطان غیاث الدین تغلق شاہ کے پاس جاکر اپنے بھائی غیاث الدین بہادر شاہ کی شکایت کرنا، اور تغلق شاہ کا ان کے ساتھ ان کی مدد کو آنا مذکور ہے۔ چوں کہ غیاث الدین بہادر کے سکے ۷۱۱ھ کے پائے گئے ہیں۔ اس سے گمان بلکہ یقین ہوتا ہے کہ شمس الدین فیروز کی زندگی ہی میں (اس کا بیٹا) غیاث الدین بہادر (بھونرا) شرقی بنگالے میں برسرِ حکومت تھا۔

---

(۶) ناصر الدین شاہ کا ذکر اور ایک تاریخی غلطی کا ازالہ

تاریخ فیروز شاہی مولفہ ضیاء الدین برنی صفحہ ۴۵۱ میں تغلق شاہ کے حالات میں مذکور ہے کہ ۷۲۳ھ کے قریب بعض امرائے لکھنوتی نے تغلق شاہ سے حکامِ بنگالہ کی شکایت کی۔ تغلق شاہ خود ادھر چلا آیا اور ترہت پہنچنے پر سلطان ناصر الدین اس کے پاس حاضر ہوا اور تمام راجاؤں نے بھی بغیر کسی جنگ کے تغلق شاہ کی اطاعت قبول کی۔ تغلق شاہ نے ناصر الدین کو چتر و دورباش عنایت کرکے اس کو لکھنوتی کی حکومت حوالے کی اور بہادر شاہ کو گرفتار کرکے دہلی لے گیا اور اپنے منھ بولے بیٹے تاتار خاں حاکم ظفر آباد کو سنار گانو کی حکومت عطا کی۔[۵۱]

---

۵۱ ناصر الدین کے متعلق تاریخ فیروز شاہی کی اصل عبارت یہ ہے: سلطان ناصر الدین ضابط لکھنوتی بہ بندگی و چاکری پیش درگاہ آمد و سلطان تغلق شاہ سلطان ناصر الدین

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۱ پر)

ضیاء الدین برنی کے بیان میں سلطان ناصر الدین سے ناصر الدین پسر شمس الدین فیروز مراد ہی۔ لیکن بعد کے مورخوں نے اس کو ناصر الدین بغرا پسر سلطان بلبن سمجھ لیا ہی۔ ابن بطوطہ کے بیان کے مطابق بھی تغلق شاہ کے وقت میں جو ناصر الدین تھا وہ شمس الدین فیروز کا بیٹا اور ناصر الدین بغرا کا پوتا ثابت ہوتا ہی۔

اس بارے میں بداؤنی کا بیان تاریخ فیروز شاہی کے طور پر کسی قدر مبہم ہی لیکن خواجہ نظام الدین احمد اور فرشتے کو صریح طور پر غلط فہمی ہوئی ہی کیوں کہ ان کا بیان ہی کہ کیقباد کے رخصت ہونے پر ناصر الدین بغرا نے بادشاہِ دہلی کی متابعت ہی میں اپنی سلامتی دیکھی اور سلطان جلال الدین (خلجی) و سلطان علا الدین و سلطان قطب الدین سے اظہارِ اطاعت کیا اور چتر شاہی اور خطبہ اٹھا کر امرا کی طرح گزارا کرتا رہا، اور جب سلطان غیاث الدین تغلق بنگالے گیا تو اس نے ناصر الدین کو چتر و دورباش دوبارہ رکھنے کی اجازت دی[1]۔

(ص ۱۲۶ کا بقیہ حاشیہ):-

را کہ در اطاعت و بندگی سبقت نمودہ بود چتر و دورباش داد و لکھنوتی بدو حوالت فرمود و باز فرستاد دست گانو و سنار گانو ضبط شد و بہادر شاہ ضابط سنار گانو را رشتہ در گردن انداختہ جانب شہر رواں کرد" ۱۲

[1] تفصیل کے لیے طبقات اکبری جلد ۱ صفحہ ۱۹۷ و بداؤنی جلد ۱ صفحہ ۲۲۴ و تاریخ فرشتہ جلد ۱ صفحہ ۱۳۱ دیکھنا چاہیے۔ ریاض السلاطین صفحہ ۸۹ کا بیان بھی فرشتے کے طور پر ہی اور (STWARLS HISTORY OF BENGAL) صفحہ ۶۴ کا بیان فرشتہ اور ریاض السلاطین سے ماخوذ ہی، اس لیے اس میں بھی یہی غلطی ہی ۱۲

(۷) غیاث الدین بہادر شاہ (بھونرا) ۷۱۰ھ تا ۷۳۳ھ
(۱۰-۱۳۳۳ء)

عام طور پر تمام مورخوں نے غیاث الدین بہادر شاہ کے متعلق صرف اسی قدر لکھ کر چھوڑ دیا ہو کہ جب دہلی میں تغلق شاہ بادشاہ ہوا تو ۷۲۳ھ کے قریب بعض امرائے لکھنوتی نے تغلق شاہ سے حکامِ بنگالے کی شکایت کی۔ تغلق شاہ خود ادھر چلا آیا اور ترہت پہنچنے پر ناصر الدین اس کے پاس حاضر ہوا اور تمام راجاؤں نے بھی اطاعت قبول کی۔ تغلق شاہ نے بہادر شاہ کو گرفتار کر کے اس کے گلے میں رسّی ڈال کر دہلی روانہ کیا اور سُنار گانو کی حکومت اپنے مُنھ بولے بیٹے تاتار خاں (سابق حاکم ظفر آباد) کو عنایت کی[۱]۔

۷۲۴ھ میں سلطان تغلق ترہت سے واپس ہوتے ہوئے دہلی سے ایک منزل پر اچانک ایک نو ساختہ عمارت کے گر جانے سے چھت کے نیچے دب کر ہلاک ہوا۔ اور اس کا بیٹا محمد تغلق بادشاہ ہوا۔ محمد تغلق نے اپنی تخت نشینی کے وقت بہادر شاہ کو رہا کر کے بہت کچھ انعام و اکرام کے ساتھ رخصت کیا اور اس کے بھتیجے ابراہیم کو بھی ساتھ کر دیا کہ دونوں مل کر بادشاہت کریں اور دونوں کے نام سکے جاری ہوں۔ اور یہ بھی شرط کی کہ بہادر شاہ اپنے بیٹے (محمد المشہور بہ برباط) کو سلطان کی خدمت میں بھیج دے۔ بہادر شاہ نے اور سب شرطیں پوری کیں

---

[۱] یہ بیان تاریخِ فیروز شاہی مولفہ ضیاء الدین برنی صفحہ ۴۵۱ میں موجود ہو اور بعد کے مورخوں نے بھی اسی قدر لکھا ہو لیکن اصل واقعہ یہ نظر آتا ہو کہ ۷۱۰ھ سے بہادر بھونرا بنگالے کی مشترکہ حکومت میں حکمران تھا۔ ۷۱۵ھ میں سلطان علاء الدین خلجی کے مارے جانے پر خود سر بن بیٹھا اور ۷۲۳ھ تک یہی صورت رہی۔

لیکن بیٹے کو نہ بھیجا، اور یہ عذر کیا کہ وہ کہنا نہیں مانتا ہے۔ محمد تغلق نے برافروختہ ہو کر ابراہیم کے پاس لشکر بھیجا اور دل جلی تاتاری کو امیر مقرر کیا اور اسی جنگ میں بہادر شاہ مارا گیا۔[۱]

طامس صاحب کے جمع کردہ سکوں کے رو سے بہادر شاہ نے ۷۱۰ھ سے (اپنے باپ کی زندگی میں) مشرقی بنگالے میں حکومت کی اور اس کے بعد ۷۲۲ھ میں تمام بنگالے پر قابض ہو گیا۔ اسی کے بعد تغلق شاہ نے اس کو گرفتار کر کے دہلی بھیجا۔ بہادر شاہ کے سکے ۷۲۸ھ، ۷۳۰ھ اور ۷۳۳ھ کے بھی پائے گئے ہیں۔ ۷۲۸ھ کے سکے میں اس نے سلطان محمد تغلق کا نام بھی شامل کیا ہے اور ۷۳۰ھ کے سکے میں صرف اپنا نام لکھا ہے لیکن ۷۳۳ھ کے سکے میں پھر محمد تغلق کا نام زیادہ کر دیا ہے۔

بہر حال اس نے ۷۳۳ھ تک ضرور حکومت کی ہوگی۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ بہادر شاہ کے بعد اس کا داماد بادشاہ ہوا لیکن فوج نے اس کو مار ڈالا۔

(۸) ترہت کے سفر سے ایک مشہور محاورے کا تعلق

طبقات اکبری میں مذکور ہے کہ تغلق شاہ جب ترہت آیا تو بعض وجوہ سے ناخوش ہو کر اس نے حضرت نظام الدین اولیا کو کہلا بھیجا کہ میرے آنے سے پہلے دہلی سے نکل جاؤ۔ شیخ نے اس کا کچھ اندیشہ نہ کیا۔ یہاں تک کہ معلوم ہوا کہ تغلق شاہ روانہ ہو کر دہلی کے قریب پہنچا چاہتا ہے۔ شیخ نے کہا کہ "ہنوز دہلی دور است"[۲] اس کے بعد ہی تغلق شاہ دہلی سے ایک منزل پر اچانک چھت کے گرنے سے ہلاک ہوا۔ بالآخر "ہنوز دہلی دور است" فارسی و اردو میں عام محاورہ ہو گیا۔ چنانچہ میر تقی میر کا شعر ہے[۳] شکوۂ آبلہ ابھی سے میر :: ہے پیارے ہنوز دلی دور

---

[۱] ابن بطوطہ کے بیان میں یہ واقعات اوپر لکھے گئے ہیں [۲] طبقات اکبری جلد ا صفحہ ۱۹۸۔

باب نہم

اقطاع بہار و بنگالے میں طائف الملوکی اور آزادانہ حکومت کا آغاز

(۱) ملک بیدار خلجی ملقب بہ قدر خان ۷۲۵ھ تا ۷۳۹ھ (۲۵-۱۳۳۸ء)

تغلق شاہ کے مرنے پر اس کا بیٹا محمد تغلق (عادل) بادشاہ ہوا۔ اس نے تاتار خاں حاکم سُنار گانو کو بہرام خاں کا خطاب عنایت کیا اور بہت سا زر و مال دے کر اس کے اعزاز میں اضافہ کیا۔ اور اسی ہنگام میں سلطان ناصر الدین (پسر شمس الدین فیروز) ضابط لکھنوتی نے انتقال کیا تھا۔ اس کی جگہ پر سلطان نے قدر خاں کو اقطاع لکھنوتی کی حکومت دی۔ اس بندوبست سے ترہت و لکھنوتی و تمام بلاد بنگالے کا خراج شاہی بے خرخشہ دہلی پہنچنے لگا۔[۱]

۷۳۷ھ میں تاتار خاں کے مرنے پر اس کے شمشیر بردار فخر الدین نے مشرقی بنگالے میں خود سر ہو کر اپنا سِکّہ جاری کیا۔ سلطان محمد تغلق کو یہ حال

۱؎ طبقات اکبری جلد ا صفحہ ۲۰۰

معلوم ہوا۔ تو اس نے قدر خان حاکم لکھنوتی کو فخر الدین کی سزا دہی کا حکم دیا اور اعزالدین یحییٰ اعظم الملک و حسام الدین ابو رجا وغیرہ امرا کو کمک میں روانہ کیا۔ انھوں نے فخر الدین کو شکست دے کر جنگل میں بھگا دیا۔ قدر خان نے فتح مند ہو کر امرا کو رخصت کیا اور خود خزانہ جمع کرنے میں مصروف ہوا۔ جب خزانہ جمع ہو کر دہلی بھیجنے کا وقت آیا۔ فخر الدین نے اچانک چھاپہ مارا اور قدر خان کے سپاہیوں کو وہی خزانہ حوالے کر کے لڑنے سے باز رکھا اور قدر خان کو قتل کرا دیا۔[۱]

---

(۲) علاء الدین علی شاہ ۷۳۹ھ تا ۷۴۲ھ (۳۹-۱۳۳۸ء)

قدر خان کو خود اسی کے سپاہیوں سے قتل کرا کے فخر الدین نے دوبارہ مشرقی بنگالے پر قبضہ کیا۔ اور اپنے غلام مخلص نامی کو مغربی علاقوں (یعنی لکھنوتی و ترہت وغیرہ) کے ضبط و انتظام کے لیے روانہ کیا۔ جب مخلص ادھر پہنچا قدر خان مقتول کے بخشی یا عارض لشکر "علی مبارک" نے اس کا مقابلہ کیا اور مخلص کو قتل کر کے سلطان محمد تغلق کو مصلحت آمیز عریضہ لکھ کر حکم کا خواستگار ہوا، مگر سلطان نے اس کو نہ پہچانا۔ اور ملک یوسف کو توال دہلی کو بلاد لکھنوتی

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۴۸۰ میں ضیاء الدین برنی کی اصل عبارت یہ ہے:-

" بعد نقل بہرام خاں در دیار بنگالہ فتنہ فخرا خاست و فخرا و لشکر بنگالہ باغی شدہ قدر خان را بکشتند و زن و بچہ و فیل و تیغ او را تار تار کردند و خزائن لکھنوتی غارت شد و شمار گانو دست گانو از دست رفت و بدست فخرا و باغیان دیگر افتاد و از اں پس در ضبط نیامد۔"

کی حکومت کے لیے نامزد کیا۔ اتفاقاً ملک یوسف یہاں پہنچنے سے پہلے ہی مر گیا۔ اور مغربی بنگالہ تمام علی شاہ کے تصرّف میں رہا۔ چوں کہ اس وقت قحط اور عین الملک کی بغاوت کے سبب سلطان محمد تغلق سخت پریشان تھا اس لیے ترہت و بنگالہ کا کوئی نظم نہ کر سکا۔

---

(۳) مورّخوں کا اختلاف

علی شاہ اور فخر الدین کے متعلق مورّخوں کے بیانات اس قدر مختلف ہیں کہ اگر ایک کا یقین کیا جائے تو دوسرے کو غلط ماننا پڑے گا۔ اس زمانے کے واقعات کے متعلق ابن بطوطہ کا بیان زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، اور طامس صاحب کے جمع کیے ہوئے سکّوں سے بھی ابن بطوطہ کی تصدیق ہوتی ہے۔ تبصرے کے لیے ہر ایک مورّخ کا بیان نقل کیا جاتا ہے۔

۱۔ ضیاء الدین برنی کا بیان قدر خان کے حالات کے سلسلے میں بطور نوٹ مذکور ہو چکا ہے اور اس میں واقعے کی صراحت موجود نہیں، اس لیے اس کا اعادہ فضول ہے۔

۲۔ شمس سراج عفیف (صفحہ ۱۳۷) لکھتا ہے کہ "سلطان فخر الدین کہ خوام او را فخرا گویند در آں ایام در مملکت سُنارگانو بیغم بود سلطان شمس الدین سلطان فخر الدین را زندہ گرفتہ و ہمدراں لحظہ کشتہ در مملکت سُنارگانو قابض گشتہ"۔

۳۔ بداؤنی (جلد ۱ صفحہ ۲۳۰) میں لکھتا ہے کہ "در ۷۳۹ھ بہرام خاں وفات یافت و ملک فخر الدین سلاحدار او سر بطغیان بر آوردہ خود را خطاب سلطانی دادہ با قدر خان ضابط لکھنوتی بہ اتفاق ملک حسام الدین ابو رجا و عز الدین یحیٰی

اعظم الملک جنگ کردہ شکست یافت و اسباب تجمل و خزینہ و حشم او بردست قدرخان افتاد و چون برشکال رسیدہ بود و اسپان قدرخان سقط گشتہ و او روپیہ و مال بسیار جمع کردہ تودہ تودہ بہ نیت پیش کش سلطان در منزل خویش نہادہ بود۔ ہر چند حسام الدین ابورجا او را منع میکرد قدرخان نشنود۔ آخرالامر ہمان طور شد کہ حسام الدین گفتہ بود و ملک فخرالدین باز آمدہ و سپاہیان قدرخان بادیار شدہ صاحب خود را کشتند و زر نصیب فخرا گشت و حکومت سنار گانو بیک قلم او را مسلم شد و مخلص غلام خود را بر لکھنوتی نامزد کرد و علی مبارک عارض لشکر قدرخان مخلص را کشتہ دم از استقلال زد و عرائض مصلحت آمیز بدرگاہ سلطان نوشت و سلطان ملک یوسف را نامزد کرد و او در راہ فوت شد و سلطان را شغل دیگر در پیش آمد کسے دیگر بدان جانب نفرستاد۔ دریں مرتبہ علی مبارک بجہت عداوت فخرالدین علامات بادشاہی ظاہر ساختہ خود را بہ سلطان علاءالدین مخاطب گردانید و ملک الیاس حاجی کہ صاحب قبیلہ و حشم بود بعد از چند روز باتفاق بعضے از امرا و ملوک لکھنوتی علاءالدین را بقتل رسانیدہ خود را سلطان شمس الدین خطاب کرد۔"

(صفحہ ۲۳۱) "و در ۷۴۱ھ سلطان محمد بقصد سنار گانو رفتہ فخرالدین را باسیری گرفتہ در لکھنوتی آوردہ بقتل رسانیدہ بازگشت۔"

۳۔ ابوالفضل آئین اکبری حصہ دوم صفحہ ۶۵ میں لکھتا ہے کہ "در مرزبانی سلطان تغلق قدرخان از جانب او در بنگالہ بود ملک فخرالدین سلاحدار او از آزمندی و از رمی بجا نشکری خداوند خویش ہمت بست و کین گرفتہ از ہم گزرانید و بدستان سرای و حیلہ فروشی نام بزرگی بر خود نہاد و از فرمان دہان دہلی سر باز کشید ملک علی مبارک کہ از سرکشیدگان قدرخان بود سلطان علاءالدین خود را نام کرد"

باویزہ فخرالدین برخاست و در کارزار او را کُشندہ بگرفتہ بگوشۂ نیستی فرستاد حاجی الیاس کہ از امرائے بنگالہ بود۔ چندے راہمداستان ساختہ علاء الدین راجان بشگرد و خود را شمس الدین لقب نہاد ؎"

۵؎ خواجہ نظام الدین احمد (طبقات اکبری جلد ۱ صفحہ ۲۲۱) لکھتا ہو کہ "ملک فخرالدین سلاحدار قدرخان بود و در لکھنوتی ولی نعمت خود بغدر کشتہ نام سلطنت برخود اطلاق کرد و مخلص نام غلام خود را بالشکر آراستہ باقصائے بنگالہ فرستاد ملک علی مبارک عارض لشکر قدرخان بہ مخلص جنگ کرد او را شکست و تمام اسباب وحشم کہ ہمراہ او بود متصرف شد و سلطان فخرالدین چوں نو دولت بود از مردم اطمنان خاطر نداشت ملاحظہ کردہ بر سرِ علی مبارک نہ رفت تا آنکہ علی مبارک سامان خود کردہ خود را سلطان علاء الدین نام کرد و در سنہ ۷۴۱ھ احدے وار بعین و سبعمایۃ فخرالدین بہ لکھنوتی رفت و در جنگ آمدہ بدست علی مبارک بقتل رسید زمان سلطنت فخرالدین مدت دو سال و چند ماہ بود۔"

۶؎ فرشتہ اس طرح لکھتا ہو کہ ملک فخرالدین کہ از سلاحداران قدرخان حاکم بنگالہ بود شمشیر او با خود می برداشت۔ چوں تاتارخاں در سنار گانو فوت شد ملک فخرالدین در سنہ ۷۳۹ھ او را متصرف شدہ خود را سلطان خطاب دادہ خطبہ بنام خواند سلطان محمد بر این معنی آگاہی یافت قدرخان حاکم لکھنوتی را با جمیع امرا چون اعزالدین وغیرہ بر سر او نامزد کرد۔ چوں مقابل شدند فخرالدین منہزم گشتہ در جنگل دور دست گریخت۔ قدرخان ہمانجا ماند و امرا باقطاع خود رفتند چوں موسم برشگال رسید قدرخان در مقام زر جمع کردن شدہ از فراہم آوردن سپاہ غافل گردید و داعیہ اش آں بود

کہ بعد از انصرام برشکال بخدمت سلطان رفتہ پیش تخت انبار ہائے زر سرخ و سفید
سازد و قضارا فخرالدین خبر این معنی یافتہ پنہاں کسان نزد لشکریان فرستاد ہمہ را
از خود ساخت وعدہ کرد کہ ہر گاہ بر قدر خان فتح یابم خزائن را برشما تقسیم نمایم۔ چوں
فخرالدین از جنگل برآمدہ متوجہ سُنار گانو شد لشکریان عاصی و امرایان باغی اتفاق
کردہ قدر خان را بکشتند و خزانہ را برداشتہ بہ فخرالدین پیوستند۔ فخرالدین وعدہ
را دفا نمودہ خزائن را برایشاں ارزانی داشت و سُنار گانو را تخت گاہ ساختہ بحکومت
آن دیار مشغول گشت۔ و غلام خود مخلص نام را بالشکر بسیار بضبط لکھنوتی تعین کرد۔
علی مبارک کہ عارض لشکر قدر خان بود ہمت در زیدہ و مردانگی نمودہ از روئے خلاص
و دولت خواہی جماعتے را با خود یار ساخت و با مخلص جنگ کردہ شکست و فتح نامہ
و عریضہ نزد سلطان محمد تغلق فرستاد کہ اگر حکم شود ضابطہ لکھنوتی باشم و سلطان او را
ندانستہ بجواب ملتفت نشدہ یوسف شحنہ دہلی را ضابطہ لکھنوتی گردانیدہ روان کرد۔
او آنجا نرسیدہ متوفی شد و لکھنوتی بہ علی مبارک شاد ماند۔ چوں اسباب بادشاہی
مہیا بود خود را سلطان علاء الدین خطاب دادہ اما در ہمان زودی ملک الیاس کہ
در آن نواحی می بود لشکر مستعد داشت بہ لکھنوتی تاختہ بندگان سلطان علاء الدین
را بقتل رسانید و خود را بہ سلطان شمس الدین مخاطب کردہ در ۷۴۲ھ لشکر بہ سُنار
گانو کشید۔ و فخرالدین را زندہ گرفتہ بہ لکھنوتی آورد و بحلق کشیدہ خطبہ و سکہ را بنام خود
گردانید علی مبارک چوں فخرالدین را بقتل آورد باستظہار تمام در لکھنوتی تھانہ
گزاشتہ متوجہ بنگالہ گردید۔ و بعد از چند روز حاجی الیاس کہ حاجی پور از آثار دست
لشکر سلطان علاء الدین را با خود متفق ساختہ لکھنوتی و بنگالہ را بحوزہ تصرف خود
در آورد۔ و خود را شمس الدین نامید و مدت سلطنت علاء الدین یک سال و
چند ماہ بود۔

ابن بطوطہ ۷۴۶ھ کے لگ بھگ ست گانو (بنگالہ) آیا۔ وہ لکھتا ہے کہ یہاں کا بادشاہ فخر الدین ہے جو فخرا کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ جب غیاث الدین بہادر شاہ مارا گیا، اس کا داماد بادشاہ ہوا۔ اس کو لشکر نے قتل کر ڈالا۔ ان دنوں میں علی شاہ لکھنوتی میں بادشاہ بن بیٹھا۔ فخر الدین نے جب دیکھا کہ اس کے آقا ناصر الدین کے خاندان سے حکومت نکلی جاتی ہے تو اس نے ست گانو میں بغاوت کی اور اس کے اور علی شاہ کے درمیان سخت لڑائی ہوئی۔ گرمی اور کیچڑ کے موسم میں فخر الدین نے جہازوں کے ذریعے سے لکھنوتی پر حملہ کیا، کیوں کہ اس کی بحری طاقت زیادہ تھی۔ اور جب برسات ہو چکی تو علی شاہ نے فخر الدین پر چڑھائی کی کیوں کہ اس کی برّی طاقت زیادہ تھی۔

اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ ۷۴۶ھ کے قریب فخر الدین اور علی شاہ دونوں زندہ تھے اور فخر الدین کے سکّے (دار الضرب سُنار گانو وزن ۱۶۶ گرین) ۷۴۸ھ، ۷۴۷ھ، ۷۴۶ھ، ۷۴۵ھ، ۷۴۴ھ، ۷۴۳ھ، ۷۴۲ھ، ۷۴۱ھ، ۷۳۷ھ، ۷۴۹ھ، ۷۵۰ھ کے ملتے ہیں۔ جن پر السلطان الاعظم فخر الدنیا والدین ابو المظفر مبارک شاہ السلطان لکھا ہوا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ اس نے ۷۳۷ھ سے ۷۵۰ھ تک ضرور حکومت کی۔ لہذا ۷۳۹ھ میں اس کی بادشاہت کی ابتدا اور ۷۴۱ھ میں اس کا مارا جانا جو مورخوں نے لکھا ہے صحیح نہیں ہو سکتا۔

اسی طور پر علاء الدین علی شاہ کے سکّے (دار الضرب فیروز آباد) ۷۴۲ھ ۷۴۴ھ اور ۷۴۶ھ کے ملتے ہیں۔ جن پر سلطان الاعظم علاء الدنیا والدین ابو المظفر علی شاہ السلطان سکندر الزمان المخصوص بعنایت الرحمن ناصر امیر المومنین لکھا ہوا ہے۔ ان سکّوں کی رو سے علی شاہ نے بھی ۷۴۲ھ سے ۷۴۶ھ تک ضرور حکومت کی۔

اگر بداؤنی - ابوالفضل - خواجہ نظام الدین احمد اور فرشتے کا یقین کیا جائے تو بداؤنی کے مطابق سلطان محمد تغلق نے فخرالدین کو قتل کیا[1] - اور ابوالفضل اور خواجہ نظام الدین احمد کے مطابق علی مبارک نے فخرالدین کو قتل کیا - اور فرشتے کے مطابق ۷۴۱ھ میں حاجی الیاس نے فخرالدین کو پھانسی دی - یہ بیان شمس سراج عفیف کے بیان کے موافق ہے - ان مورخوں میں بعض نے لکھا ہے کہ فخرالدین نے قدرخان کو مار ڈالا - اور بعض نے لکھا ہے کہ تاتارخان کو مار ڈالا - حالاں کہ قدرخان کو بہ ظاہر خود اس کے سپاہیوں نے فخرالدین کی سازش سے قتل کیا - اور تاتار کو کسی نے قتل نہیں کیا - بلکہ جب وہ مرگیا تو فخرالدین نے خودسری اختیار کی -

---

(۴) شتر گربہ کی کیفیت

ایک بات قابلِ ذکر یہ بھی ہے کہ مورخوں نے جس کو علی مبارک لکھا ہے سکوں میں اس کا نام علاء الدین علی شاہ ہے - اور فخرالدین کا نام فخرالدین مبارک شاہ ہے - لہٰذا مورخوں کے بیان میں شتر گربہ واقع ہوا ہے - فخرالدین کے بعد سنارگانوں میں اختیار الدین غازی شاہ نے حکومت کی - اس کے سکے ۷۵۰ھ اور ۷۵۳ھ کے پائے گئے ہیں - جن میں سلطان ابن السلطان لکھا ہوا ہے - لہٰذا گمان ہوتا ہے کہ یہ فخرالدین کا بیٹا ہوگا یا شاید غیاث الدین بہادر شاہ

---

[1] بداؤنی جلد ا صفحہ ۲۳۱ "در ۷۴۱ھ سلطان محمد بقصد تسخیر سنارگانو رفتہ فخرالدین را باسیری گرفتہ در لکھنوتی آورد و بقتل رسانیدہ بازگشت"

خاندان میں ہو۔

---

(۵) علی مبارک اور حاجی الیاس کے متعلق ریاض السلاطین کا بیان

ریاض السلاطین (صفحہ ۹۳-۹۴-۹۵) میں علی مبارک اور حاجی الیاس کے متعلق روایت یوں ہے:۔

"کہتے ہیں کہ ابتدائے حال میں علی مبارک ملک فیروز (بادشاہ فیروز تغلق) کے معتمد ملازموں میں تھا۔ ملک فیروز سلطان غیاث الدین تغلق کا بھتیجا اور سلطان محمد تغلق کا چچیرا بھائی تھا۔ محمد تغلق نے اوّل سال جلوس میں ملک فیروز کو نائب باربک مقرر کیا تھا۔ انھی دنوں میں حاجی الیاس سے جو علی مبارک کا کوکا تھا کوئی خطا ہوئی جس کے سبب سے وہ دہلی سے بھاگ گیا۔ ملک فیروز نے علی مبارک سے پوچھا کہ حاجی الیاس کہاں ہے۔ علی مبارک نے حاجی الیاس کو نہ پایا اور ملک فیروز کو کہدیا کہ وہ کہیں بھاگ گیا ہے۔ فیروز نے ناخوش ہوکر علی مبارک کو اپنے سامنے سے دور ہو جانے کا حکم دیا۔ علی مبارک نے بنگالے کی طرف آکر قدر خان کی ملازمت کرلی اور رفتہ رفتہ لشکر کا بخشی مقرر ہوا۔ جب ملک فخر الدین نے بغاوت کر کے اپنے آقا قدر خان کو قتل کیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا اس وقت علی مبارک نے بھی اپنا لقب سلطان علاء الدین رکھ کر بادشاہت شروع کی اور فخر الدین پر چڑھائی کر کے اپنے آقا کے خون کا بدلہ لیا اور لکھنوتی پر قبضہ کر کے بنگالے کے باقی حصص کے بندوبست میں مشغول ہوا۔ اسی زمانے میں حاجی الیاس بھی پنڈوہ میں وارد ہوا تھا۔ سلطان

علاء الدین نے کچھ دن اس کو قید میں رکھا۔ لیکن پھر اس کی ماں (جو علاء الدین کی رضاعی ماں تھی) کی سفارش سے اس کو رہا کر دیا۔ کچھ عرصے کے بعد حاجی الیاس نے لشکر کو اپنا طرف دار بنا کر خواجہ سراؤں کے ذریعے سے سلطان علاء الدین کو قتل کرایا اور لکھنوتی و تمام بنگالے پر قبضہ کر کے اپنا لقب شمس الدین رکھا اور سلطان علاء الدین کی مدت حکومت ایک برس اور پانچ مہینے تھی۔"

مندرجہ بالا بیان میں حاجی الیاس کی خطا کا جو ذکر ہے اس کے متعلق کتاب (Memoirs of : aur & Pandia) صفحہ ۲۱ میں مذکور ہے کہ (BUCHANAN HAMLTAN) بکانن ہملٹن نے پنڈوہ میں سولھویں صدی کی لکھی ہوئی ایک قلمی تاریخ پائی تھی۔ اس میں لکھا تھا کہ حاجی الیاس نے ملک فیروز کی کسی عورت سے تعلق پیدا کیا تھا۔ اور ملک فیروز نے علی مبارک (علاء الدین) کو اعظم الملک عظمت خاں حاکم بنگالہ کے پاس بھیجا تھا۔ یہاں آکر علاء الدین نے کسی اندیشے کے سبب حاکم صوبہ کو قتل کیا اور خود بادشاہ ہو کر بیس برس حکومت کی (غالباً یہ کتاب امپریل لائبریری کلکتہ میں موجود ہے) یہ بیان بھی غلطی کے احتمال سے خالی نہیں۔ لیکن سلسلۂ بیان میں اس کا اعادہ بھی ضروری تھا۔

---

(۲) حاجی الیاس ملقب بہ سلطان شمس الدین بھنگرہ

۷۴۳ھ تا ۷۵۹ھ (۱۳۵۸-۳۹ء)

گزشتہ اوراق میں حاجی الیاس کے متعلق مورخوں کا بیان مذکور ہو چکا ہے۔

غالباً علی شاہ اور حاجی الیاس کے درمیان کئی برس تک کشمکش رہی کیوں کہ حاجی الیاس کے سکّے ضرب فیروز آباد پنڈوہ ۷۴۰ھ سے پائے جاتے ہیں۔ علی شاہ غالباً ایک طرف حاجی الیاس اور دوسری طرف فخر الدین سے لڑتا تھا۔ ۷۴۶ھ میں فخر الدین کے مارے جانے پر حاجی الیاس تمام مغربی بنگالے کا بادشاہ ہوگیا۔ اور اختیار الدین غازی شاہ کے بعد اس نے شرقی بنگالے پر بھی قبضہ کیا۔

حاجی الیاس نے اڑیسہ کی طرف بھی اپنی فتوحات کو وسعت دی اور اُتر ترہت اور پچھم بنارس تک اپنی مملکت میں شامل کرلیا[۱]۔ عظیم آباد کے سامنے گنگا پار قصبہ حاجی پور حاجی الیاس ہی کا آباد کیا ہوا ہے[۲]۔ صوبہ بہار میں ملک ابراہیم حاکمِ صوبہ تھا۔ شمس الدین نے اس پر بھی چڑھائی کی۔ ۷۵۲ھ (۱۳۵۱ء) میں سلطان محمد تغلق کے مرنے پر فیروز تغلق بادشاہ ہوا۔ فیروز نے شمس الدین پر چڑھائی کا قصد کرکے دسویں شوال ۷۵۴ھ کو ایک لشکر گراں کے ساتھ دہلی سے کوچ کیا۔ گورکھپور اور کھروسہ پہنچنے تک تمام راجا اور زمین دار بھی فیروز کے ساتھ ہولیے۔ اور جگت و ترہت پہنچتے پہنچتے ان علاقوں کے راجا و زمین داروں نے بھی فیروز کی اطاعت کی۔ حاجی الیاس نے اوّل اودھ کی سرحد سے ہٹ کر ترہت میں پناہ لی تھی۔ اب فیروز کے اُدھر آتے آتے ترہت سے پنڈوہ کی راہ لی اور فیروز کے پنڈوہ پہنچنے سے پہلے ہی قلعہ اکدالہ میں تحصّن اختیار کیا۔ فیروز نے گورکھپور اور ترہت میں فوج کو سختی سے حکم دیا تھا کہ باشندوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ پنڈوہ پہنچ کر بھی اہلِ شہر کو کسی قسم کی زحمت نہ دی اور یہاں

۱؎ تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی صفحہ ۵۸۶

۲؎ تاریخ فرشتہ جلد اوّل صفحہ ۲۰۹ "حاجی الیاس کہ حاجی پور از آثار اوست۔"

سے کوچ کر کے ۷ ربیع الاوّل کو یکدالہ کا محاصرہ کیا۔ یہ یکدالہ ایک جزیرہ نما سا مقام تھا۔ جس کے تین طرف پانی اور ایک طرف گھنا جنگل تھا۔ زمانۂ حال کی تحقیق کے مطابق بہ مقام موضع بلڈی باڑی اور مسجد آدینہ کے قریب تھا۔ فیروز نے حکم دیا کہ کنگھر[۵۱] بنا کر پانی کو عبور کیا جائے۔ بہ ظاہر کوئی امید نہ تھی کہ حاجی الیاس قلعے سے نکل کر مقابلہ کرے گا۔ لیکن اتفاقاً فیروز شاہ نے اپنی خیمہ گاہ کے لیے ایک دوسرا مقام پسند کیا۔ اور اس کے ہٹنے سے حاجی الیاس نے اس کی پس پائی کا گمان کیا۔ اور اچانک مع فوج قلعے سے نکل پڑا۔ سخت جنگ کے بعد حاجی الیاس کا چتر و علم اور چوالیس زنجیر فیل فیروز کے ہاتھ آئے۔ اور بے شمار بنگالی سپاہ مقتول و اسیر ہوئی[۵۲]۔ حاجی الیاس نے پس پا ہو کر پھر یکدالہ میں پناہ لی۔

بنگالے کی برسات اور مچھروں کے سبب فیروز شاہ نے اس وقت اتنی ہی کام یابی کو بہت غنیمت سمجھا۔ اور باقی مہم کو آیندہ سال پر اٹھا رکھا۔ شمس سراج عفیف کا بیان ہے کہ پردہ نشین عورتوں نے بے نقاب

---

۵۱ لفظ کنگھر خود ضیاء الدین برنی مؤلف تاریخ فیروز شاہی نے استعمال کیا ہے۔ غالباً پانی میں پتھروں کا ڈھیر کر کے چلنے کا راستہ نکالنا مراد ہے۔

۵۲ شمس سراج عفیف مؤلف تاریخ فیروز شاہی نے صفحہ ۱۲۰ میں اس کی تعداد ایک لاکھ اسی ہزار تک بتائی ہے۔ ریاض السلاطین صفحہ ۹۹ میں مذکور ہے کہ اس زمانے میں شیخ رضا بیابانی نے انتقال کیا اور حاجی الیاس نے بھیس بدل کر اس کے جنازے کی نماز میں شرکت کی اور فیروز شاہ سے بھی ملاقات کی اور اس نے نہ پہچانا۔ حاجی الیاس کا خود کو اس طرح تہلکہ میں ڈالنا اور اس کے امرا کا جو سابق سے حاجی الیاس کو جانتے تھے نہ پہچاننا راقم کے خیال میں خلاف قیاس ہے۔

ہوکر اور سر کے بال کھول کر قلعے کی فصیل سے گریہ وزاری شروع کی اور فیروز شاہ نے متاثر ہوکر از راہ ترحم خونریزی موقوف کرنے کا حکم دیا۔ ضیاء الدین برنی کا بھی بیان ہے کہ سلطان فیروز کو خیال ہوا کہ زیادہ جنگ کرنے سے بہت سے بے گناہ قتل ہو جائیں گے اور مسلمان عورتیں اوباشوں پائکوں اور دھانکوں کے قبضے میں آجائیں گی۔ اور غریبوں، مظلوموں اور عاجزوں کا مال لشکر کے دھکڑے غارت کردیں گے[۱]۔ یہ بیان صحیح معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ فیروز تغلق ایسا شریف نفس تھا کہ محمد تغلق نے جن لوگوں پر کوئی ظلم و ستم کیا تھا، فیروز شاہ نے ہر ایک کو معاوضہ دے کر راضی کیا اور اُن سے عفو نامہ لکھوا کر محمد تغلق کی قبر میں دفن کیا کہ آخرت کا مواخذہ باقی نہ رہے۔ بہر کیف فیروز تغلق نے اس مہم پر گیارہ مہینے صرف کیے اور ۱۲ شعبان ۷۵۵ھ کو دہلی واپس پہنچا۔

حاجی الیاس کو آیندہ سال کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔ اس لیے اس نے دوسرے برس بہت سے تحائف اور پیش کش بھیج کر فیروز شاہ کو ادھر آنے سے باز رکھا اور ایک طور سے صلح کرلی۔ اس وقت سے حاجی الیاس پھر آزادانہ حکومت کرتا رہا۔

۷۵۸ھ میں ظفر خان فارسی جو سلطان فخر الدین کا داماد اور سنار گانو کا جاگیردار تھا، حاجی الیاس سے تنگ آکر دہلی بھاگ گیا۔ (اور بعد میں سلطان کا وزیر بھی ہوا) اس وقت حاجی الیاس نے ملک تاج الدین کی معرفت بعض تحفے فیروز شاہ کے پاس روانہ کیے۔ فیروز شاہ نے بھی خوش ہو کر بعض نفیس

---

[۱] پائک، دھانک اور دھکڑے یہ سب الفاظ خود ضیاء الدین برنی نے صفحہ ۵۹ میں استعمال کیے ہیں۔

سوغاتیں اور تازی و ترکی گھوڑے ملک سیف الدین شحنہ کی معرفت حاجی الیاس کے لیے روانہ کیے۔ لیکن شاہی تحائف بہار ہی تک پہنچے تھے کہ اس اثنا میں حاجی الیاس نے انتقال کیا۔ سلطان فیروز کو معلوم ہوا تو اس نے اُن گھوڑوں کو امرائے بہار میں تقسیم کرا دیا[1]۔

حاجی الیاس نے غالباً اٹھارہ برس اور چند مہینے حکومت کی۔ مگر فرشتے نے اس کی مدتِ حکومت سولہ برس لکھی ہے[2]۔

---

(۷) ملک ابراہیم بیو ۷۵۲ھ تا ۷۵۳ھ (۵۲-۱۳۵۱ء)

فیروز تغلق کی حکومت کے ابتدائی زمانے میں ملک ابراہیم بیو بن ابو بکر اقطاع بہار کا حاکم تھا۔ اس کا حال پیر پہاڑی کے کتبوں سے دریافت ہوا ہے۔ ان کتبوں میں اس کو مقطع بہار اور مدار الملک لکھا ہے اور اس میں فیروز تغلق کا عہد مذکور ہے۔ اس لیے راقم نے اس کا زمانہ فیروز شاہ کی تخت نشینی سے شمار کیا ہے۔ اگرچہ اغلب ہے کہ یہ محمد تغلق کے عہد سے مقطع بہار ہو۔ حاجی الیاس نے ملک ابراہیم حاکم بہار پر فوج کشی بھی کی تھی[3]۔

ملک ابراہیم نے تیرھویں ذی الحجہ روز یک شنبہ کو ۷۵۳ھ میں انتقال کیا۔

---

[1] طبقات اکبری جلد اول صفحہ ۲۳۱۔

[2] حاجی الیاس کے حالات بیشتر ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۵۹۰ تا صفحہ ۵۹۶ اور شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۱۲۰ تا صفحہ ۱۲۲ سے ماخوذ ہیں۔

[3] دیکھو صفحہ ۲۲ نوٹ کتاب (MEMOIRS OF GAUR AND PANDUA)

کہتے ہیں مصرعہ "چوں لعل رفت در دل سنگ از برائے خواب" سے گمان ہوتا ہو کہ یہ شاید اس کے قتل ہونے کا استعارہ ہو۔ اس کے متعلق تین کتبے راقم کی نظر سے گزرے ہیں لے

---

(۸) سکندر بن الیاس شاہ ۷۵۹ھ تا ۷۹۲ھ (۵۸-۱۳۹۰ء)

حاجی الیاس کے مرنے پر تیسرے دن اس کا بیٹا سکندر شاہ تخت نشین ہوا۔ اس کو بھی فیروز شاہ کے حملے کا خوف لگا ہوا تھا اس لیے اس نے چالیس ہاتھی اور بعض تحائف سلطان کے پاس بھیج کر اس کو روکنے کی کوشش کی لیکن اس پیش کش کے پہنچنے سے پہلے فیروز شاہ تسخیر بنگالے کا قصد کر چکا تھا اور فوج لے کر ظفر آباد (اودھ) آکر کثرتِ بارش کے سبب ٹھیرا ہوا تھا۔ اس کے کوچ کی خبر پاکر سکندر شاہ اپنے باپ کی طرح قلعہ یکدالہ میں متحصن ہوا۔ فیروز شاہ نے بنگالے پہنچ کر قلعے کا محاصرہ کیا اور طرفین سے تیر اور منجنیق چلنے لگی۔ اتفاقاً ایک دن قلعے کا ایک برج گر پڑا۔ اسی وقت حسام الملک نے پوری فوج سے قلعے پر یورش کرنے کی اجازت چاہی۔ فیروز شاہ نے جواب دیا کہ قلعے میں پردہ نشین عورتیں موجود ہیں، بے موقع یورش مناسب نہیں۔ آج صبر کرو، دیکھو کل کیا ہوتا ہو۔ دوسرے دن سکندر شاہ نے اپنے وزرا کے مشورے سے صلح کا پیام دیا۔ فیروز شاہ نے جواب

لے کرنل ای ٹی ڈالٹن جس کے نام پر ڈالٹن گنج آباد ہوا کتاب (ATHNOLOGY OF BANGAL) صفحہ ۲۱۱ میں لکھتے ہیں کہ ضلع ہزاری باغ میں چاے چپا گڑھ کے سنتال راجا نے جس کا نام جنگرا تھا ابراہیم بیو کی آمد کی خبر پاکر مع اہل وعیال خودکشی کرلی تھی۔

دیا کہ میں خود بھی صلح کو پسند کرتا ہوں۔ لیکن میرے یہاں آنے کا منشا یہ ہے کہ سنارگانو
کی حکومت بدستور ظفر خاں کے حوالے کی جائے۔ سکندر شاہ نے اس شرط کو منظور
کیا اور فیروز شاہ نے ملک مقبول کی معرفت ایک قیمتی کلاہ سکندر شاہ کو تحفتاً بھیج
دی۔ سکندر شاہ نے بھی بعض تحفے فیروز شاہ کے پاس بھیجے اور ہر سال پیشکش
بھیجنا قبول کیا۔ اس صلح کے بعد فیروز شاہ محاصرہ اٹھا کر واپس روانہ ہوا۔ یہ
واقعہ ۷۵۹ھ کا ہے[1]۔ ظفر خان دوبارہ سنارگانو نہ آیا۔

سکندر شاہ نے بنگالے میں بہتیری نادر عمارتیں بنوائیں۔ انھی میں مسجد
آدینہ ہے جس کے آثار اب تک قائم ہیں۔ یہ مسجد مسلمانوں کے عہد کی بہترین عمارتوں
میں شمار کی جاتی ہے۔ پانسو سات فٹ لمبی اور دو سو پچاسی فٹ عریض ہے۔ اس
کی چھت تین سو چھ گنبدوں سے آراستہ تھی۔ کتبے کے مطابق ۷۷۶ھ میں مرتب
ہوئی۔ فی الحال ضلع مالدہ میں اس مسجد کے قریب ریلوے اسٹیشن کا نام آدینہ
رکھا گیا ہے۔ مسجد کے ایک حصّے میں خاص قسم کا کھلا دالان ہے۔ اس کو بادشاہ کا
تخت کہتے ہیں۔ بعض اہلِ قلم نے اس کی تعمیر کے متعلق بہت خامہ فرسائیاں کی
ہیں لیکن اصل حقیقت معلوم نہیں ہوتی کہ دالان کس لیے بنایا گیا۔

سکندر کے ایک محل سے سات اولادیں اور دوسرے محل سے ایک لڑکا
غیاث الدین اعظم شاہ تھا۔ اعظم شاہ کی سوتیلی ماں نے اس کے خلاف سکندر شاہ
کے کان اس قدر بھر دیے کہ باپ بیٹے میں سخت اَن بن ہو گئی۔ رنجش اس حد کو
پہنچی کہ اعظم شاہ نے شکار کے حیلے سے سنارگانو جا کر فوج جمع کی اور باپ سے

---

[1] تاریخ فیروز شاہی (شمس سراج عفیف) صفحہ ۱۲۹۔ ریاض السلاطین اور فرشتے کا
بیان بھی شمس سراج عفیف کے مطابق ہے۔

بہ زور حکومت کا مطالبہ کیا۔ سکندر شاہ لشکر لے کر مقابلے کو نکلا اور اسی کش مکش میں اعظم شاہ کے ایک سپاہی کے ہاتھ سے نادانستہ مارا گیا۔[1]

سکندر شاہ نے چوتیس برس حکومت کی۔ فرشتہ اور ریاض السلاطین نے اس کی مدت حکومت صرف نو برس اور چند ماہ لکھی ہے۔ لیکن اس کے سکے ۷۵۸ھ اور ۷۹۲ھ کے پائے جاتے ہیں۔[2]

---

(۹) سلطان فیروز تغلق کا بہار کی راہ سے سفر کرنا

۷۶۰ھ (۱۳۵۸ء)

شمس سراج عفیف تاریخ فیروز شاہی (صفحہ ۱۶۳) میں لکھتا ہے کہ فیروز شاہ بنگالے کی مہم سے واپس ہو کر کٹرہ کی طرف واپس گیا اور وہاں سے بہار ہوتا ہوا جاجنگر (اڑیسہ) پہنچا۔ یہ واقعہ ۷۶۰ھ کا ہے۔

معلوم نہیں بہار سے اڑیسہ کس راہ سے سفر اختیار کیا گیا۔ قیاس ہے کہ ہزاری باغ اور چھوٹا ناگ پور ہو کر راستہ ہوگا۔

طبقات اکبری جلد اوّل صفحہ ۲۳۲ میں بھی فیروز شاہ کا "از راہ بہار" سفر کرنا مذکور ہے۔

---

[1] ریاض السلاطین صفحہ ۱۰۳ و ۱۰۴۔

[2] کتاب (MEMOIRS OF GAUR AND PANDUA) میں اسٹیپلٹن صاحب نے ان سکوں کی کیفیت لکھی ہے۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس کے ایک پوتے کا لقب بھی سکندر تھا۔

(۱۰) بہار کا سلطانِ دہلی کے زیرِ حکومت رہنا

تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ سلطان محمد تغلق کے بعد بنگالے میں جُداگانہ حکومت قائم ہوئی جس کا حال سابق اوراق میں گزر چکا ہے۔ لیکن صوبہ بہار سلطانِ دہلی کے زیرِ حکومت رہا۔ شمس سراج عفیف اپنی تاریخ (صفحہ ۲۲۷) میں ٹھٹھہ کی مہم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ کہ سلطان فیروز تغلق نے کمک کے انتظام کے لیے عماد الملک کو خان جہان کے پاس دہلی بھیجا۔ اور خان جہان نے تمام بلاد ممالک سے فوج طلب کی۔ اور اسی سلسلے میں بہار و ترہت سے بھی فوج مانگی۔ اس وقت بنگالے سے فوج طلب کرنے کا کوئی ذکر نہیں پایا جاتا۔

---

(۱۱) غیاث الدین اعظم شاہ ۷۹۲ھ تا ۸۰۰ھ
(۱۳۹۰-۹۸ء)

سکندر بن حاجی الیاس کے بعد غیاث الدین اعظم شاہ سریرِ آرائے سلطنت ہوا۔ اس نے نہایت امن و اطمینان اور عیش و آرام کے ساتھ حکومت کی۔ تاریخ فرشتے میں مذکور ہے کہ اُس نے بہت سا مال حرمین شریفین کو بھیج کر وہاں رباط اور مدارس بنوائے۔ دین دار و عادل ہونے کے علاوہ علماء اور اہلِ کمال کا بھی قدردان تھا۔ حافظ شیرازی کی ایک مشہور غزل میں جو بنگالہ! در سلطان غیاث الدین کا ذکر ہے، اس سے بھی غیاث الدین مُراد ہے۔

---

(۱۲) سلطان غیاث الدین اور حافظ شیرازی

ایک بار غیاث الدین اعظم شاہ شرقی بنگالے کی طرف گیا ہوا تھا۔ اتفاقاً اس سفر میں کوئی مرض ایسا لاحق ہوا کہ اس کو زیست سے یاس ہو گئی۔ اس وقت اس کی تین بیویاں بھی ساتھ تھیں جن کے لقب سرو محل، گل محل اور لالہ محل تھے۔ اس نے ان کو وصیّت کی کہ میرے مرنے پر نعش کو تم اپنے ہاتھوں سے غسل دینا۔ لیکن غیاث الدین اعظم شاہ نے مرض سے شفا پائی تو اس کی اور بیویوں نے ازراہ طعن ان تین حرموں کو غسّالہ کہنا شروع کیا۔ انھوں نے موقع پاکر اعظم شاہ سے شکایت کی۔ اس وقت عالمِ انبساط میں اعظم شاہ کی زبان پر برجستہ یہ مصرعہ آیا۔ "ساقی حدیث سرو گل ولالہ می رود"۔ لیکن اس کے برابر کا دوسرا مصرعہ ذہن میں نہ آیا اور دربار کے شعرا بھی حسبِ دل خواہ مصرعہ نہ لگا سکے۔ اعظم شاہ نے یہ مصرع طرح ایک قاصد کی معرفت کچھ تحائف کے ساتھ حضرت شمس الدین حافظ شیرازی کے پاس روانہ کیا۔ اور حضرت حافظ کو بنگالے آنے کی دعوت دی۔ حضرت حافظ بھی بنگالے آنے کے سائق تھے لیکن کبر سنی اور صعوبتِ سفر کا اندیشہ مانع ہوا[1]۔ تاہم ایک غزل کہہ کر روانہ کی جس کے تین اشعار کو ہمارے بیان سے خاص تعلق ہے۔ اس لیے اس جگہ نقل کیے جاتے ہیں۔ پوری غزل دیوان میں موجود ہے ؎

ساقی حدیث سرو گل ولالہ می رود   ایں بحث باثلاثۂ غسّالہ می رود

---

[1] ریاض السلاطین صفحہ ۱۰۵ میں یہ واقعہ مفصّل مرقوم ہے۔ تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۲۹۴ اور بعض تاریخوں میں مختصراً مذکور ہے۔

شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند | زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود
حافظ زشوق مجلس سلطان غیاث دین | خامش مشو کہ کار تو از نالہ می رود

---

(۱۳۱) اعظم شاہ اور قاضی سراج الدین

ایک بار اعظم شاہ تیر اندازی کی مشق کر رہا تھا۔ اتفاقاً ایک تیر بہک کر کسی بیوہ کے لڑکے کے جا لگا۔ بیوہ نے قاضی کے یہاں استغاثہ کیا۔ قاضی کو الجھن ہوئی کہ اگر بادشاہ کی رعایت کرے تو خدا کے ہاں ماخوذ ہو۔ اور اگر بادشاہ کو طلب کرے تو اس میں بھی دشواریاں اور قباحتیں ہیں۔ آخر فاحکم بین الناس بالعدل کو نصب العین سمجھ کر اس نے اپنے پیادہ کو بادشاہ کی طلبی کے لیے روانہ کیا اور خود مسند کے نیچے دُرّہ رکھ کر محکمہ میں منتظر بیٹھ گیا۔ غریب پیادہ شاہی محل کے قریب پہنچا تو بادشاہ تک رسائی کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ آخر اس کو یہ تدبیر سوجھی کہ محل کے قریب اس نے اذان دینی شروع کی۔ بادشاہ نے خلافِ وقت اذان کی آواز سُن کر موذن کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ پیادہ سامنے لایا گیا تو اس نے اذان دینے کا سبب اور بادشاہ کو محکمے میں حاضر ہونے کا حکم سُنایا۔ اعظم شاہ فوراً پیادہ کے ساتھ محکمے میں حاضر ہوا۔ قاضی نے اس کو دیکھ کر کوئی التفات نہ کیا اور شرع کے مطابق حکم دیا کہ یا اس بیوہ کو راضی کر کے استغاثہ اٹھواؤ، یا اپنے کیے کی سزا بھگتو۔ اعظم شاہ نے بہت کچھ نقد دے کر لجاجت سے بیوہ کو دعو اٹھا لینے پر راضی کیا۔ اور اس کے بعد بغل سے تلوار نکال کر قاضی سے کہا کہ میں شرعی حکم کی تعمیل میں حاضر ہوا۔ اگر تم ذرا بھی میری بادشاہی کی رعایت کرتے تو اسی تلوار سے تمھارا سر اُڑا دیتا۔ قاضی نے جواب

دیا کہ میں دُرّہ لے کر بیٹھا تھا۔ اگر شرعی حکم کی تعمیل میں تم سے ذرا بھی تقصیر ہوتی تو بہ خدا اسی دُرّے سے تمھاری پیٹھ لال کر دیتا۔ اعظم شاہ نے خوش ہو کر قاضی کو انعام عطا کیے[۵]۔

غیاث الدین اعظم شاہ حضرتِ نور قطب عالم پسرو سجادہ نشین حضرت مخدوم علاء الحق پنڈوی کا ہم عصر اور ہم مکتب تھا، اور ان دونوں نے حضرت حمید الدین گنج نشین ناگوری سے تعلیم پائی تھی۔ ریاض السلاطین کے قول کے مطابق اعظم شاہ کو راجا کانس نے ۸۰۰ھ میں دغا سے قتل کرایا۔ تاریخ فرشتہ اور ریاض السلاطین نے اس کی مدتِ حکومت صرف سات برس اور چند مہینے لکھی ہے۔ لیکن اسٹیپلٹن کا قیاس کچھ اور ہے، جو آئندہ مذکور ہو گا۔

---

(۱۴) غیاث الدین اعظم شاہ کی اولاد

اعظم شاہ کے مارے جانے یا مرنے پر اس کا بیٹا سیف الدین حمزہ ملقب بہ سلطان السلاطین سکندر ثانی تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا شمس الدین المعروف بہ شہاب الدین بایزید اس کا جانشین ہوا۔ اور آخر میں اس کا بیٹا علاء الدین فیروز حکمراں ہوا، اور اسی پر حاجی الیاس کے خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ ان بادشاہوں کی حکومت کا صحیح زمانہ کسی تاریخ سے واضح طور پر معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن ان میں سے ہر ایک نے تخمیناً برس دو برس سے زیادہ حکومت نہیں کی۔

---

[۵] ریاض السلاطین صفحہ ۱۰۸۔

(۱۵) راجا کانس (گنیش) اور اعظم شاہ کے متعلق مسٹر اسٹیپلٹن کا بیان

انجمن ماہران سکہ جات ہند (NUNESNATEC SOUITS OF INDIA) کے جلسے (منعقدہ پٹنہ) میں ۱۸ر دسمبر ۱۹۳۰ء کو مسٹر اج - ای - اسٹیپلٹن نے بحیثیت صدر انجمن ہونے کے ایک مضمون پڑھا[1] جس کا ملخص یہ ہو کر سلطان غیاث الدین کے عہد میں راجا گنیش نے تخمیناً ۱۳۰۰ھ ۱۳ء میں بنگالے کے معاملات میں بڑا رسوخ پیدا کر لیا تھا۔ اور ریاض السلاطین کے مطابق اس بادشاہ کو فریب سے قتل بھی کرا دیا۔ اس کے بعد امرائے سلطنت نے بادشاہ کے بیٹے سیف الدین حمزہ کو تخت نشین کیا۔ اس نے دو برس تک (تخمیناً ۱۴ھ ۱۵ء) حکومت کی اور اپنا لقب سلطان السلاطین ثانی رکھا۔ اس کے بعد اس کا غلام با متبنیٰ شہاب الدین بایزید دو برس تک حکمران رہا اور شاید راجا گنیش کے ہاتھوں مارا گیا۔ شہاب الدین کے بعد اس کا بیٹا علاء الدین فیروز تخت نشین ہوا اور چوں کہ اس زمانے میں راجا گنیش کا کوئی سکہ جاری ہونا معلوم نہیں ہوتا اس لیے قرینِ قیاس ہو کہ مسلمان امرا راجا کی حکومت کے مخالف تھے۔ اور اسی سبب سے حضرت نور قطب عالم نے سلطان ابراہیم شرقی کو بنگالہ فتح کرنے کے لیے بلایا۔ اور راجا گنیش مجبور ہو کر اپنے بیٹے جدو[2] کو مسلمان بنانے پر راضی ہو گیا اور وہ جلال الدین

---

[1] صاحب موصوف نے اس مضمون کو کتاب (MENOURS OF GAUR AND PANDUA) میں بھی شامل کیا ہو

[2] تاریخ فرشتہ میں جدو کو جتمل اور اسٹوارٹس کی تاریخ میں چیتمل لکھا ہو (بقیہ نوٹ صفحہ ۱۵۲ پر)

لقب رکھ کر علاء الدین کے مرنے پر تخت نشین ہوا۔ ۸۱۹ھ میں حضرت نور قطب عالم کی وفات کے بعد راجا گنیش نے جلال الدین کو پھر ہندو بنا لینے کی کوشش کی لیکن وہ مسلمان ہی رہا۔ تب اس کو قید کر کے گنیش خود تخت نشین ہوا اور اپنا لقب دنوج مردنہ رکھ کر پنڈوہ (فیروز آباد) سنار گانو اور چاٹ گانو سے اپنا سکہ جاری کیا۔ گنیش کے بعد مہندر تخت پر بیٹھا لیکن اس کا اور کوئی حال معلوم نہیں اور ۸۲۱ھ میں جدو عرف جلال الدین قید سے نکل کر ۸۳۵ھ تک حکمران رہا۔

صاحب موصوف نے اس بیان کی صحت کا کوئی قطعی ثبوت پیش نہیں کیا ہے۔ اگر زمانے کے متعلق تاریخ فرشتہ اور ریاض السلاطین کا بیان تسلیم کیا جائے تو سیف الدین اور شہاب الدین کی حکومتیں ۸۰۵ھ اور ۸۰۸ھ میں ختم ہو جاتی ہیں۔ بہر حال یہ بیان مزید تحقیقات کا محتاج ہے اور چوں کہ ۷۹۶ھ سے صوبہ بہار میں سلاطین شرقیہ کی حکومت شروع ہوتی ہے۔ اس لیے یہ بحث اسی جگہ کے لیے چھوڑ دی جاتی ہے۔

---

(۱۶) ملک کافی، ملک ضیاء الحق اور خواص الملک کا ذکر

قصبہ بہار میں مخدوم بدر عالم کے مقبرے کے احاطے میں درخت کے نیچے ایک قدیم کتبہ رکھا ہوا ہے۔ یہ کسی عمارت کا کتبہ ہے جس کو ۸۰۹ھ میں ملک کافی نے تعمیر کرایا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں ملک کافی

(صفحہ ۱۴۳ کا بقیہ) اس کے مسلمان ہونے کا واقعہ ابراہیم شرقی کے حالات کے ساتھ دیکھنا چاہیے۔

صوبۂ بہار میں حاکم کی حیثیت رکھتا تھا۔ مقبرے کے مجاور جاہلوں ۔۔۔ پیسے کمانے کی غرض سے کتبے کے پتھر کو بھوت جلانے کا کٹڑا اور اس کے حروف کو جناتی حروف بتاتے ہیں۔

۷۹۹ھ میں ضیاء الحق بہار کا حاکم تھا۔ اس کی حکومت کا پتا اس کی بنوائی ہوئی ایک خانقاہ کے کتبے سے ملتا ہے۔ جو قصبہ بہار کے مشرقی جانب محلہ چھوٹا تکیہ میں مقبرے کی دیوار میں لگا ہوا ہے۔ اس کے اشعار یہ ہیں:۔

حاکم خطہ ضیاء الحق بنا این خانقاہ کرد اندر عہدِ سلطان جہاں محمود شاہ

شد تمام این خانقہ باد ا ضعیفان را پناہ ہفت صد نہ با نود از سال ہجری رفتہ بود

اس طور کے اور کتبے بھی پائے گئے۔ راقم نے تمام کتبوں کو ایک علیحدہ کتاب میں درج کیا ہے۔ اس لیے اس تحریر میں ان کو داخل کرنا محض طوالت کا سبب ہوگا۔

خواجہ نظام الدین احمد طبقات اکبری جلد اوّل صفحہ ۲۴۴ میں سلطان ابوبکر شاہ (بن ظفر خان بن فیروز شاہ) اور محمد شاہ بن فیروز شاہ کے جھگڑے کے بیان میں لکھتا ہے کہ "بعض از امرائے فیروز شاہی مثل ملک سرور شحنۂ شہر و ملک الشرق و نصیر الملک حاکمِ ملتان و خواص الملک حاکم بہار .... بہ محمد شاہ پیوستند۔" یہ واقعہ ۷۹۱ھ کا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خواص الملک ۷۹۱ھ میں حاکمِ بہار تھا۔ مخدوم شرف الدین احمد بہاری کے تذکروں میں بھی خواص الملک کا خانقاہ بنوانا مذکور ہے۔
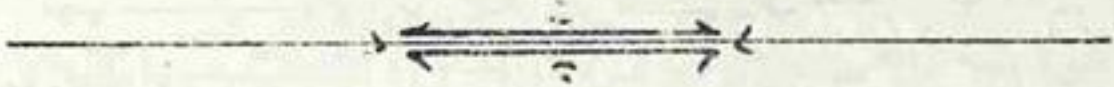
باب دہم

صوبۂ بہار میں سلاطینِ شرقیہ کی حکومت

(۱) ملک الشرق خواجہ جہاں سنہ ۷۹۶ھ تا سنہ ۸۰۲ھ
(سنہ ۱۳۹۳-۹۹ء)

سلطان فیروز تغلق کے بعد ممالک شرقی پر سلاطینِ دہلی کا تسلط برائے نام باقی رہ گیا تھا۔ سنہ ۷۹۶ھ میں ناصر الدین محمود بن محمد شاہ تخت نشین ہوا تو اس نے ماہِ رجب سنہ ۷۹۶ھ میں ملک سرور الملقب بہ خواجہ جہاں کو سلطان الشرق کا خطاب دے کر قنوج سے بہار تک تمام صوبوں کی حکومت تفویض کر کے بیس زنجیر فیل اور لشکر گراں کے ساتھ جون پور روانہ کیا۔ ملک الشرق نے تھوڑی ہی مدت میں ان علاقوں کے تمام زمین داروں کو مطیع کر لیا۔ بعض حصار (قلعے) جو خراب ہو رہے تھے ان کو از سر نو مرمت کر کے درست کر لیا۔ اور ایسی صولت و حشمت حاصل کی کہ اڑیسہ کا راجا اور سلطانِ بنگالہ جو سابق میں سلطان فیروز کے پاس پیش کش اور نذریں بھیجا کرتے تھے، اب ملک الشرق کے پاس جون پور بھیجنے لگے۔ ملک الشرق نے چھ برس حکومت کر کے سنہ ۸۰۲ھ میں انتقال کیا۔[۱]

---

[۱] طبقات اکبری جلد اول صفحہ ۲۵۰ تا ۲۵۱۔ و بداؤنی جلد اول صفحہ ۲۶۴

(۱) مبارک شاہ شرقی ۸۰۲ھ تا ۸۰۴ھ (۱۳۹۹-۱۴۰۱ء)

ملک الشرق کے مرنے پر اس کا متبنٰی قرنفل نامی تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنا لقب مبارک شاہ رکھ کر حکومت شروع کی۔ اس خود مختاری کی خبر دہلی پہنچی تو جمادی الاوّل ۸۰۳ھ میں اقبال خان وکیل سلطان محمود نے اس پر فوج کشی کی اور شمس خان حاکم بیانہ و مبارک خان و بہادر ناہر اور بیتیائی (ضلع مرزاپور) کے تمام زمین داروں نے بھی اس کی موافقت کی، لیکن منہزم ہو کر اٹاوے کی طرف چلے گئے۔ اقبال خان قنوج پہنچا۔ مبارک شاہ بھی مقابلے کو چلا آیا۔ دونوں لشکروں نے آمنے سامنے گنگا کے کنارے پرے جمائے، لیکن کسی نے حملے کی جرأت نہ کی۔ دو مہینے کے بعد دونوں لشکر بغیر لڑے بھڑے واپس ہوئے۔[1]

مبارک شاہ جونپور پہنچا تو کچھ دنوں کے بعد اس کو معلوم ہوا کہ اقبال خاں پھر سلطان محمود کو فوج کشی کے لیے آمادہ کر رہا ہے۔ مبارک شاہ بھی جنگ کے تہیے میں تھا کہ موت نے اس کا کام تمام کیا۔[2]

---

(۳) ابراہیم شاہ شرقی ۸۰۴ھ تا ۸۴۲ھ (۱۴۰۱-۱۴۴۰ء)

مبارک شاہ کے مرنے پر اس کا بھائی ابراہیم شاہ اس کا قائم مقام ہوا۔ سلطان محمود تغلق نے پھر جونپور پر فوج کشی کی۔ ابراہیم شاہ نے مقابلہ کیا اور چند روز طرفین سے جنگ ہوتی رہی۔ بعض وجوہ سے سلطان محمود اپنے وکیل

---

[1] طبقات اکبری جلد اوّل صفحہ ۲۵۷ [2] تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۳۵۵

اقبال خاں سے بدظن ہو گیا تھا اور ابراہیم شرقی کو اپنا نوکر اور خانہ زاد سمجھتا تھا اس لیے ایک شب کو تنہا اپنے لشکر سے ابراہیم شرقی کی خیمے گاہ میں چلا آیا لیکن ابراہیم شرقی نے اپنے خاندان کے ولی نعمت سے بدسلوکی کی۔[1] سلطان محمود بیزار ہو کر قنوج واپس گیا اور شرقی حاکم کو نکال کر خود متصرف ہوا۔

اقبال خاں کے قتل ہونے پر ۸۰۹ھ میں سلطان محمود نے پھر جونپور پر چڑھائی کی۔ ابراہیم شاہ بھی مقابلے کو نکلا اور چند دن گنگا کے کنارے جنگ ہوتی رہی، لیکن پھر صلح کر کے دونوں لشکر واپس ہو گئے۔ مراجعت کے بعد ابراہیم شاہ قنوج کی طرف روانہ ہوا۔ یہاں محمود ترمتی جو سلطان محمود کی طرف سے قنوج کا حاکم تھا چار مہینے تک ابراہیم شاہ سے مقابلہ کرتا رہا۔ بالآخر سلطان محمود کی کمک نہ آنے پر اس نے قنوج کو ابراہیم شاہ کے سپرد کر دیا۔

دوسرے سال (۸۱۰ھ) نصرت خاں کرگ انداز و تاتار خاں پسر سارنگ خاں و ملک مرجبا غلام اقبال خاں وغیرہ اکثر امرا سلطان محمود سے جدا ہو کر ابراہیم شاہ سے مل گئے۔ ابراہیم شاہ نے سنبل پر چڑھائی کی اور اسد خاں گماشتہ سلطان محمود نے قلعہ ابراہیم شرقی کے حوالے کر دیا۔ ابراہیم شاہ تاتار خاں کو قلعے داری سپرد کر کے دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ اسی زمانے میں خبر پہنچی کہ ظفر خاں حاکمِ گجرات نے مالوہ پر قبضہ کر کے الپ خاں پسر دلاور خاں (مخاطب بہ سلطان ہوشنگ) کو مقید کر لیا ہے۔ اس خبر سے مضطرب ہو کر ابراہیم شاہ نے جونپور کی راہ لی۔ موقع پا کر اسی سال ماہ ذیقعد میں سلطان محمود نے سنبل پر چڑھائی کر دی۔ اور بلا مزاحمت قابض ہو کر دوبارہ اسد خاں لودی کو قلعہ دار مقرر کیا۔

---

[1] طبقات اکبری جلد اول صفحہ ۲۶۰۔

اور خود دہلی واپس آیا۔ ۸۱۵ھ میں سلطان محمود نے انتقال کیا[۱]۔ اس کے بعد ابراہیم شرقی نے کالپی پر بھی قبضہ کر لیا۔

ابراہیم شاہ شرقی نے ایک بار (غالباً ۱۷-۸۱۶ھ میں) بنگالے پر بھی فوج کشی کی۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ اس زمانے میں بنگالے میں راجا گنیش نے (جس کا ذکر سابق اوراق میں اعظم شاہ اور اس کی اولاد کے حالات میں گزر چکا ہے) بڑا اقتدار پیدا کر لیا تھا۔ جب اس نے ظلم اور بدسلوکی کا وتیرا اختیار کیا تو مخدوم نور قطب عالم پسر مخدوم علاء الحق پنڈوی نے ابراہیم شاہ کو بنگالہ فتح کرنے کی دعوت دی۔ ابراہیم شاہ شرقی نے بنگالے پر فوج کشی کی، اس وقت راجا گنیش سے کچھ بنائے نہ بنی۔ مخدوم نور قطب عالم کے پاس حاضر ہو کر التجا کی کہ جو آپ حکم دیں کرنے کو تیار ہوں، کسی طرح ابراہیم شرقی کو جنگ سے باز رکھیے۔ مخدوم نے جواب دیا کہ میں ایک مسلمان بادشاہ کو خصوصاً اس صورت میں کہ میں نے خود اس کو طلب کیا ہو تمھارے مقابلے سے باز رکھنے کے لیے کوئی سبب نہیں دیکھتا۔ راجا گنیش نے کہا کہ میں حکومت سے دست بردار ہوتا ہوں اور میرا لڑکا جدو حاضر ہے اس کو مسلمان کر کے تخت نشین کیجیے۔ مخدوم نے اپنے مُنھ کا پان نکال کر

---

[۱] دہلی میں فیروز تغلق کے بعد اس کے بیٹے اور پوتوں نے رفتہ رفتہ سلطنت کی نیو کھوکھلی کر دی تھی۔ ۷۹۶ھ سے ۸۰۰ھ (۹۷-۱۳۹۴ء) تک تو یہ حال رہا کہ سلطان محمود دہلی میں سلطنت کرتا تھا اور چند کوس ہٹ کر فیروز آباد میں نصرت شاہ بادشاہ تھا۔ اسی کو دیکھ کر ۸۰۱ھ میں تیمور لنگ آ پہنچا اور دہلی کو فتح کر کے خضر خاں کے سپرد کیا اور خود سمرقند واپس گیا۔ تغلق خاندان کا آخری بادشاہ محمد تغلق ثانی برائے نام ۸۱۰ھ تک حکمران رہا۔ خضر خان نے ۸۲۴ھ میں انتقال کیا۔ اس کے بعد اس کے تین ورثا یکے بعد دیگرے حکمران ہوئے۔ آخری حکمران علاء الدین عالم شاہ نے ۸۵۵ھ (۱۴۵۲ء) میں بہلول لودی کو سلطنت خود حوالے کر دی۔

جدو کے منھ میں دیا اور اس کو مسلمان بنا کر اس کا نام جلال الدین رکھا اور ابراہیم شرقی سے معذرت کی کہ ہیں نے آپ کو راجا گنیش سے لڑنے کو بلایا تھا۔ اب بنگالے کا بادشاہ مسلمان ہے، اس سے لڑنا روا نہیں۔ ابراہیم شرقی ناخوش ہو کر واپس گیا۔ اس کے بعد راجا گنیش نے پھر اپنا سابق رویہ اختیار کیا بلکہ مخدوم کے بیٹے کو بھی قتل کر ڈالا۔ اور برہمنوں کے کہنے کے مطابق سونے کی گائے بنوائی اور اس کے خلا کے اندر سے اپنے بیٹے جلال الدین کو گزار کر شدھی کر کے اس کو دوبارہ ہندو بنانے کی کوشش کی لیکن وہ مسلمان ہی رہا۔ تب راجا گنیش نے اس کو قید کر کے خود حکومت شروع کی بعد کو جلال الدین نے قید سے نکل کر ۸۲۱ھ سے ۸۳۵ھ تک بادشاہت کی۔ یہ پورا واقعہ ریاض السلاطین میں مذکور ہے[1]

۸۰۱ھ میں امیر تیمور نے دہلی فتح کر کے خضر خاں کے حوالے کی تھی۔ ۸۲۴ھ میں خضر خاں نے انتقال کیا اور اس کا بیٹا مبارک شاہ اس کا قائم مقام ہوا۔ ۸۳۰ھ میں ابراہیم شاہ شرقی بداؤں پر فوج کشی کا قصد رکھتا تھا لیکن مبارک شاہ کے دبدبے سے باز رہا۔ مبارک شاہ نے مقام چندوار میں ابراہیم شرقی پر لشکر کشی کی لیکن جنگ کا کوئی نتیجہ مرتب نہ ہوا تھا کہ ابراہیم شاہ جونپور واپس آیا[2]

ابراہیم شاہ شرقی نے چالیس سال کے قریب حکومت کی۔ اس کے زمانے میں دہلی کی شان و شوکت جاتی رہی تھی اور جونپور کی ایسی عظمت تھی کہ علما و فضلا نے جونپور ہی کو مرجع قرار دیا تھا۔ قاضی شہاب الدین جونپوری نے حاشیہ کافیہ۔ تفسیر بحر المواج اور فتاوی ابراہیم شاہی وغیرہ بہت سی کتابیں

---

[1] ریاض السلاطین صفحہ ۱۱۰ - [2] طبقات اکبری جلد اول صفحہ ۲۶۴ تا ۲۹۱ -

اس عہد میں تصنیف کیں۔ اس بادشاہ کو عمارتوں کا بھی شوق تھا۔
سید قطب الدین برادر پھول شاہ ابراہیم شاہ شرقی کے وزرا سے تھا۔
سیر التاخرین اور تذکرۃ الکرام میں لکھا ہے کہ ان کا مزار محلہ کچوری گلی پٹنہ میں ہے۔
کیفیت العارفین میں شاہ عطا حسین صاحب نے بھی یہی لکھا ہے۔

---

(۴) محمود شاہ شرقی ۸۴۲ھ تا ۸۶۲ھ (۱۴۴۰ء تا ۱۴۵۸ء)

ابراہیم شرقی کے مرنے پر اس کا بیٹا محمود اس کا جانشین ہوا۔ اسی کے عہد میں ۸۴۷ھ میں محمد شاہ بن مبارک شاہ بن خضر خاں نے انتقال کیا۔ اور خاندانِ سادات کے آخری حکمران علاء الدین عالم شاہ نے ۸۵۵ھ میں دہلی کی سلطنت خود بہلول لودی کے سپرد کردی۔

امرائے سلطان علاء الدین نے جو بہلول لودی کی حکومت سے راضی نہ تھے ۸۵۶ھ میں محمود شاہ شرقی کو دہلی فتح کرنے کی دعوت دی۔ اس وقت سلطان بہلول دیپال پور کی طرف تھا۔ محمود شرقی نے جونپور سے دہلی پہنچ کر شہر کا محاصرہ کیا۔ خواجہ بایزید پسر سلطان بہلول اور بعض امرا قلعے میں متحصن ہو گئے۔ سلطان بہلول کو معلوم ہوا تو دیپال پور سے چل کر دہلی سے پندرہ کوس پر مقام نلبیرہ میں ٹھیر گیا۔ اور اس کے لشکری دو بار محمود شرقی کی فوج کے اونٹوں اور بیلوں کو چراگاہ سے پکڑ لے گئے۔ محمود شرقی نے فتح خاں ہروی کو تیس ہزار سواروں کے ساتھ سلطان بہلول کے مقابلے کے لیے متعین کیا۔ لودیوں نے لشکر مرتب کر کے جنگ کی اور قطب خاں لودی نے جو بڑا مشاق تیر انداز تھا۔ فتح خاں کے ہاتھی کو گھائل کر دیا۔ اور دریا خاں

لودی کو (جو اس وقت محمود شاہ شرقی کی طرف تھا) بھی یہ غیرت دلائی کہ تم لودیوں کو چھوڑ کر ان کے مخالف کے طرف دار ہوتے ہو۔ دریا خاں کے جدا ہوتے ہی فتح خاں شکست کھا کر گرفتار ہوا۔ رائے کرن نے اس کا سر کاٹ کر سلطان بہلول کے پاس بھیج دیا۔ محمود شاہ شرقی پسپا ہو کر جونپور کی طرف واپس ہوا۔ بہلول لودی نے اس کا تعاقب کیا اور اٹاوے کے قریب پھر جنگ واقع ہوئی۔ لیکن دوسرے ہی دن قطب خان اور رائے پرتاب کی وساطت سے یہ بات قرار پائی کہ ہر ایک اپنی اپنی سابق مملکت پر متصرف رہے۔ بہلول نے سات زنجیر فیل جو فتح خاں ہروی کی جنگ میں ہاتھ آئے تھے، محمود شاہ شرقی کو واپس دیے۔ اور یہ قول و قرار ہوا کہ بعد برسات بہلول لودی شمس آباد پر (جو محمود شرقی کی جانب سے جونا خان کی حکومت میں تھا) قابض ہو۔ اس صلح کے مطابق جب بہلول لودی نے جونا خان سے شمس آباد واپس لینا چاہا جونا خان لیت و لعل کرنے لگا لیکن بہلول فوج لے کر ادھر بڑھا تو جونا خان کو بھاگتے ہی بنی۔ بہلول نے شمس آباد کو رائے کرن کے سپرد کیا۔ اس کے بعد محمود شرقی نے پھر بہلول پر فوج کشی کی اور قطب خان و دریا خان لودی نے محمود شرقی کی فوج پر شبخون مارا۔ اتفاقاً گھوڑے کے ٹھوکر کھانے کے سبب قطب خان گرفتار ہو گیا۔ اور محمود شرقی نے اس کو قید کر کے جونپور بھیج دیا۔ (یہ سات برس مقید رہا) بہلول نے شہزادہ جلال و شہزادہ سکندر و عماد الملک کو رائے کرن کی مدد پر متعین کر کے خود محمود شرقی سے مقابلہ کیا۔ لیکن اسی اثنا میں محمود شرقی نے بیمار ہو کر انتقال کیا۔[1]

---

[1] طبقات اکبری صفحہ ۳۰۴۔

(۵) محمد شاہ شرقی ۸۶۲ھ ۱۴۵۸ء

محمود شاہ کے مرنے پر اس کی ماں بی بی راجی نے امرا کے اتفاق سے شہزادہ بھیکن کو محمد شاہ کا لقب دے کر تخت نشین کیا اور سلطان بہلول سے بھی اس شرط پر صلح کر لی کہ ہر ایک اپنے اپنے مقبوضہ ملک پر قابض رہے۔ اس صلح کے بعد جب بہلول دہلی پہنچا تو قطب خاں کی بہن شمس خاتون نے بہلول کو غیرت دلائی کہ قطب خاں کو محمد شاہ شرقی کی قید میں چھوڑ کر صلح کرنا سخت بے مروّتی اور ذلت ہے۔ بہلول نے مقام دھنگور سے پھر مراجعت کی۔ ادھر محمد شاہ نے رائے کرن سے شمس آباد چھین کر پھر جونا خاں کے حوالے کر دیا۔ اس دفعہ رائے پرتاب جو سابقاً بہلول کی طرف تھا محمد شاہ سے مل گیا۔ محمد شاہ نے سرستی میں اور بہلول لودی نے اس کے قریب ہی رابری میں فوج آراستہ کی۔ جنگ چھڑ جانے کے بعد محمد شاہ نے جونپور کے کوتوال کو لکھا کہ حسن خان (برادر محمد شاہ شرقی) اور قطب خان لودی کو قتل کر ڈالو۔ کوتوال نے جواب دیا کہ یہ دونوں بی بی راجی کی پناہ میں ہیں۔ محمد شاہ نے اپنی ماں کو اس فریب سے طلب کیا کہ ملک کا کچھ حصہ حسن خان کے لیے تجویز کر کے اس سے صلح کرا دیجیے۔ ادھر بی بی راجی صلح کرانے کی غرض سے روانہ ہوئی۔ ادھر کوتوال نے حسن خاں کا فیصلہ کر دیا۔ راجی خبر پا کر تعزیت میں مصروف ہوئی تو محمد شاہ نے ماں کو لکھا کہ میں اپنے سب بھائیوں کے حق میں یہی کرنے والا ہوں اس لیے ہر ایک کی تعزیت کے لیے آمادہ رہو۔

چوں کہ محمد شاہ شرقی کی قہاری کے سبب تمام امرائے سلطنت بیزار ہو رہے تھے۔ ایک دن شہزادہ حسین خاں (برادر محمد شاہ شرقی) نے سلطان

شہ و جلال خان اجودھنی کے مشورے سے محمد شاہ کو یہ فریب دیا کہ سلطان بہلول کا لشکر شب خون کے ارادے سے ادھر آرہا ہے۔ اس کو سرِ راہ روکنا چاہیے۔ اس حیلے سے شہزادہ حسین نے تیس ہزار سوار اور تیس زنجیر فیل لے کر محمد شاہ سے علیحدگی اختیار کی اور ایک جھرنے کے قریب ٹھیر کر شہزادہ جلال خاں کو کہلا بھیجا کہ میں تمھارا منتظر ہوں۔ جلد آکر ہمراہ ہو جاؤ۔ اس اثنا میں سلطان بہلول نے ایک لشکر شہزادہ حسین کے مقابلے کو روانہ کیا۔ اس لیے سلطان شہ نے شہزادہ حسین خاں کو صلاح دی کہ یہاں ٹھیرنا مناسب نہیں۔ شہزادہ جلال آکر خود ہمراہ ہو جائے گا۔ حسین خاں کے کوچ کرتے ہی بہلول کا لشکر اس جگہ پہنچ گیا۔ شہزادہ جلال جب ادھر آیا۔ اچانک بہلول کی قید میں آگیا اور بہلول نے قطب خاں کے عوض میں اس کی گرفتاری کو غنیمت سمجھا۔ اب محمد شاہ کو بہلول کے مقابلے کی تاب نہ رہی تھی۔ اس لیے اس نے قنوج کی راہ لی۔ بہلول نے تعاقب کرکے کچھ مال و اسباب اس کا چھین لیا۔

شہزادہ حسین خان نے اپنی ماں راجی کے پاس پہنچ کر امرا کے اتفاق سے تخت پر جلوس کیا اور ملک مبارک گنگ و ملک علی گجراتی وغیرہ امرا کو اپنے بھائی محمد شاہ کے مقابلے کے لیے گنگا کے کنارے مقام راج گڑھ کی طرف روانہ کیا۔ اس وقت قریب قریب تمام امرا نے محمد شاہ کی رفاقت ترک کی۔ عالمِ بے چارگی و بے کسی میں اس نے صرف چند سواروں کے ساتھ ایک باغ میں پناہ لی۔ امرائے حسین شاہ نے باغ کا محاصرہ کیا اور محمد شاہ تنہا مقابلے کو مستعد تھا۔ لیکن اس کے سلاح دار نے بی بی راجی کی سازش سے ترکش کے تمام تیروں سے پیکان نکال لیے تھے۔ اس پر بھی اس نے تلوار سے چند آدمیوں کو ہلاک کیا۔ آخر مبارک گنگ نے اس کے گلے پر ایک تیر ایسا مارا کہ گھوڑے

سے گرتے ہی ڈھیر ہو گیا[1]

---

(۶) حسین شاہ شرقی[2] ۸۶۳ھ تا ۸۹۴ھ (۱۴۸۹-۵۸ء)

حسین شاہ نے تخت نشین ہو کر سلطان بہلول سے چار برس کے لیے اس شرط پر صلح کرلی کہ ہر ایک اپنے اپنے سابق مقبوضات پر قابض رہے۔ اس کے بعد حسین شاہ نے قطب خان لودی کو اور بہلول نے جلال خان کو رہا کر دیا۔ اسی اثنا میں سلطان علاء الدین عالم شاہ (پسر نبیرۂ خضر خاں) نے بداؤن میں انتقال کیا۔ حسین شاہ تعزیت کو اٹاوے سے بداؤن پہنچا۔ اور مراسمِ تعزیت ادا کرنے کے بعد علاء الدین عالم شاہ کے بیٹے کو بداؤن سے بے دخل کر کے خود قابض ہو گیا۔ اور وہاں سے سنبل جاکر مبارک خاں پسر تاتار خاں کو قید کر کے سارن روانہ کیا۔ اور خود دریائے جمنا کے کنارے آکر خیمہ زن[3] ہوا۔ سلطان بہلول اس کے مقابلے کو سرہند سے دہلی آیا۔ کچھ مدت تک طرفین سے جنگ ہوتی رہی اور اکثر معرکوں میں حسین شاہ غالب رہا۔ آخر الامر قطب خاں نے کہلایا کہ میں بی بی راجی کا ممنون احسان ہوں، بہتر ہے کہ صلح کرلی جائے۔ حسین شاہ نے صلح کے اعتماد پر جنگ موقوف کر کے کوچ کیا لیکن

---

[1] طبقات اکبری جلد اوّل صفحہ ۳۰۲ تا ۳۰۶۔

[2] سی۔ جی۔ براؤن صاحب اپنی کتاب کوائنس آف انڈیا صفحہ ۸۵ میں لکھتے ہیں کہ ۸۸۱ھ (۱۴۷۶ء) میں بہلول لودی نے حسین شاہ شرقی کو جونپور سے بے دخل کیا لیکن اس کے بعد تیس برس تک حسین شاہ کے سکے جاری رہے اور بار بک بہلول نے بھی سکے جاری کیے۔

[3] طبقات اکبری جلد اوّل صفحہ ۳۰۹ میں اس واقعے کی تاریخ ذی الحجہ ۸۶۳ھ لکھی ہے۔

بہلول نے تعاقب کرکے اچانک حسین شاہ کے خزانے پر قبضہ کر لیا۔ اور بعض امرائے نامی مثل قاضی سماء الدین قتلغ خاں کو بھی گرفتار کر لیا۔ حسین شاہ کے بعض پرگنات بھی بہلول کے قبضے میں آ گئے تھے۔ اس لیے حسین شاہ نے مجبوراً مقابلے پر کمر باندھی۔ آخر موضع آرام مجبور میں سخت جنگ ہونے کے بعد ایک طور کی صلح ہو گئی۔

لیکن اس کے بعد حسین شاہ لشکر فراہم کر کے یکایک بہلول کے سر پر آ پہنچا۔ موضع سونہار کے پاس سخت لڑائی ہوئی اور حسین شاہ نے ایسی شکست کھائی کہ اس کا خزانہ لودیوں کے ہاتھ لگا۔ حسین شاہ نے کسی طرح رابری پہنچ کر پھر جنگ کا تہیہ کیا۔ اس دفعہ دھوپامو میں بہلول کی فوج سے مقابلہ ہوا۔ حسین شاہ نے پھر ایسی سخت ہزیمت اٹھائی کہ جمنا کو عبور کرتے وقت اس کے اہل و عیال میں بھی بعض لوگ ہلاک ہوئے۔ آخر اس نے گوالیار کی طرف آکر وہاں سے راجا کیرت سنگھ کو ہمراہ لیا اور کالپی پہنچا۔

اس اثنا میں سلطان بہلول نے اٹاوہ پہنچ کر ابراہیم خاں برادر حسین شاہ کو شکست دی اور اس علاقے کو ابراہیم خاں پسر مبارک خاں لوحانی کے سپرد کیا۔ اور بڑے سامان کے ساتھ حسین شاہ کے مقابلے کو روانہ ہوا۔ موضع راکانو (از توابع کالپی) میں سخت جنگ واقع ہوئی۔

اسی زمانے میں رائے تلوک چند حاکم ولایت بکسر[۱] بہلول کے پاس پہنچا۔ اور جس جگہ پر ندی پایاب تھی بہلول کو لے جا کر پار کیا۔ اس وقت حسین شاہ

---

[۱] طبقاتِ اکبری جلد اوّل صفحہ ۳۱۰ میں ہنٹر صاحب کے امپیریل گزیٹر صفحہ ۵۰۴ کے حوالے سے ڈے صاحب نے جلد اوّل کے انگریزی ترجمے کے نوٹ میں اس بکسر اور بھیٹہ کو کانپور کے قریب بتایا ہے۔

ولایت بھٹہ میں چلا آیا تھا۔ بھٹہ کے راجا نے چند لاکھ ٹنکہ اور اسپ و فیل بطور پیش کش دے کر جونپور تک کچھ فوج بھی حسین شاہ کے ساتھ کر دی۔ اس کے بعد ہی بہلول نے جونپور پر چڑھائی کا قصد کیا۔ لیکن حسین شاہ کے (بہرائچ کی راہ سے) قنوج جانے پر اس نے بھی قنوج جانے کا قصد کیا۔ آبِ رہت کے کنارے مقابلہ ہونے پر حسین شاہ نے پھر شکست کھائی۔ اور اس دفعہ اس کی حرم بی بی خونزا[1] جو علاء الدین عالم شاہ کی لڑکی تھی، بہلول کی قید میں آگئی۔ بہلول نے اس کو عزت و حرمت کے ساتھ حسین شاہ کے پاس بھیج دیا۔ اس کے بعد ہی بہلول نے جونپور فتح کر کے مبارک خاں لوحانی کے سپرد کیا اور قطب خاں لودی و خان جہان وغیرہ بعض امرا کو مجھولی میں چھوڑ کر خود بداؤں کی طرف روانہ ہوا۔ حسین شاہ نے موقع پا کر جونپور پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ امرائے بہلول پس پا ہو کر مجھولی چلے آئے اور کمک کے انتظار میں حسین شاہ سے زمانہ سازی کرتے رہے۔ سلطان بہلول نے اپنے بیٹے باربک شاہ کو ان کی کمک کے لیے روانہ کیا۔ اور خود بھی جونپور کی طرف متوجہ ہوا۔ حسین شاہ گھبرا کر بہار کی طرف چلا آیا۔ اسی اثنا میں قطب خاں لودی کا انتقال ہو گیا اور بہلول نے پھر جونپور پر قبضہ کر کے اپنے بیٹے باربک کو تخت نشین کیا۔[2]

۸۹۴ھ میں سلطان بہلول لودی نے پرگنہ سکیت میں انتقال کیا اور اس کا بیٹا نظام خاں المعروف بہ سلطان سکندر لودی بادشاہ ہوا۔ بہلول کے

---

[1] معلوم نہیں خونزا کیا نام ہے۔ اصل عبارت طبقات اکبری جلد اول صفحہ ۳۱۳ میں یہی نام ہے۔ دکن کی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان مرتضیٰ شاہ نظام الملک بحری (۹۷۳ھ تا ۹۹۵ھ) کی ماں کا بھی یہی نام تھا۔

[2] طبقات اکبری جلد اول صفحہ ۳۱۳۔

امرا میں حسن قرملی ضلع سارن کا حاکم مقرر ہوا۔[۵] غالباً اسی زمانے میں حسین شاہ نے اڑیسہ فتح کیا۔

---

(۷) حسین شاہ شرقی اور سکندر لودی ۸۹۴ھ تا ۹۰۱ھ

سکندر لودی نے اوّل اپنے بھائی باربک پر فوج کشی کر کے اس کو مطیع کیا اور اس کو جونپور کی حکومت پر بحال رکھ کر اور پرگنات دوسرے امرا کے سپرد کیے۔ ۸۹۷ھ کے قریب جونپور کے اطراف میں زمین داروں نے ایک لاکھ پیادے اور سوار فراہم کر کے شیر خاں برادرِ مبارک خاں لوحانی کو مار ڈالا۔ اتفاقاً مبارک خان بھی مقام جھوسی میں ملاحوں کے ہاتھ گرفتار ہو گیا تھا۔ راجا بھیڈ نے اس کو اپنے پاس قید کر لیا۔[۶] باربک شاہ زمینداروں کا غلبہ دیکھ کر جونپور سے محمد قرملی عرف کالا پہاڑ کے پاس دریاباد چلا گیا۔ جب سکندر لودی نے ادھر کا رُخ کیا۔ راجا بھیڈ نے مبارک خاں کو اس کے پاس بھیج دیا۔ سکندر لودی نے جونپور کو پھر باربک شاہ کے حوالے کیا۔ لیکن باربک زمین داروں کے غلبے کے سبب جونپور میں قدم نہ جما سکا۔ اس لیے محمد قرملی و اعظم ہمایوں و خان خانانِ لوحانی نے اودھ سے اور مبارک خاں نے آگرے سے جونپور آ کر باربک کو قید کر کے سکندر لودی کے پاس بھیج دیا۔ سکندر لودی نے اس کو ہیبت خان و عمر خان شروانی کے سپرد کیا اور خود جونپور سے چنار کی طرف روانہ ہوا۔ حسین شاہ کے بعض امرا جو اس جگہ موجود

---

[۵] صفحہ ۲۱۵۔ [۶] طبقات اکبری جلد اوّل صفحہ ۳۱۷ میں راجا بھیڈ راجا پٹنہ لکھا ہے۔ فرشتہ میں بھیڈ کو بلبھدر لکھا ہے۔ پٹنہ کو بعض لوگوں نے پنہ قیاس کیا ہے۔

تھے، شکست کھا کر قلعے میں متحصن ہوئے۔ سلطان سکندر اس قلعے کو چھوڑ کر کنتت[1] کی طرف روانہ ہوا۔ اس وقت راجا بھیٹہ نے سلطان سے ملاقات کی۔ سلطان کنتت کو اس کے دخل میں چھوڑ کر خود اریل[2] کی طرف چلا آیا۔ لیکن اس اثنا میں راجا بھیڈ کسی سبب سے متوہم ہو کر پٹنہ کی طرف بھاگ گیا۔ سلطان سکندر نے اس کا سارا مال و اسباب اس کے پاس بھجوا دیا اور خود اریل سے کٹرہ ہوتا ہوا دلمؤ آ کر شیر خاں برادرِ مبارک خاں لوحانی کی بیوہ کو اپنے عقد میں لایا۔

۹۰۰ھ میں سلطان سکندر لودی نے راجا بھیڈ کی سزا دہی کے لیے پٹنہ کا عزم کیا۔ اور اثنا راہ میں بعض سرکشوں اور متمردوں کو قتل و اسیر کرتا ہوا کھاران گھاٹ پہنچا۔ یہاں نرسنگہ پسر راجا پٹنہ نے مقابل ہو کر جنگ کی لیکن شکست کھا کر پٹنہ واپس گیا۔ سلطان سکندر بھی متعاقب پٹنہ پہنچا۔ نرسنگ سرگجہ کی طرف بھاگ کر اثنا راہ میں مر گیا۔ اس لیے سلطان سکندر سرگجہ سے سنڈہ[3] چلا آیا۔ چوں کہ افیون کو گنار نمک اور روغن نہایت گراں اور کم یاب تھا سلطان کو یہاں ٹھیرنا دشوار ہو گیا۔ مجبوراً جونپور واپس جانا پڑا۔ اس سفر میں اس کی فوج نے بے حد مشقت اٹھائی اور نوّے فی صدی کے قریب گھوڑے اور لوازمات بھی ضائع ہو گئے تھے۔ رائے لکھن چند پسر راجا بھیڈ اور بعض زمین داروں نے سلطان حسین کو خبر دی کہ سکندر لودی کی فوج تباہ حال ہے۔ اس وقت اس کو شکست دینا بہت آسان ہے۔ سلطان حسین ایک لشکرِ گراں فراہم کر کے ۱۰۰ زنجیر فیل لے کر صوبہ بہار سے مقابلے کو روانہ ہوا۔ اس عرصے میں سلطان سکندر کنتت

---

[1] طبقات اکبری میں "کنتت کہ از مضافات پٹنہ لکھا ہے۔ دیکھو طبقات اکبری جلد اول ص ۳۱۸

[2] بداؤنی جلد ۱ صفحہ ۳۱۵ میں اریل کو الٰہ آباد کے قریب بتایا ہے۔

[3] طبقات اکبری صفحہ ۳۱۹ سنارہ از اعمال پٹنہ لکھا ہے۔ ضلع پٹنہ میں پرگنہ سانڈہ مشہور ہے۔

کے پاس گنگا کو عبور کر کے چنار ہو کر بنارس پہنچ گیا تھا۔ اور خان خانان کو روانہ کیا تھا کہ دلاسا دے کر راجا بھیڈ کو بھی لے آئے۔ سلطان حسین کا لشکر بنارس سے اٹھارہ کوس پر پہنچا تو سلطان سکندر نے پیش قدمی کر کے مقابلہ کیا۔ اس اثنا میں راجا سالباہن بھی آملا تھا۔ حسین شاہ حسبِ عادت پھر شکست کھا کر پٹنہ واپس آیا۔ اس دفعہ سکندر لودی نے ایک لاکھ سوار فراہم کر کے تعاقب کیا۔ راہ میں معلوم ہوا کہ سلطان حسین نے بہار واپس آکر ملک کندو کو حصار بہار کی حفاظت سپرد کر کے خود کھل گانو کی راہ لی۔ سکندر لودی نے مقام دریو بار سے ملک کندو کے مقابلے کو ایک فوج متعین کی۔ اس کے پہنچتے ہی ملک کندو نے فرار کیا اور سکندر لودی کے گماشتوں نے بلا مزاحمت بہار پر قبضہ کر لیا[1]

سکندر لودی نے محبت خان اور بعض امرا کو بہار میں چھوڑ کر خود درویش پور میں قیام کیا۔ اور خان خانان اور خان جہان لودی کو فوج کی نگہبانی سپرد کر کے یہاں سے ترہت کا رخ کیا۔ ترہت کے راجا نے اطاعت قبول کر کے چند لاکھ روپے ٹنکہ اخراج دینا منظور کیا۔ لہذا مبارک خان لوہانی کو اس کی وصولی کے لیے تعینات کر کے سکندر لودی پھر درویش پور واپس چلا آیا[2]

۱۸ شوال ۹۰۰ھ کو خان جہان لودی نے انتقال کیا۔ سلطان سکندر نے اس کے بڑے بیٹے احمد خان کو اعظم ہمایوں کا خطاب عطا کیا۔ اس کے بعد خود بہار آکر شیخ شرف الدین منیری کے مزار کی زیارت کی۔ اور فقرا و ساکین کو بہت سا انعام دے کر درویش پور میں قیام کیا۔ چوں کہ سلطان علاء الدین حسین والیِ

---

[1] طبقات اکبری جلد اول صفحہ ۳۱۹ میں سالباہن پسر راجا بھیڈ اور تاریخ بداؤنی میں راجا پٹنہ لکھا ہے۔ الیٹ صاحب کی تاریخ جلد پنجم صفحہ ۹۳ میں تاریخ خان جہان لودی کے ترجمے میں بجائے پٹنہ کے پنہ لکھا ہے۔ [2] طبقات اکبری جلد اول صفحہ ۳۲۰۔

بنگالہ نے سلطان حسین شرقی کو پناہ دی تھی، سکندر لودی نے سلطان بنگالہ سے جنگ کا عزم کیا۔ سکندر لودی تغلق پور[1] پہنچا تو معلوم ہوا کہ سلطان بنگالہ نے اپنے بیٹے شہزادہ دانیال کو مقابلے کے لیے روانہ کیا ہے۔ سلطان سکندر نے بھی محمود خان لودی اور مبارک خان لوحانی کو جنگ کے لیے تعینات کیا۔ لیکن باڑہ پہنچ کر طرفین سے صلح کی گفتگو چھڑ گئی۔ اور بالآخر یہ صلح قرار پائی کہ سلطان سکندر سلطانِ بنگالہ کی مملکت میں داخل نہ ہو۔ اور سلطانِ بنگالہ سلطان سکندر کے مفتوحہ ممالک (یعنی بہار و ترہت و سارن) سے کوئی سروکار نہ رکھے۔ صلح کے بعد محمود خان و مبارک خان واپس آئے۔ لیکن پٹنہ پہنچ کر مبارک خاں لوحانی نے انتقال کیا۔ سلطان سکندر نے تغلق پور سے درویش پور آکر چند مہینے قیام کیا اور اس علاقے کو اعظم ہمایوں کے سپرد کیا۔ اور صوبۂ بہار کی حکومت دریا خان پسر مبارک خاں لوحانی کو تفویض کیا۔

---

(۸) زکوٰۃ اور زیارتِ مزار کے متعلق سکندر لودی کا حکم

غالباً ۹۰۲ھ کے قریب تمام مُلک میں غلّے کا قحط ہوا۔ سکندر لودی نے رفاہِ عام کے خیال سے حکم جاری کیا کہ غلّے کی زکوٰۃ موقوف کی جائے[2] اسی زمانے سے صوبۂ بہار اور تمام ہندستان میں باوجود قحط نہ ہونے کے بھی غلّے کی زکوٰۃ بالکل موقوف ہوگئی۔ اُسی سال سکندر لودی نے عورتوں کو مزارات پر جانے کی سخت ممانعت کی تھی[3]

---

[1] طبقات اکبری میں تغلق پور از اعمال بہار لکھا ہے۔ [2] طبقات اکبری جلد اوّل صفحہ ۳۲۰
[3] تاریخ فرشتہ جلد اوّل صفحہ ۳۶۲۔

(۹) حسین شاہ شرقی کا باقی حال

حسین شاہ شرقی نے اس کے بعد سلطنت کی ہوس نہ کی۔ تاریخ آئینہ اودھ (صفحہ ۱۹۱) میں مذکور ہے کہ ۸۹۵ھ میں حسین شاہ نے سکندر لودی پر شب خون مارا اور اس کے بعد ۹۰۵ھ میں سکندر لودی نے جونپور میں سلاطین شرقیہ کی تمام عمارتیں اور مقبرے مسمار کرادیے۔ علما کے کہنے سے صرف مسجدیں سلامت چھوڑ دی گئیں۔

سلطان حسین نے باقی عمر اپنے ہم نام سلطان علاء الدین حسین والی بنگالہ کی رفاقت میں بسر کی اور اپنے بیٹے جلال الدین کے پاس، جو شاہ بنگالہ کا داماد تھا انتقال کیا۔ جلال الدین نے باپ کی لاش کو جونپور بھیج کر صحنِ خانقاہ جامع مسجد میں دفن کرایا۔ جب خود جلال الدین مرا تو اس کی لاش بھی اس کے بیٹے محمود نے حسین شاہ کی قبر کے پہلو میں دفن کرائی۔ (آئینۂ اودھ صفحہ ۱۹۱)

---

(۱۰) سکندر لودی کے زمانے کے بعض قابلِ ذکر واقعات

۹۰۱ھ میں سکندر لودی نے قصبہ سارن جاکر بعض پرگنات کو زمینداروں کے قبضے سے نکال کے اپنے معتمدوں کے سپرد کیا اور خود مہلی گر کی راہ سے جونپور واپس گیا[1]۔

۹۱۵ھ میں سلطان سکندر نے حسین قرملی ضابطہ قصبہ سارن سے بدظن ہوکر حاجی سارنگ کو اس کی گرفتاری کے لیے تعینات کیا۔ حسین قرملی اس کی خبر

---

[1] طبقات اکبری جلد اوّل صفحہ ۳۲۱۔

پاکر چند رفقا کے ساتھ سلطان حسین والیٔ بنگالہ کی پناہ میں لکھنوتی کی طرف چلا گیا[1]

بداؤنی لکھتا ہو کہ ۳ صفر ۹۱۱ھ کو سارے ہندستان میں ایسا شدید زلزلہ آیا کہ بڑی بڑی مستحکم عمارتیں گر پڑیں اور زمینیں شق ہوکر سوراخ پیدا ہو گئے اور درخت اپنی جگہ پر قائم نہ رہے۔ واقعات بابری اور دوسری تاریخوں سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ زلزلہ ہندستان تک محدود نہ تھا بلکہ دوسری ولایات میں بھی شدت سے واقع ہوُا۔ اس کی تاریخ حسب ذیل ہو۔

در نہ صد واحدی عشر از زلزلہا ۔ گردید سواد اگرہ چوں مرجلہا
باآنکہ بنا ہاش بسے عالی بود ۔ از زلزلہ شد عالیہا سافلہا

باب یازدہم

صوبۂ بہار میں پٹھانوں کی حکومت

(۱) پٹھان کی وجہ تسمیہ

تاریخ فرشتہ جلد اوّل صفحہ ۲۵ میں لکھا ہو کہ افغان جب اوّل اوّل ہندستان آئے تو پٹنہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ اسی سبب سے خود کو پٹھان کہنے لگے۔ پٹن اور پٹنہ کے معنی شہر کے ہیں۔ اس لیے راقم کے خیال میں

---

[1] طبقاتِ اکبری جلد اوّل صفحہ ۳۳۲۔

کچھ ضرور نہیں کہ پٹنہ سے صوبہ بہار کا شہر پٹنہ مراد ہو۔ عجیب بات یہ ہے کہ بنگالے کے اکثر دیہاتوں میں اور تمام اڑیسہ میں مسلمانوں کو پٹھان کہتے ہیں۔ عام اس سے کہ اس کی قومیت کچھ ہو۔ لودی اور سور قبیلوں کی وجہ تسمیہ کے متعلق فرشتہ لکھتا ہے کہ خالد بن عبداللہ کامل کی حکومت میں ایک شخص اپنے عہدے سے معزول ہو کر مع اہل و عیال کوہ سلیمان میں مقیم ہوا اور اپنی لڑکی کی شادی ایک نومسلم افغان سے کردی۔ اسی کی اولاد میں لودی اور سور نامی دو لڑکے تھے جن سے یہ دونوں قبیلے مشہور ہیں۔ کتاب مخزنِ افغانی میں اس کے متعلق کچھ اور روایت ہے۔ اور غزوہ مکہ معظمہ کے واقعات تک سلسلہ ملایا ہے۔ پختو زبان میں لودی کے معنی بزرگ کے ہیں۔

بہرحال ان دونوں قبیلوں میں بہلول لودی اور شیر شاہ سوری اور اور ان کی اولادوں نے ہندستان میں سلطنت کی۔

---

(۲) دریا خان لوحانی ۹۰۲ھ تا ۹۲۴ھ (۱۴۹۵ء تا ۱۵۱۷ء)

مبارک خاں لوحانی کے مرنے پر اس کی خدمات کے صلے میں سکندر لودی نے دریا خان پسر مبارک خان لوحانی کو صوبہ بہار کی حکومت تفویض کی۔ ۹۲۳ھ میں سکندر لودی کے مرنے پر ابراہیم لودی بادشاہ ہوا۔ اس وقت امرائے ذی اقتدار کی صلاح سے یہ امر طے پایا کہ سلطان ابراہیم سرحد جونپور تک فرماں روا رہے۔ اور اس طرف ممالک شرقی میں جلال خان (برادر ابراہیم لودی) حکمرانی کرے۔ لیکن خان جہان لوہانی نے وزرا کو سخت ملامت کی کہ حکومت کو مشترک ٹھیرانا سخت غلطی ہے۔ ارکان دولت نے تلافی مافات کے لیے جلال خان کو حیلے سے دہلی بلوانا چاہا

لیکن وہ نہ آیا۔ تب انھوں نے تمام امرا اور حکام کو جن میں دریاخاں حاکم ولایت بہار سب سے زیادہ ذی اقتدار تھا اور تیس چالیس ہزار ملازم رکھتا تھا جلال خان کی اطاعت سے باز رکھا۔ جلال خان نے اوّل جونپور کو چھوڑ کر کالپی میں اپنے نام سے خطبہ و سکہ جاری کیا۔ لیکن بالآخر محض جاگیردار ہو کر کالپی میں رہنے کو غنیمت سمجھا۔ اسی زمانے میں بانگرمئو اور قنوج کی طرف اقبال خان نے بغاوت کی۔ سلطان ابراہیم لودی نے دریاخان حاکم بہار کو بھی باغیوں کے مقابلے کے لیے لکھا۔ دریاخان نے باغیوں سے مقابلہ کر کے سعید خاں لودی کو گرفتار کیا اور سلطان ابراہیم لودی کو فتح ہوئی۔ لیکن اس وقت میں تمام امرا باغی اور خودسر ہو گئے تھے۔ زمانے کی ہوا کو دیکھ کر بہار میں دریاخان کو بھی جوش آ گیا اور خود مختار ہو کر حکومت کرنے لگا۔ دولت خاں نے سلطان ابراہیم سے متوہم ہو کر بابر شاہ کو ہندستان فتح کرنے کی دعوت دی۔ لیکن بابر کے آنے سے پہلے ہی دولت خاں مر گیا اور اسی زمانے میں دریاخان نے بھی انتقال کیا۔[1]

---

(۳) بہادر خان لوحانی ملقب بہ محمد شاہ ۹۲۴ھ تا ۹۳۷ھ

(۱۵۱۷ - ۱۵۳۱ء)

دریاخان کے مرنے پر اس کا بیٹا بہادر خاں حاکم ہوا۔ اس زمانے میں اکثر امرا مثل خان جہان لودی حسن قرملی ضابط قصبہ سارن و نصیر خاں لوحانی حاکمِ غازی پور باغی ہو کر بہادر خان سے مل گئے جس سے تقریباً ایک لاکھ کی جمعیت فراہم ہو گئی۔ بہادر خان نے علی الاعلان خودسری اختیار کی اور اپنا لقب

محمد شاہ رکھ کر خطبہ و سکہ جاری کیا[۱]۔ بہادر خاں (محمد شاہ) کے زمانے میں ۹۳۵ھ میں بابر نے صوبۂ بہار پر فوج کشی کی جو آیندہ سطروں میں مذکور ہوگی۔ محمد شاہ نے ۹۳۷ھ میں انتقال کیا۔

---

(۴) ظہیر الدین بابر شاہ کی آمد اور جنگ ۹۳۵ھ (۱۵۲۹ء)

۹۳۴ھ میں بابر شاہ نے پانی پت کی جنگ میں سلطان ابراہیم لودی کو شکست فاش دے کر ہندستان کی سلطنت حاصل کی۔ ۹۳۵ھ کے کے قریب بابر کو معلوم ہوا کہ صوبہ بہار و پٹنہ کے پٹھانوں نے محمود لودی برادر ابراہیم لودی کو بادشاہ بنا کر ایک جمعیت فراہم کر لی ہے اور جنگ کے تہیہ میں ہیں۔ بابر نے مرزا عسکری کو ایک فوج کے ساتھ ادھر روانہ کیا اور چند دنوں کے بعد ۱۷ جمادی الاوّل کو خود بھی روانہ ہوا۔ جمنا کو عبور کرنے پر نصرت شاہ والی بنگالہ کا ایلچی بعض تحائف لے کر اظہارِ اطاعت کو حاضر ہوا۔ گھاگھرا ندی کے قریب پہنچنے پر بابر نے حکم دیا کہ مرزا عسکری کی فوج دوسرے کنارے پر ٹھیرے۔ پٹھانوں نے خبر پا کر ایک لشکر کے ساتھ دھاوا کیا۔ بابر نے کوئی اسّی سواروں سے ان کا مقابلہ کیا۔ اور اسی وقت مرزا عسکری کی فوج بھی کمک میں آگئی اور پٹھانوں نے فرار کیا یہ معرکہ گھاگھرا اور گنگا ندی کے کنارے پیش آیا۔ بابر نے اس فتح کے بعد صوبۂ بہار کا بندوبست مرزا محمد زمان کو سپرد کیا۔ اور خود منیر میں قیام کر کے

---

[۱] طبقات اکبری صفحہ ۳۴۶۔ تاریخ فرشتہ جلد اوّل صفحہ ۲۶۱، اور اکبر نامہ جلد اوّل صفحہ ۱۲۱ وغیرہ میں بھی یہ روایت ہے۔

[۲] تاریخ فرشتہ جلد اوّل صفحہ ۲۰۴ اور تاریخوں مثلاً اکبر نامہ وغیرہ میں بھی یہی ہے۔

مخدوم یحییٰ منیری کے مزار کی زیارت کی اور مسجد میں نماز ادا کر کے بہت سی خیرات کی۔ اور بہیہ و بھوج پور ہو کر پانچویں رمضان کو آگرہ واپس گیا۔ بہادر خان (محمد شاہ) نے اس کی واپسی کو بہت غنیمت سمجھا ہوگا۔

---

(۵) جلال خان لوحانی ۹۳۷ھ تا ۹۴۴ھ (۳۱-۱۵۳۹ء)

محمد شاہ کے مرنے پر اس کا بیٹا جلال خاں اس کا جانشین ہوا۔ اس کی کم سنی کے سبب اس کی ماں ملکہ لاڈو فرید خاں (شیر شاہ) کی مشورت سے حکومت کا انتظام کرتی تھی۔ فرید خاں محمد شاہ کے وقت سے جلال خاں کا اتالیق تھا۔ کچھ دنوں کے ملکہ لاڈو بھی مر گئی۔ اور فرید خاں جلال خاں کو وجود معطل بنا کر خود حکومت کرنے لگا۔ جلال خاں کی حکومت حقیقتاً شیر شاہ کی بادشاہت تھی۔ اس لیے باقی حالات شیر شاہ کی حکومت کے سلسلے میں بیان کیے جائیں گے۔

---

(۶) فرید خاں ملقب بہ شیر شاہ ۹۳۲ھ تا ۹۵۲ھ (۴۶-۱۵۴۷ء)

اس ذی لیاقت پٹھان کی بدولت صوبہ بہار کو یہ فخر حاصل ہے کہ یہاں کا ایک باشندہ معمولی جاگیر دار کی حیثیت سے ترقی کر کے سارے ہندستان کا بادشاہ ہوا۔

فرید الدین خاں بن حسن سور قصبہ سہسرام کا رہنے والا تھا۔ حسن سور کا

لہ اکبر نامہ صفحہ ۱۲۹۔ تاریخ فرشتہ صفحہ ۲۰۱ جلد ا میں بابر شاہ کا منیر میں قیام کرنا صریح طور پر مذکور ہے۔

کا باپ ابراہیم سور اول اول ولایت روہ سے (قندھار کے قریب) ہندستان آکر سلطان بہلول لودی کے ایک سردار کا ملازم ہوا[۱]۔ سکندر لودی کے عہد میں جمال خاں حاکم جونپور نے حسن سُور کو منصب پانصدی اور سہسرام اور خواص پور ٹانڈہ میں جاگیریں عطا کیں۔ حسن سُور نے فرید خان کی ماں کے علاوہ ایک کنیز سے بھی شادی کرلی تھی۔ خانگی معاملات کی بے لطفی کے سبب فرید خاں گھر سے بیزار ہوکر جونپور چلا گیا۔ اور تحصیل علم میں مشغول ہوکر گلستاں و بوستاں و سکندر نامے کافیہ مع حواشی اور بعض کتب سیر و تواریخ کے درس سے فارغ ہوا۔ دو تین سال کے بعد اتفاقاً حسن سُور جونپور آیا۔ اس وقت بعض قرابت مندوں نے فرید خاں کو باپ سے ملایا اور باپ نے خوش ہوکر جاگیر کا انتظام فرید خان کے سپرد کیا۔ تھوڑی ہی مدت میں فرید خاں سرکش زمینداروں کو سرکر کے رعب و اقتدار قائم کرلیا۔ لیکن اس کے بعد ہی حسن سُور نے بعض وجوہ سے جاگیر کا انتظام بجائے فرید خاں کے اس کے سوتیلے بھائیوں (یعنی سلیمان و احمد) کے سپرد کردیا۔ فرید خاں آزردہ ہوکر آگرہ چلا گیا اور سلطان سکندر لودی کے ایک امیر کبیر دولت خان لودی کی ملازمت میں بسر کرنے لگا۔ اور اسی کی سفارش سے باپ کی جاگیر اپنے نام منتقل ہونے کی سلطان سے درخواست کی۔ سلطان سکندر لودی نے جاگیر منتقل نہ کی بلکہ یہ جواب دیا کہ جو شخص باپ سے گلہ رکھتا ہو وہ بد ہے لیکن حسن سور کے مرنے پر ابراہیم لودی نے جاگیر فرید خان کے نام منتقل کردی۔ فرید خاں نے جاگیر پر قبضہ کیا۔ لیکن ابھی اس کو پورا اطمینان نہ ہونے پایا تھا کہ ۹۳۲ھ (۱۵۲۶ء) میں لودیوں کی بساط الٹ گئی۔ اور سلطان ابراہیم لودی کے منہزم اور مقتول ہونے پر بابر شاہ بادشاہ ہوا۔ فرید خاں نے

---

[۱] طبقات اکبری مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگالہ جلد دوم صفحہ ۸۶

متفکر ہو کر بہادر خان لوحانی ملقب بہ محمد شاہ حاکم بہار کا سہارا پکڑا اور اس
کے کم سن بیٹے جلال خاں کا اتالیق مقرر ہو گیا۔ اسی محمد شاہ کی ملازمت میں
فرید خاں نے ایک شیر کو شمشیر سے ہلاک کر کے شیر خاں کا لقب حاصل کیا۔

مغلوں کے آنے سے تمام ملک میں ہل چل مچی ہوئی تھی۔ شیر خاں اپنی
جاگیر کے بندوبست کا حیلہ کر کے کچھ دنوں کی رخصت پر سہسرام چلا گیا اور
بعد انقضائے میعاد واپس نہ آیا۔ اس وقت محمد خان سور حاکم جونپور نے (جو
شیر خاں کا مخالف اور اس کے سوتیلے بھائیوں کا طرف دار تھا) محمد شاہ حاکم
بہار سے شکایت کی کہ شیر خاں بڑا مکار ہے۔ وہ محمود لودی پسر سکندر لودی کے
آنے کا منتظر ہے، بہتر ہے کہ اس کی جاگیر اس کے بھائی سلیمان اور احمد کو دے
دی جائے۔ محمد شاہ نے بلا سبب تغیر جاگیر کو مناسب نہ سمجھا لیکن بالآخر سہام
شرعی کے مطابق تقسیم جائداد کی اجازت دے دی۔ محمد خان سور نے اپنے
غلام شادی نامی کو تقسیم جاگیر کے لیے سہسرام بھیجا۔ شیر خاں نے جواب دیا کہ
مجھ کو ترک دینے میں عذر نہیں لیکن جاگیر شاہی فرمان سے حاصل ہوئی ہے
اور حکومت میں شرکت نہیں ہوتی۔ محمد خان سور نے برہم ہو کر سپاہیوں کو متعین
کیا کہ خواص پور ٹانڈہ کی جاگیر بزور شمشیر سلیمان کو دے دی جائے۔ شیر خاں
ہراساں ہو کر سلطان جنید برلاس کے پاس (جو بابر کی طرف سے کٹرہ مانک پور
کا حاکم تھا) چلا گیا اور اس کی مدد سے پھر اپنی جاگیر پر قابض ہوا۔

محمد خان سور نے ہزیمت اٹھا کر رہتاس کے پہاڑوں میں پناہ لی لیکن
شیر خاں نے از راہ شرافت اس کو کہلا بھیجا کہ میں آپ کو چچا کی جگہ پر سمجھتا ہوں۔
مجھے اپنی جاگیر سے غرض تھی۔ آپ سے کچھ پرخاش نہیں۔

شیر خاں جاگیر پر قابض ہو کر جنید برلاس کی ملازمت میں رہنے لگا۔

اس نے مغلوں کے طور طریقے دیکھ کر اپنے مطلب کی بہت سی باتیں حاصل کر لیں۔ انھی دنوں میں اپنے یاروں سے کہا کرتا تھا کہ مغلوں کو ہندستان سے نکال دینا کچھ بڑی بات نہیں۔ ان کا بادشاہ اپنے کاموں میں خود فکر نہیں کرتا اور وزرا پر دارو مدار رکھتا ہے جو اکثر راشی اور ناحق شناس ہیں۔ اگر ہم افغانوں میں آپس کا نفاق مٹ جائے تو بادشاہ ہونا قسمت سے کچھ بعید نہیں۔[1]

جنید برلاس کی معیت میں ایک دن شیر خاں بابر کے دستر خوان پر حاضر ہوا۔ اس روز کھانوں میں استخوان ماہیچہ بھی تھا۔ شیر خاں نے یہ کھانا پہلے کبھی نہ کھایا تھا۔ اس نے جیب سے چاقو نکال کر اس کے ٹکڑے کر ڈالے اور پیالے میں رکھ کر چمچے سے کھانا شروع کیا۔ بابر کی اس پر نظر پڑی تو دریافت کیا کہ یہ پٹھان کون ہے۔ میر امیر خلیفہ سے کہا کہ اس پٹھان کی آنکھوں سے فتنہ ٹپکتا ہے۔ اس سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ یا قید کرنا چاہیے۔[2]

شیر خاں نے متوہم ہو کر آدھی رات کو فرار کیا اور اپنی جاگیر میں آکر جنید برلاس کو لکھ بھیجا کہ محمد خان سور مجھے جاگیر سے بے دخل کرنے کی فکر میں تھا اس لیے بلا رخصت چلا آیا ہوں۔ آپ کچھ اور خیال دل میں نہ لائیے۔ میں آپ کے دولت خواہوں میں ہوں۔

---

[1] طبقات اکبری جلد ۲ صفحہ ۹۳ تاریخ فرشتہ صفحہ ۲۰۲ اور کئی نسخوں میں مذکور ہے۔

[2] طبقات اکبری صفحہ ۹۲، اکبر نامہ صفحہ ۱۶۷ جلد ۱، اور سیر المتاخرین صفحہ ۸۰، وغیرہ تاریخوں میں یہ واقعہ مذکور ہے۔ اس سے بابر کی مردم شناسی کا پتا ملتا ہے کیوں کہ بابر کے بعد اس کے بیٹے ہمایوں کے لیے شیر شاہ سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہ تھا۔ اس قسم کا ایک واقعہ پروفیسر ویمبری کے سفر نامہ میں بھی مذکور ہے۔ ویمبری قسطنطنیہ سے سرحد افغانستان تک سلمان کے بھیس میں پہنچا لیکن دوست محمد خان نے دیکھتے ہی کہا کہ از شما بوئے کفر می آید۔ اور اس کا یورپین عیسائی ہونا معلوم کر لیا۔

بہرکیف شیرخاں مغلوں سے مایوس ہوکر بہار واپس آیا۔ اور بدستور جلال خان پسر محمد شاہ کا اتالیق مقرر ہوگیا۔ ۹۳۷ھ میں محمد شاہ نے انتقال کیا۔ اور جلال خان اس کا جانشین ہوا۔ جلال کی کم سنی کے سبب اس کی ماں ملکہ لاڈو شیرخان کی مشورت سے حکومت کرتی تھی۔ تھوڑے ہی دنوں میں وہ بھی مرگئی اور شیرخاں مدار المہام ہوکر حکومت کرنے لگا۔

اس زمانے میں مونگیر، حاجی پور اور ترہت کے علاقے بادشاہ بنگالہ کے زیر فرمان تھے۔ نصرت شاہ والی بنگالہ نے ۹۲۷ھ کے قریب اپنے دو قرابت مندوں یعنی علاء الدین اور مخدوم عالم کو (جو سلطان علاء الدین حسین والئ بنگالے کے داماد تھے) ترہت اور حاجی پور کا حاکم مقرر کیا تھا۔ ۹۴۳ھ میں نصرت شاہ خواجہ سراؤں کے ہاتھ سے مارا گیا اور اس کا بیٹا فیروز شاہ بادشاہ بنگالہ ہوا۔ لیکن تھوڑے ہی زمانے میں اس کے چچا محمود شاہ نے اس کو قتل کرکے بنگالے کی سلطنت پر قبضہ کیا۔[۵۱] اس اثنا میں شیرخاں نے مخدوم عالم حاکم حاجی پور سے ایسا ربط و اتحاد پیدا کیا تھا کہ محمود شاہ والی بنگالہ نے قطب خان حاکم مونگیر کو مخدوم عالم کی گوشمالی کا حکم دیا۔ شیرخاں نے اول صلح کی گفتگو چھیڑی۔ لیکن بالآخر جنگ کرکے قطب خان کو شکست دی اور اس کو قتل کرکے تمام مال و اسباب چھین لیا۔[۵۲] اس واقعے سے بہار کے لوحانی پٹھانوں نے از راہ خوف و حسد جلال خان کو شیرخان کی برطرفی کی صلاح دی۔ شیرخاں

---

۵۱ ریاض السلاطین صفحہ ۱۳۸ کے مطابق فیروز شاہ نے تین برس اور اسٹوارٹس ہسٹری آف بنگال صفحہ ۱۳۱ کے مطابق صرف تین مہینے حکومت کی۔

۵۲ اس کے بعد مخدوم عالم محمود شاہ سے جنگ کرکے مارا گیا۔ (ریاض السلاطین صفحہ ۱۴۰ اور تاریخ فرشتہ صفحہ ۳۰۲)

نے اس رمز سے آگاہ ہو کر مخالفوں کو تحصیل مال گزاری کے حیلے سے مختلف پرگنات میں بھیج دیا اور لودی و سوڑ قبیلوں کے پٹھانوں کو ملا کر ایسی جمعیت فراہم کی کہ جلال خان اور لوحانی پٹھانوں سے کچھ بنائے نہ بنی۔ انھوں نے عاجز آ کر محمود شاہ والیٔ بنگالہ کی رفاقت اختیار کی۔ محمود شاہ نے ابراہیم خاں پسر قطب خاں کو شیر خاں سے انتزاع حکومت کے لیے متعین کیا۔ شیر خاں اب اور بھی شیر ہو گیا تھا۔ اس نے شہر کے گرد خندق کھدوا کر اس کی مٹی سے حصار گلی تیار کیا۔ ابراہیم خاں نے اس بندوبست کو دیکھ کر بنگالے سے کمک مانگی۔ شیر خاں نے دیکھا کہ کمک آنے سے پہلے ہی فیصلہ کر لینا چاہیے۔ اس نے کچھ آدمیوں کو تیر اندازی کرتے ہوئے حصار سے باہر نکالا۔ اور ان کو یہ ہدایت کی کہ جب ابراہیم خاں کی فوج حملہ آور ہو تم خوف و ہراس ظاہر کر کے بھاگنا۔ ابراہیم خاں کی فوج تھوڑے آدمیوں کو دیکھ کر دوڑ پڑی اور شیر خاں کے آدمی بے ترتیبی سے بھاگنے لگے۔ جب ابراہیم خاں کی فوج تعاقب میں اپنے فیل اور توپ خانے سے جُدا ہو گئی اس وقت شیر خاں کی تازہ دم فوج جو ٹیلوں کی آڑ میں دونوں طرف چھپی ہوئی تھی ابراہیم خاں پر ٹوٹ پڑی۔ ابراہیم خاں مقتول ہوا، اور جلال خاں لنگڑا ہو کر افتاں و خیزاں بنگالے واپس گیا۔ اس فتح سے بہت سامان و اسباب شیر خاں کے ہاتھ آیا اور اس کے علاوہ اس نے تاج خاں حاکمِ چنار کی ایک بیوہ سے (جو عقیم تھی) عقد کر کے بہت سامال حاصل کیا اور تاج کے لڑکوں کی خانہ جنگی کے سبب قلعہ چنار پر بھی قبضہ کر لیا۔

---

(۷) شیر خان ہمایوں بادشاہ سلطان محمود لودی اور سلطان محمود والیٔ بنگالہ

جس وقت شیر خاں چنار کی طرف تھا بہار کے پٹھانوں نے محمود لودی برادر سلطان ابراہیم لودی کو جو اس وقت آوارہ حال چتور میں تھا۔ بہار بلوا کر بادشاہ بنایا۔ جو مختصراً بابر شاہ کے حال میں مذکور ہو چکا ہے۔ شیر خاں نے یہ دیکھ کر کہ پٹھان سب محمود لودی کے طرف دار ہو رہے ہیں؛ خود بھی ان سے مل گیا۔ پٹھانوں نے تمام علاقوں کو آپس میں تقسیم کر لیا اور ایک حصّہ شیر خاں کے لیے چھوڑ دیا، اور یہ معاہدہ قرار پایا کہ شیر خاں محمود لودی کی کمک کو مستعد رہے اور جونپور و اودھ مغلوں کے قبضے سے برآوردہ ہونے پر صوبہ بہار شیر خاں کے لیے متخلص چھوڑ دیا جائے۔ اس کے بعد محمود لودی جونپور کی طرف روانہ ہوا۔ شیر خاں سہسرام واپس گیا اور محمود لودی کے بلانے پر اول تو لیت و لعل کرتا رہا اور بہت اصرار کے بعد فوج لے کر پہنچا بھی تو ہمایوں سے (جو ۹۳۷ھ میں بابر کے بعد بادشاہ ہوا تھا) مل گیا۔ محمود لودی شکست کھا کر پھر پٹنہ واپس آیا۔ اور جب ہمایوں نے ادھر کا رُخ کیا، محمود لودی نے اڑیسہ کی راہ لی اور ۹۴۹ھ میں وہیں انتقال کیا۔[۱]

محمود لودی کی شکست کے بعد شیر خاں نے بہ ظاہر ہمایوں کی متابعت قبول کر کے قلعہ چنار اپنے قبضے میں رکھا تھا۔ اور اپنے بیٹے قطب خان اور شیرِ خاص عیسیٰ خان حاجب کو ہمایوں کی ملازمت میں گجرات کی مہم پر روانہ کیا تھا۔

---

[۱] طبقات اکبری جلد دوم صفحہ ۹۲، اور تاریخوں میں بھی یہی ہے۔

لیکن بعد میں یہ گجرات سے بھاگ کر شیر خان کے پاس چلے آئے۔

۹۴۴ھ صوبۂ بہار میں شیر خاں کی شہ زوری کا حال معلوم کر کے ہمایوں نے
میں اِدھر کا رُخ کیا اور قلعۂ چنار کا محاصرہ کر کے اس کو مفتوح کیا۔ شیر خاں
نے اسی زمانے میں بنگالے کے دار الحکومت شہر گوڑ (لکھنوتی) کا محاصرہ کیا تھا
محمود شاہ والیٔ بنگالہ نے ضیق محاصرے سے تنگ آکر مقابلہ کیا اور تھوڑی
لڑائی کے بعد شکست کھا کر کشتی پر سوار ہو کر حاجی پور کی طرف چلا آیا۔ اتفاقاً
اسی عرصے میں شیر خاں بھی کسی زمیندار کے فساد کے سبب بہار کی طرف چلا
آیا۔ اس کے بیٹے جلال خان نے بھی اور ایک سردار خواص خاں نے بنگالے پر
قبضہ کر لیا، اور اس کے بعد ہی شیر خاں خود بھی بہار سے فارغ ہو کر بنگالے
واپس پہنچا۔ محمود شاہ بنگالہ نے مونگیر کے قریب (مقام سورج گڑھ میں)
اس سے مقابلہ کیا۔ لیکن شیر خاں کو پھر فتح ہوئی اور محمود زخمی ہو کر ہمایوں
کے پاس پہنچا اور اس سے مدد کا خواستگار ہوا[1]۔

ہمایوں نے بنگالے کا عزم کیا۔ اور جب چنار سے آگے بڑھا، شیر خاں نے اپنے
بیٹے جلال خاں کو تیلیا گڑھی اور سکری گلی کی گھاٹیوں پر تعینات کر دیا۔ ہمایوں
کے پٹنہ آنے پر برسات آگئی تھی۔ اس لیے اکثر امرا نے برسات تک اس مہم کو
ملتوی رکھنے کی صلاح دی۔ لیکن محمود شاہ نے کہا کہ شیر خاں کو اب تک بنگالے
میں استقلال نہیں ہوا ہے۔ اس لیے اس وقت اس کو شکست دینا زیادہ آسان

---

[1] اکبر نامہ صفحہ ۱۶۷ مطبوعہ نول کشور پریس لکھنو کے ایک نسخے میں اس جگہ بجائے
محمود شاہ کے نصیب شاہ لکھ دیا ہے۔ حالاں کہ تمام تاریخوں کی رو سے محمود شاہ ہی صحیح ہے۔ اور
نصیب شاہ (نصرت شاہ) اس سے بہت پہلے مارا گیا تھا جو قبل میں مذکور ہو چکا ہے۔

ہے۔ ہمایوں نے فوج کو کوچ کا حکم دیا اور خود بھی روانہ ہوا۔ کھل گانو پہنچنے پر معلوم ہوا کہ محمود شاہ کے ڈولڑکے جو شہر گوڑ کے محاصرے میں جلال الدین پسر شیر خاں کی قید میں آگئے تھے قتل کر دیے گئے۔ محمود شاہ جو پہلے سے زخمی اور رنجور تھا اس اندوہ ناک خبر سے جاں بر نہ ہوا۔ بہرکیف ہمایوں نے ایک دستہ جہاں گیر بیگ کے تحت میں تیلیا گڑھی کی طرف روانہ کیا لیکن جلال خاں و خواص خاں نے اس کو شکست دی اور ہمایوں کو دوسری فوج بھیجنی پڑی۔ اس اثنا میں شیر خاں (مع جلال خاں و خواص خاں) بنگالے کا خزانہ اور تمام مال و اسباب لے کر جھار کنڈ کی راہ سے رہتاس کی طرف آیا۔ اور چنتامن داس[۱] قلعہ دار رہتاس کو ایک برہمن کی سفارش سے حرص دلا کر خزانہ اور عورتوں کو قلعے میں رکھنے کے حیلے سے ڈولیوں میں سپاہیوں کو بھیج کر اچانک اس قلعے پر قبضہ کر لیا۔

ہمایوں نے میدان خالی سمجھ کر بنگالے پر قبضہ کر لیا اور دارالسلطنت گوڑ کے نام میں تجنیس مذموم ہونے کے سبب اس کو جنت آباد کے نام سے موسوم کیا۔ چند مہینے عیش و عشرت اور سراسر غفلت میں بسر کرنے کے بعد ہمایوں کو معلوم ہوا کہ اس کا بھائی میرزا ہندال دہلی کی طرف اپنی بادشاہت کی فکر میں ہے۔ اور شیر خاں مغل سرداروں کو قتل کر کے مونگیر پر قابض ہوا چاہتا ہے۔

ہمایوں متردد ہو کر بنگالے سے روانہ ہوا اور مونگیر[۲] کے قریب گنگا کو عبور کر کے

---

[۱] اکبر نامہ صفحہ ۱۴۹ میں خود چنتامن داس کو برہمن لکھا ہے۔ لیکن اور کسی تاریخ میں ایسا نہیں ہے۔

[۲] تزک جہانگیری صفحہ ۴۲ میں لکھا کہ ہمایوں کی مراجعت کے وقت دلاور خاں پسر خورد دولت خاں لودی تھانہ مونگیر میں مقیم تھا۔ اور بعد کو شیر خاں کی قید میں آگیا تو شیر خاں نے اس کو نوکر رکھ لینا چاہا لیکن اس نے قبول نہ کیا۔

پٹنہ ہوتا ہوا بکسر پہنچا۔ شیر خاں نے اپنی فوج ہمایوں کے پیچھے لگادی اور صوبہ بہار سے نکلنے کے راستے بھی مسدود کر دیے۔ کچھ مدّت تک طرفین کی فوجیں چوسا کے قریب خیمہ زن رہیں اور صلح کی گفتگو ہوتی رہی۔ بالآخر دو مہینوں کے بعد شیر خاں نے اپنے مرشد شیخ خلیل کو بھیج کر اس شرط پر صلح کی کہ بنگالہ و بہار شیر خاں کے قبضے میں رہے اور سکّہ و خطبہ ہمایوں کے نام جاری ہو۔ شیر خاں "الحرب خدعۃ" کا قائل تھا۔ اس نے قول و قسم سے ہمایوں کو مطمئن کر کے شب کو اچانک حملہ کر دیا۔ ہمایوں کی فوج کو ہتھیار اٹھانے کی بھی مہلت نہ ملی اور بدحواسی میں ندی کی طرف بھاگنے لگی۔ شیر خاں نے کرمناسہ ندی کا پُل پہلے ہی تُڑوا ڈالا تھا۔ مغل سپاہی جو تیغ کے گھاٹ نہ اترے کرمناسہ اور گنگا میں غرق ہوئے۔ مرزا محمد زمان۔ مولنا ببر علی۔ مولنا قاسم علی صدر اور مولانا جلال تتوی وغیرہ کئی امرا ڈوب کر ہلاک ہوئے۔ خود ہمایوں اتفاقاً نظام سقّے کی مدد سے مشک کے سہارے پار اُتر کر چند رفقا کے ساتھ تباہ حال آگرے پہنچا۔ یہ واقعہ ۹۴۶ھ کا ہے۔ اس ہنگامے میں ہمایوں کی ایک بیوی حاجی بیگم بھی شیر خاں کی قید میں آگئی تھی لیکن شیر خاں نے عزت و احترام کے ساتھ اس کو واپس بھیج دیا۔ جان بچانے کے صلے میں سقّے نے گھڑی بھر کے لیے ہندستان کی بادشاہت پائی۔ اور اسی واقعے سے "سقّے کی بادشاہت" (یعنی گھڑی بھر کا عیش یا حکومت) اُردو زبان کا محاورہ ہو گیا ہے۔

اس کے بعد ہمایوں کا قنوج کی طرف شیر خاں سے شکست کھانا اور وہاں سے لاہور کی طرف جانا، اور وہاں بھی قدم نہ جمنے پر سندھ ہو کر فرار کر کے ایران کی راہ لینا۔ اور شیر خاں کا فتح مند ہو کر ہندستان کے تخت پر جلوس کرنا اور شیر شاہ کا لقب اختیار کر کے پانچ برس سے کچھ زیادہ بادشاہت کرنا تمام تاریخوں

میں مذکور ہی۔ جس کی تفصیل کو خاص اس صوبے کی تاریخ سے چنداں تعلق نہیں۔

شیر شاہ نے ۹۴۶ھ میں خضر خاں شروانی کو بنگالے کا حاکم مقرر کیا اور غالباً اسی کے بعد سلیمان خاں کرارانی کو صوبہ بہار کا حاکم بنایا تھا۔ خضر خان نے محمود شاہ سابق سلطان بنگالے کی لڑکی سے شادی کرلی اور بادشاہوں کا طرز معاشرت اختیار کیا۔ شیر شاہ اس کی خبر لینے کو آگرے سے بنگالے کی طرف روانہ ہوا اور خضر خاں راہ سے استقبال کرکے اس کو لے جانے کو آیا تو اچانک قید کرلیا گیا۔ اس کے بعد شیر شاہ نے امرا کو آپس میں لڑوا کر طوائف الملوکی پیدا کردی اور قاضی فضیلت[۱] کو تمام امور کے فیصلے کے لیے چھوڑ کر خود آگرے واپس گیا۔

---

(۸) قلعہ پٹنہ کی تعمیر ۹۴۹ھ (۱۵۴۵ء)

تاریخ داؤدی میں مذکور ہی کہ شیر شاہ نے بنگلے سے واپس آکر پٹنہ میں گنگا کے کنارے قلعہ تعمیر کرنے کا ارادہ کیا۔ معماروں اور خشت سازوں نے پانچ لاکھ رُپے اس کے خرچ کا تخمینہ کیا۔ شیر شاہ نے بعض معتمدوں کی نگرانی میں کام شروع کرایا اور کچھ عرصے میں مستحکم قلعہ تیار ہوگیا۔

کرنل وڈل نے لکھا ہی کہ غالباً یہ قلعہ پاٹلی پُتر کی اینٹوں سے تیار ہوا۔ اور اس کا سبب یہ بتایا ہی کہ تاریخ شیر شاہی کے مطابق یہ قلعہ دو میل لمبا تھا۔

---

[۱] طبقات اکبری اور ریاض السلاطین صفحہ ۱۴۷ میں قاضی فضیلت اور تاریخ فرشتہ صفحہ ۲۲۲ میں قاضی فضیح لکھا ہی۔ بداؤنی صفحہ ۳۶۵ جلد اوّل میں "قاضی فضیلت کہ اسم با مسمی بقاضی فضیحت درمیان عوام مشہور بود" لکھتا ہی۔

اور اتنے بڑے قلعے کے لیے پانچ لاکھ رُپے صرف مزدوری کو کافی ہو سکتے ہیں[1]
راقم کے خیال میں یہ قیاس صحیح نہیں اس لیے کہ پاٹلی پتر کے کھنڈروں میں
جو اینٹیں پائی جاتی ہیں وہ اس قلعے کی اینٹوں سے بالکل مختلف ہیں۔ اور
پاٹلی پتر کے خوش نما ترشے ہوئے پتھروں کا بھی کوئی وجود اس قلعے کے کسی
حصے میں نہیں پایا گیا۔ برخلاف اس کے قلعے کا وہ پشتہ جو گنگا کے دھارے
سے ٹکراتا رہتا ہے اور جس کو بشپ ہیبر نے غلطی سے پہاڑی ٹیلہ سمجھا تھا۔
اس کی تعمیر ہو بہو اس طور کی ہے جیسی راج گیر میں بن گنگا نامی نالے کے
قریب قدیم ترین قلعے کی فصیل ہے۔ غالباً یہ حصہ راجا جات سترو کے بنائے
ہوئے قلعے کی یادگار رہ گیا ہے جس کی کیفیت اس راجا کے حالات میں بھی
مذکور ہو چکی ہے۔ چینی جاتری یوانگ چوانگ کی تحریر سے بھی پایا جاتا ہے کہ
۶۳۸ء کے قریب گنگا کے کنارے جو سہر آباد تھا وہ فصیلوں سے محیط تھا۔
اس سے بھی قرین قیاس ہے کہ شیر شاہ نے کوئی نیا قلعہ نہیں بنوایا۔ بلکہ پرانے
قلعے کو مجدداً درست کرایا اور اس کے لیے اس زمانے میں پانچ لاکھ کی رقم کافی ہوگی۔

---

(۹) شیر شاہ کی موت اور اس کے ورثا کا حال

شیر شاہ نے پندرہ برس حکومت کی اور اس مدت میں پانچ برس سے
کچھ زیادہ سارے ہندستان کی بادشاہت کی[2]۔ اور ۹۵۲ھ مطابق ۱۵۴۵ء میں
قلعہ کالنجر کی تسخیر میں ایک سرنگ کے پھٹنے سے باروت سے جل کر انتقال کیا۔

---

[1] ڈسکوری آف دی اگزاکٹ سائٹ آف پاٹلی پتر۔ مصنفہ کرنل ویڈل ۱۸۹۲ء

[2] طبقات اکبری جلد دوم صفحہ ۱۰۶۔

اس کے مرنے کی تاریخ "زآتش مرد" ہو۔ اس کی لاش سہسرام لاکر عالی شان مقبرے میں دفن کی گئی[1]۔ اس نے رفاہِ عام کے کام بھی بہت کیے۔ سُنار گانو (ڈھاکہ) سے پنجاب تک ایک سڑک بنوائی اور اس کے دونوں جانب درخت نصب کرائے۔ اور جا بجا سرائیں بنوائیں جہاں ہندو اور مسلمان مسافروں کو رسد اور کھانا دیا جاتا تھا۔ جس وقت شیر شاہ کھانے کو بیٹھتا گھنٹہ بجایا جاتا تھا جس کی آواز ایک سرائے سے دوسری سرائے تک معاً پہنچ جاتی تھی۔ اور اس طور پر سارے ملک میں بہ یک وقت کھانا تقسیم ہوتا تھا۔ ہاشم علی خاں خافی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہو کہ بھٹیارے انھیں سراؤں میں کھانا تقسیم کرنے والوں کی اولاد سے ہیں۔

زمین کے اقسام کے مطابق مال گزاری کی تشخیص اور بندوبست کے

---

[1] شیر شاہ کی لاش کا سہسرام میں مدفون ہونا تاریخ بداؤنی صفحہ ۳۷۳ جلد اوّل میں صریح طور پر مذکور ہو۔ اور قطعہ تاریخ موت یہ ہو۔

شیر شہ آں کہ از مہابت او ـــ شیر و بز آب وا ہم بخورد ـــ از جہاں رفت و گفت پیر خرد

سال تاریخ آں زآتش مرد

انگریزی حکام نے مقبرے پر ایک کتبہ اس مضمون کا نصب کر دیا ہو کہ یہ مقبرہ خود شیر شاہ نے اپنی زندگی میں تیار کرایا تھا۔ لیکن مقبرے کی عمارت پر عربی میں اصلی کتبہ موجود ہو جس میں صاف و صریحاً مذکور ہو کہ یہ مقبرہ سلیم شاہ نے ۹۵۶ھ میں تعمیر کرایا۔ اصل عبارت یہ ہو:
"فی عہد الدولت نصیر الملت والمسلمین قاطع البدعت والمحی السنت المویید من السماء المظفر من الاعداء سلیم شاہ السلطان خلد اللہ ملکہ و سلطانہ اعلی اللہ شانہ بنی فی سنہ خمسین وستہ وتسعمایۃ"۔

آئین جو اکبرِ شاہ کے زمانے میں زیادہ مکمل ہوئے اور بعض ترمیم کے بعد انگریزی
حکومت میں اب تک جاری ہیں حقیقتاً شیرِ شاہ () یجادے تھے۔ رعایا
کے معاملے میں اس کا عدل و انصاف بے نظیر تھا۔ البتہ مورخوں کا اعتراض
ہے کہ ہمایوں اور پورن مل کے ساتھ اس نے عہد شکنی کی[1]۔ بعض اہلِ وطن نے
وطنیت کے غلو میں مہمل توجیہیں بیان کرکے اس کے الزام کو سر سے ٹالنا چاہا
ہے۔ لیکن جو فعل فی نفسہ مذموم ہے کسی طرح مستحسن نہیں ہو سکتا۔

شیرِ شاہ کے مرنے پر اس کا بیٹا سلیم شاہ بادشاہ ہوا۔ اس نے اپنے ایک
قرابت مند محمد خان سوُر کو حاکم بنگالہ مقرر کیا اور سلیمان خاں کرارانی کو صوبہ
بہار کی حکومت پر بحال رکھا۔ سلیم شاہ کے مرنے پر ۹۶۰ھ میں مبارز خان نے
اپنے خرد سال بھانجے فیروز خان پسر سلیم شاہ کو صریح ظلم سے قتل کرکے تخت
سلطنت پر قبضہ کیا اور اپنا لقب عادل شاہ رکھا جو عوام الناس میں عدلی
کے نام سے مشہور ہوا۔ محمد سوُر حاکم بنگالہ نے عدلی کو اپنے آقا کے بیٹے کا قاتل جان
کر اس کی مخالفت پر کمر باندھی اور جونپور پر چڑھائی کی۔ عدلی نے اپنے سپہ سالار
ہیمون بقال کو مقابلے کے لیے تعینات کیا۔ اس جنگ میں محمد سوُر مارا گیا۔ اس
کے بعد اس کا بیٹا خضر خان سور اس کا جانشین ہوا۔ اس نے اپنا لقب بہادر شاہ
رکھا۔ عدلی نے شہباز خان نامی ایک سردار کو بہادر شاہ کی مقاومت کے لیے

---

[1] بداؤنی شیر شاہ کا ایسا مداح ہے کہ اس نے (منتخب التواریخ صفحہ ۳۶۶) اس بادشاہ
کے عہد میں پیدا ہونے پر فخر کیا ہے۔ لیکن پورن مل کے معاملے میں شیرِ شاہ کی عہد شکنی کا
اعتراف کیا ہے۔ ابو الفضل نے اکبر نامہ صفحہ ۱۶۳ تا ۱۶۶ میں محض تعصب سے شیرِ شاہ کا ذکر حقارت
کے ساتھ کیا ہے اور اس کو ڈاکو اور غاصب بنایا ہے جو مغلوں کے مقابلے میں کسی طرح صحیح نہیں۔

بنگالے بھیجا۔ بہادر شاہ نے جنگ کر کے شہباز خاں کو قتل کیا۔ اور خود بر سر حکومت ہوکر اپنے نام سکہ و خطبہ جاری کیا۔ عدلی شاہ نے خود بنگالے پر فوج کشی کی اور مونگیر کے قریب (غالباً سورج گڑھ میں) سخت جنگ ہوئی بہادر شاہ نے ۹۶۳ھ میں عدلی کو قتل کر کے اپنے باپ کے خون کا بدلا لیا۔

بہادر شاہ سور نے چھ برس حکومت کر کے ۹۶۸ھ میں انتقال کیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی جلال خاں سور تین برس حکمراں رہا۔ اس کے مرنے پر اس کے خورد سال بیٹے کو غیاث الدین نامی ایک سردار نے مار ڈالا اور خود حکومت کرنے لگا۔ اس وقت سلیمان کرارانی حاکم بہار نے اپنے بھائی تاج خاں کرارانی کو بنگالے روانہ کیا۔ تاج خان نے غیاث الدین کو شکست دے کر بنگالے پر قبضہ کر لیا۔

جس زمانے میں عدلی نے جونپور پر قبضہ کیا احمد خان سور اور ابراہیم خاں سور جو شیر شاہ کے بنی عم میں تھا اور عدلی کی بہن بھی اس کے عقد میں تھی۔ خود اپنی اپنی سلطنت قائم کرنے کی فکر میں پڑے۔ احمد خاں نے اپنا لقب سکندر سور رکھ کر پنجاب میں حکومت قائم کی اور ابراہیم سور نے دہلی پر قبضہ کر کے سکندر سور سے جنگ کی۔ لیکن مغلوب ہوکر سنبل اور کالپی کی طرف چلا آیا۔ عدلی کی فوج نے اس کو یہاں سے بیانہ کی طرف بھگا دیا۔ جس زمانے میں ہیمو بقال بیانہ کے محاصرے میں مصروف تھا۔

محمد سور نے جون پور پر چڑھائی کی۔ عدلی نے ہیمون کو بیانہ سے طلب کیا۔ راہ میں آگرے کے پاس ہیمون اور ابراہیم سور میں مقابلہ ہوا۔ ابراہیم سور شکست کھا کر پٹنہ آیا اور راجا رام چندر سے جنگ کر کے گرفتار ہوا۔ لیکن راجا نے اس سے بادشاہوں کی طرح

سلوک کیا اور ابراہیم سور آزاد ہوکر ادھر ادھر مارے پھرنے کے بعد اڑیسہ پہنچا۔ بالآخر ۹۷۵ھ میں سلیمان کرارانی نے اڑیسہ فتح کرکے ابراہیم سور کو قتل کیا[1]۔ اور اسی طرح آوارہ حال ہوکر سکندر سور کی زندگی کا بھی خاتمہ ہوا۔

---

[1] طبقات اکبری جلد دوم صفحہ ۱۲۲ و ۱۲۳۔ اکبرنامہ صفحہ ۰۰۔ تاریخ بداونی جلد اول صفحہ ۴۳۲۔ فرشتہ صفحہ ۲۳۰۔ ریاض السلاطین صفحہ ۱۴۸ تا ۱۵۱، اور اسٹوارٹس ہسٹری آف بنگال صفحہ ۱۱۷ سے پورا بیان ماخوذ ہے۔ ہسٹری آف اڑیسہ مرتبہ بابو آر ڈی بینرجی (HISTORY OF ORISSA BY R, D, BANERJI) مطبوعہ ۱۹۳۰ء صفحہ ۳۴۲ میں مذکور ہے کہ اڑیسہ کے راجا مکند ہری چندن نے ابراہیم سور کو پناہ دی تھی۔ اور ایک جاگیر بھی مقرر کردی تھی۔ اکبر نے سلیمان خاں کرارانی کو علی قلی خاں زماں کی مدد سے باز رکھنے کے لیے راجا مذکور سے یہ صلح کرلی تھی کہ اگر سلیمان اکبر کی مخالفت کرے تو راجا مذکور سلیمان کی مخالفت کرے۔ لیکن جس زمانے میں اکبر قلعہ چتوڑ کے محاصرے میں معروف تھا۔ سلیمان کرارانی نے موقع پاکر اڑیسہ پر چڑھائی کردی۔ اور اس معرکے میں راجا مکند ہری چندن اور ابراہیم سور دونوں قتل ہوئے۔

(۱۰) شجرہ خاندان شیرشاہ سور
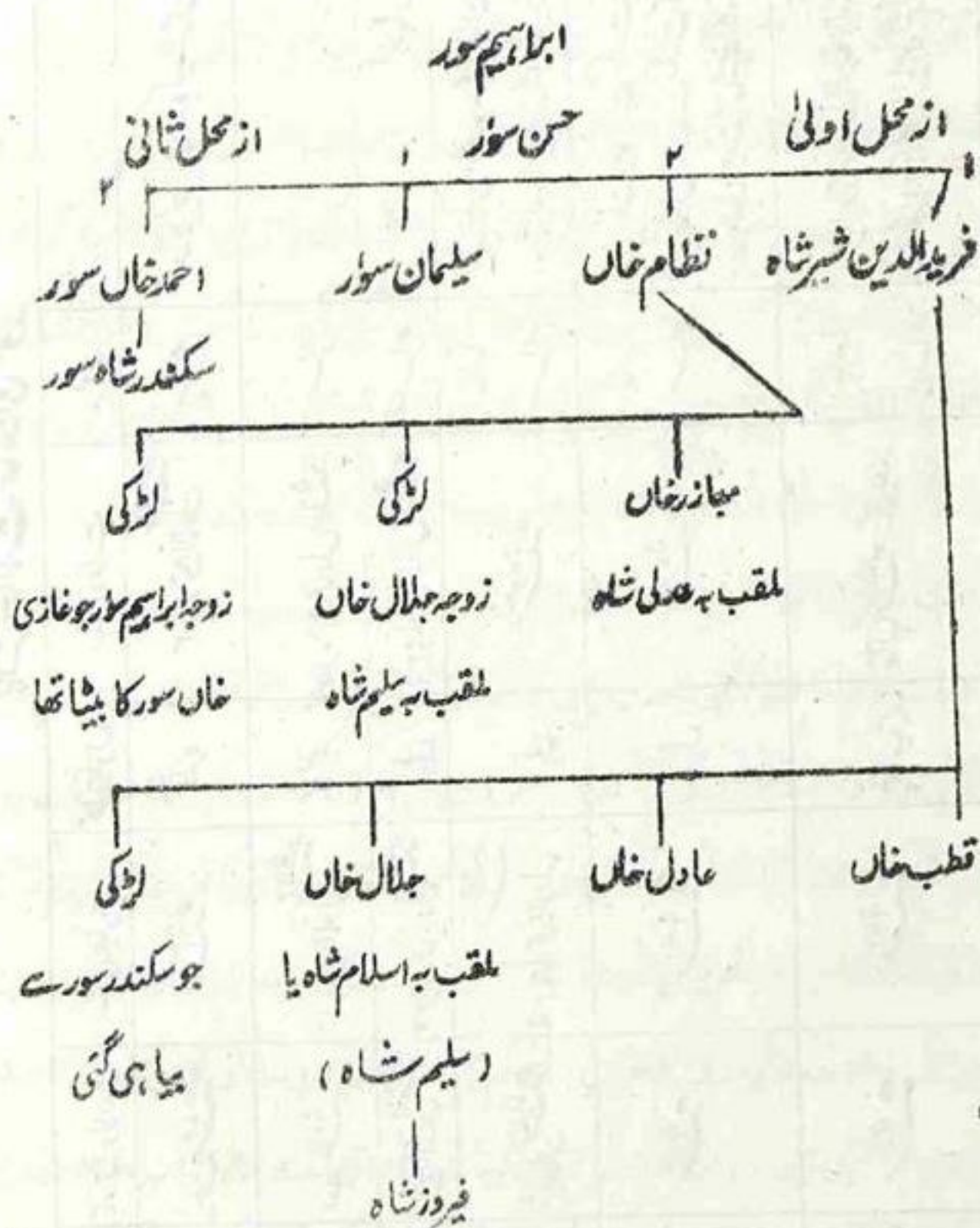
نقشہ حالات خاندان سوُر

نمبر شمار	نام	تاریخ ولادت	سال جلوس	محل جلوس	سال وفات	مدفن	حالات
۱	فریدخاں ملقب بہ شیرشاہ بن حسن سور	رجب سنہ ۸۷۷ھ	سنہ ۹۴۷ھ	آگرہ	۱۲ ربیع الاول سنہ ۹۵۲ھ	سہسرام	قلعہ کالنجر کا محاصرہ کرنے میں ایک سُرنگ کے پھٹنے سے جل کر مرا
۲	جلال خاں ملقب اسلام شاہ (سلیم شاہ) پسر شیرشاہ	صفر سنہ ۹۰۲ھ	۱۵ ربیع الاول سنہ ۹۵۲ھ	کالنجر	۱۵ ربیع الاول سنہ ۹۶۰ھ	سہسرام	بیمار ہوکر مرا۔
۳	فیروز خاں پسر اسلام شاہ	ربیع الثانی سنہ ۹۴۳ھ	۲۰ جمادی الاول سنہ ۹۶۰ھ	دہلی	۲۹ جمادی الاول سنہ ۹۶۰ھ	سہسرام	مبارز خاں نے قتل کیا
۴	مبارز خاں ملقب بہ عادل شاہ (عدلی) پسر نظام خاں سور	شعبان سنہ ۹۱۱ھ	۲۹ جمادی الاول سنہ ۹۶۰ھ	دہلی	سنہ ۹۶۳ھ	غالباً سہسرام	خضر خان سوُر پسر محمد خان سوُر حاکم بنگالہ سے جنگ کرنے میں مارا گیا۔ ابراہیم خان سوُر بھی شاید خضر خان کی مدد میں تھا۔
۵	ابراہیم خان سور پسر غازی خاں سور حاکم بیانہ	سنہ ۹۰۳ھ	سنہ ۹۶۲ھ	دہلی	سنہ ۹۷۵ھ	غالباً سہسرام	اوّل سکندر سور سے شکست کھاکر پھر جونپور پر چڑھائی کرکے ہیمون بقال وزیر عادل خاں سے شکست کھاکر پٹنہ آیا۔ اور آوارہ حال ہوکر اڑیسہ کے راجا مکند ہری چندگی معیت میں رہنے لگا۔ آخر سلیمان کرانی کے ہاتھوں دونوں مارے گئے۔
۶	احمد خاں ملقب سکندر شاہ	سنہ ۹۱۱ھ	سنہ ۹۶۲ھ	پنجاب میں	غالباً سنہ ۹۷۰ھ کے بعد	غالباً سہسرام	غالباً ابراہیم سور کی طرح اس کی زندگی کا بھی خاتمہ ہوا، یا ممکن ہو کہ اکبر بادشاہ نے خفیہ اس کو قتل کرایا ہو۔ بہرحال مان کوٹ میں شکست کھانے کے بعد صوبہ بہار چلا آیا تھا۔

(۱۱) شیخ علائی اور شیخ بڈھ طبیب کا ذکر

سلیم شاہ کے زمانے میں شیخ علائی نے مہدی ہونے کا دعوا کیا تھا۔ اور ملا عبداللہ سلطان پوری و دیگر علما نے اس کے قتل کا فتوا دیا تھا۔ اس زمانے میں صوبہ بہار میں شیخ بڈہ نامی ایک عالم و طبیبِ حاذق تھا جس سے شیر شاہ کو ایسی عقیدت تھی کہ اپنے ہاتھوں سے اس کی جوتیاں سیدھی کرتا تھا۔ اور شیخ بڈہ کی تصنیف شرح ارشاد قاضی[ط] بھی ہندستان میں بہت مشہور تھی۔ سلیم شاہ نے اور علما کو صاحب غرض جان کر شیخ علائی کو شیخ بڈہ کے پاس بہار روانہ کیا کہ اس کے فتوے کے مطابق عمل کیا جائے۔ شیخ علائی نے شیخ بڈھ کے گھر میں سرود و ساز اور بعض خلافِ شرع باتیں دیکھ کر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اصول پر ان باتوں کو روکنا چاہا۔ شیخ بڈھ نہایت معمر و قریب بہ مرگ ہونے کے سبب بات کرنے کی سکت نہ رکھتا تھا۔ اس کے بیٹے اور پوتوں نے جواب دیا کہ ہندستان میں بعض رسومات و عادات اس طور کی ہیں کہ اگر ان کو روکا جائے تو نقصان دینی و جانی کا احتمال ہے اور ہندستان کی ناقص العقل عورتیں اس نقصان کو نتیجہ احتساب جان کر کفر اختیار کرنے کو آمادہ ہو جائیں گی۔ ایسی صورت میں فسق کفر سے بہتر ہے۔ شیخ علائی نے جواب دیا کہ یہ خیال فاسد ہے۔ اس لیے کہ جب ان کے عقیدے میں شرع کی وقعت دنیاوی نقصان سے کم ہو اور امر معروف کو شخصی موت اور ضرر مال و جاہ سمجھتی ہوں تو ان کا اسلام ہی کیا ہے اور ان سے نکاح کب درست ہے کہ ان کی مسلمانی کا افسوس کیا جائے۔ شیخ بڈہ کے لڑکے خاموش ہو رہے اور شیخ بدہ نے معذرت اور استغفار کر کے شیخ علائی کی بے حد تحسین کی اور سلیم شاہ کے نام

ط شاید ملک العلما دولت آبادی کی تصنیف ارشاد مراد ہو۔

اس مضمون کا خط لکھا کہ ایمان مسئلہ مہدویت پر موقوف نہیں اور مہدی ہونے کی
علامتوں میں اختلاف ہے۔ اس لیے شیخ علائی کے کفر وفسق کا فتوا نہیں دیا جاسکتا
غایت یہ ہے اس کا شبہ رفع کر دیا جائے۔ شیخ بمہ کے لڑکوں نے شیخ بڈھ کو سمجھایا کہ
یہ فتوا ملا عبداللہ صدر الصدور کے فتوے کے خلاف ہے اس لیے اس کے بعد
دربار سے یقینی طلبی کا فرمان آئے گا اور اس پیری میں تم دُور و دراز کے سفر کی
مشقت نہ اٹھا سکو گے۔ آخر انھوں نے خواہ مخواہ شیخ بڈھ کی جانب سے خود دوسرا
خط سلیم شاہ کے نام اس مضمون کا لکھ دیا کہ اس وقت ملا عبداللہ بڑا محقق عالم
ہے اس کا فتوا بہترین فتوا ہے۔[1]

---

(۱۲) سلیمان خاں کرارانی[2] ۹۵۰ھ تا ۹۸۲ھ (۴۳-۱۵۷۲ء)

سلیمان خان کرارانی امرائے شیر شاہی میں تھا اور شیر شاہ کے وقت سے

---

[1] بداؤنی جلد اول صفحہ ۴۰۶ میں مفصل مذکور ہے۔ طبقات اکبری جلد دوم صفحہ ۱۱۰ میں اور اسی کے مطابق تاریخ فرشتے میں بھی مختصراً پایا جاتا ہے۔ یہ واقعہ ۹۵۹ھ کا ہے۔

طبقات اکبری جلد ا صفحہ ۳۲۳ میں شیخ بڈھ کا ذکر ضمناً اس طور پر بھی پایا جاتا ہے کہ ایک برہمن کے اس قول پر کہ "اسلام حق است و دین من نیز درست است ایں سخن بگوش علما رسید قاضی پیارہ و شیخ بڈھ کہ ہر دو در لکھنوتی بودند بہ تنقیض فتوا می دادند" حیدرآباد میں تاریخ فرشتہ کا جو ترجمہ شائع ہوا ہے اس میں غلطی سے شیخ بڈھ کا وطن بجائے بہار کے ایک غیر معروف جگہ بتایا ہے۔

[2] اکبر نامہ اور بداؤنی میں کرارانی اور طبقات اکبری صفحہ ۴۱ جلد دوم میں کرانی اور فرشتہ و ریاض السلاطین میں بھی کرانی ہے۔ اس اختلاف کا سبب معلوم نہیں۔

صوبہ بہار کی حکومت پر مامور تھا۔ شیر شاہ کے بعد سلیم شاہ کے عہد میں بھی یہ اپنے عہدہ و منصب پر قائم رہا۔ جب سور خاندان کی سلطنت کو زوال آیا اور بنگالے میں محمد خان سوُر کے خاندان کا خاتمہ ہوا۔ اس وقت سلیمان خان نے اپنے بھائی تاج خان کو بنگالے بھیج کر یہاں بھی دخل جمایا۔ تاج خان کے مرنے پر ۹۷۱ھ میں سلیمان خان بلا شرکت احدی بہار کے علاوہ بنگالے کا بھی بادشاہ ہو گیا۔ ۹۷۵ھ میں سلیمان نے اڑیسہ فتح کرکے اکثر حصص کو اپنی حکومت میں شامل کیا۔

سلیم شاہ کے مرنے پر ۹۶۱ھ میں ہمایوں نے دوبارہ ہندستان آکر دہلی پر قبضہ کر لیا۔ اور اس کے مرنے پر ۹۶۳ھ میں اکبر تخت نشین ہوا۔ زمانے کی نیرنگی کو دیکھ کر سلیمان خاں نے آشتی و مدارات سے کام لیا اور اکبر کے پاس تحائف بھیج کر اس کو راضی رکھا۔ سلیمان خان نے باوجود خود مختار حکمران ہونے کے بادشاہ کا لقب اختیار نہ کیا اور محض حضرت اعلیٰ کہلانے پر قناعت کی۔

۹۷۳ھ میں اکبر شاہ نے خان زمان علی قلی خاں حاکم جونپور پر اس کی بغاوت کے سبب فوج کشی کی۔ خان زمان نے قبل میں شاہی فوج کو شکست دی تھی لیکن اس دفعہ منہزم ہو کر حاجی پور میں پناہ لی۔ خان زمان سلیمان کرارانی سے قوی ربط رکھتا تھا۔ اس لیے اکبر نے حاجی محمد خان سیستانی کو سلیمان کرارانی کے پاس اس غرض سے بہ طور سفیر روانہ کیا کہ سلیمان کو خان زمان کی مدد سے باز رکھے۔ لیکن محمد خان سیستانی قلعہ رہتاس ہی تک پہنچا تھا کہ پٹھانوں نے جو خان زمان سے اتحاد رکھتے تھے محمد خان کو گرفتار کرکے خان زمان کے پاس بھیج دیا۔ خان زمان محمد خان کا قدیم آشنا تھا۔ اس لیے اس نے اسی کو شفیع بنا کر بادشاہ سے معافی چاہی۔[۱]

---

[۱] بداؤنی جلد دوم صفحہ ۷۶ و اکبر نامہ جلد دوم صفحہ ۱۲۶۔

اسی زمانے میں اکبر نے حسین خاں خزانچی اور مہاپاتر کو جو شیر شاہ اور سلیم شاہ کے درباریوں میں تھا۔ اور فن موسیقی اور ہندی شاعری میں بھی بے عدیل تھا، اپنا وکیل مقرر کرکے اڑیسہ کے راجا کے پاس اس منشا سے روانہ کیا کہ اس کو خان زمان کی مدد سے باز رکھے اور سلیمان کرارانی سے بھی سازباز نہ رکھے۔ راجا مذکور نے ان شرطوں کو خوشی سے قبول کیا اور بعض تحفے اور ہاتھی بھی اکبر کے پاس روانہ کیے[۵۱]

۹۷۳ھ میں سلیمان کرارانی نے قلعہ رہتاس کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ فتح خاں افغانی قلعے دار رہتاس نے اکبر کی حکمت عملی کا حال معلوم کرکے اپنے بھائی حسن خان کو اس کے پاس بھیج کر یہ درخواست کی کہ کوئی معتمد شاہی عملہ یہاں بھیج دیا جائے تو قلعہ اس کے سپرد کر دیا جائے۔ اکبر نے اس قلعے کے یوں مفت ملنے کو غنیمت سمجھ کر جونپور سے قلیج خان کو حسن خان کے ساتھ روانہ کیا۔ سلیمان کرارانی نے اس کی خبر پاکر خود محاصرہ اٹھا لیا۔ اس کے ہٹ جانے پر فتح خاں نے خفیہ اپنے بھائی حسن خان کو اطلاع دی کہ قلعے میں ذخیرہ بہت کافی جمع ہو گیا ہو۔ کسی حیلے سے جلد واپس چلے آؤ۔ اس اثنا میں قلیج خاں چلا ہی آیا۔ تب فتح خان نے ظاہری مدارات اور زبانی اظہارِ اطاعت سے کام لیا لیکن قلیج خان اس کے نفاق سے آگاہ ہو کر بغیر قلعے پر قبضہ کیے واپس گیا[۵۲]

سلیمان کرارانی نے ۹۸۰ھ میں انتقال کیا۔ یہ اپنے زمانے میں نہایت بیدار مغز اور ہر دل عزیز حکمران تھا۔ اس نے صوبہ بہار و بنگالہ و اڑیسہ میں خود مختارانہ حکومت کی۔ علما اور مشائخ کا بھی قدردان تھا۔ اس کی مجلسوں میں سو ڈیڑھ سو مشاہیر علما و مشائخ موجود رہتے تھے۔ اور یہ اکثر ان کی صحبتوں

---

[۵۱] بدائونی جلد دوم صفحہ ۸۰۔ [۵۲] بدائونی جلد دوم صفحہ ۷۷۔

میں ساری رات ذکر و عبادت میں گزار دیتا تھا[۵۱] قصبہ بہار میں مخدوم الملک کی درگاہ کے حلقے کے اندر جو صندل دروازہ مشہور ہے۔ اس جگہ ۹۷۷ھ کا ایک کتبہ ہے جس میں سلیمان کا نام بھی مذکور ہے۔

---

(۱۳) بایزید خان ۹۸۰ھ (۱۵۷۲ء)

سلیمان کرارانی کے مرنے پر اس کا بڑا لڑکا بایزید اس کا جانشین ہوا۔ لیکن چند مہینوں کے اندر اس کے چچا زاد بھائی ہانسو نامی اور بعض پٹھانوں نے دغا سے اس کو دیوان خانے میں قتل کر ڈالا۔ ہانسو چاہتا تھا کہ خود مسندِ ریاست پر متمکن ہو جائے مگر لودی خان افغان نے جو سلیمان کرارانی کے معتمد سرداروں میں تھا۔ اس کی تدبیر چلنے نہ دی[۵۲]

---

(۱۴) داؤد خان ۹۸۱ھ تا ۹۸۴ھ (۷۶-۱۵۷۳ء)

بایزید کے مارے جانے پر اس کے چھوٹے بھائی داؤد خاں نے تخت نشین ہو کر بہار و بنگالہ و اڑیسہ میں اپنا خطبہ و سکہ جاری کیا۔ ابتدا میں داؤد خاں نے بہت کچھ مستعدی سے کام لیا۔ لیکن سلیمان کرارانی کے جمع کردہ خزانے اور فوجی سامان نے جس میں چالیس ہزار سوار۔ ایک لاکھ چالیس ہزار پیادے بیس ہزار بندوق اور توپیں۔ تین ہزار چھ سو فیل اور کئی سو نوارے (جنگی کشتیاں)

---

[۵۱] بداؤنی جلد دوم صفحہ ۱۶۳ و ۲۰۰۔ [۵۲] بداؤنی صفحہ ۱۶۳ و ۱۷۳ جلد دوم کے مطابق بایزید پانچ چھ مہینے حکمران رہا اور ہانسو بایزید کا بہنوئی تھا۔

شامل تھے، رفتہ رفتہ طبیعت میں انانیت پیدا کردی۔[1] اس نے اکبر بادشاہ کی کچھ پروانہ کی اور تحفے وعرائض جو سلیمان کے وقت سے دربار شاہی کو ارسال کیے جاتے تھے یک قلم موقوف کردیے اور قلعہ زمانیہ (ضلع غازی پور) پر جس کو خان زمان حاکم جونپور نے آباد کیا تھا اور اس وقت ممالک شاہی کی مشرقی سرحد پر ایک مرکزی مقام تھا بہ زور قبضہ کر لیا۔

اکبر کو گجرات (قلعہ سورت) میں اس کی خبر پہنچی تو فوراً منعم خان خان خانان حاکم جونپور کو داؤد خاں کی تنبیہ اور ملک بہار کی تسخیر کا حکم دیا۔ خان خانان نے لشکر گراں ساتھ لے کر بہار پر چڑھائی کردی۔ اس کے پٹنہ اور حاجی پور پہنچنے پر تھوڑی سی چھیڑ چھاڑ کے بعد داؤد خاں کے نامی سردار لودی خان نے درمیان میں پڑ کر اس شرط پر صلح کرادی کہ داؤد خان دو لاکھ رُپے نقد اور لاکھ رُپے کی اشیا پیش کش دے کر اکبر کا باج گزار رہے۔ خان خانان نے سلیمان کرارانی کا قدیم آشنا ہونے کے سبب یہ صلح قبول کرلی اور جلال خاں کروری کو بھیج کر بادشاہ سے اس کی منظوری چاہی۔ اتفاق سے یہ صلح اکبر اور داؤد خاں دو میں سے کسی کو پسند نہ آئی۔ اس اثنا میں قتلو خان حاکمِ اڑیسہ اور سریدھر بنگالی کے بہکانے سے داؤد خاں نے بدظن ہو کر لودی خان پر خان خانان سے ساز باز رکھنے کا گمان کیا۔ لودی خاں اس وقت قلعہ رہتاس پر قابض تھا۔ داؤد خاں نے کسی حیلے سے اس کو گرفتار کر کے سریدھر بنگالی کے حوالے کیا۔ لودی خان نے قید خانے ہی سے قتلو خان اور سریدھر کو سمجھایا کہ اگر مجھ کو قتل کرنا چاہتے ہو قتل کرو۔ لیکن مغلوں سے صلح نہ کروگے تو پچھتاؤگے

---

[1] فوجی سامان کی کیفیت ریاض السلاطین صفحہ ۱۵۶، اور تمام تاریخوں میں بھی کم وبیش پائی جاتی ہے۔

اور جب ان کی فوج چڑھ آئے گی پھر کچھ بنائے نہ بنے گی۔ اور اگر ان سے جنگ ہی ہی کرنا ہی تو پیش دستی کرکے اوّل خود ہی حملہ کردو کہ اس کا اثر کچھ اور ہی۔ داؤد خاں نے ان باتوں کو غرض آلود سمجھ کر لودی خان کو قتل کرا کے اس کا سارا مال ضبط کر لیا۔[1]

شرائط صلح سے اکبر کی نارضامندی اور داؤد خاں کی بیزاری اور لودی خان کے قتل کا حال معلوم کرکے خان خانان لشکر گراں کے ساتھ پٹنہ پر چڑھ آیا۔ داؤد خاں نے سون اور گنگا کے ملاپ کی جگہ کے قریب مقابلہ کیا۔ لیکن اوّل ہی حملے کے بعد پسپا ہو کر قلعہ پٹنہ میں جس کو اس نے مرمت کرکے مستحکم بنا رکھا تھا قلعہ بند ہو گیا۔ خان خانان نے اس کا محاصرہ کیا۔ لیکن داؤد خاں کے سامان کو اپنے اندازے سے زیادہ دیکھ کر اکبر سے کمک کی استدعا کی اور خود بادشاہ سے بہ نفس نفیس اس مہم پر آنے کی درخواست کی۔[2]

---
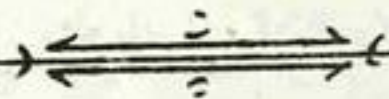
[1] طبقات اکبری جلد دوم صفحہ ۲۸۲ و بدایونی جلد دوم صفحہ ۱۷۵ اور تاریخوں میں بھی ہی۔

[2] بدایونی جلد دوم صفحہ ۱۷۶۔ طبقات اکبری جلد دوم صفحہ ۲۸۴ و اکبرنامہ جلد دوم صفحہ ۱۱۳۔

باب دوازدہم

بہار و بنگالے میں شہنشاہِ اکبر کی حکومت

(۱) پٹنہ میں اکبر کی آمد اور فتح ۹۸۲ھ (۱۵۷۴ء)

خان خانان کے التماس پر اکبر ۲۹ صفر ۹۸۲ھ (مطابق ۱۵ جون ۱۵۷۴ء) کو بذریعۂ کشتی آگرے سے روانہ ہوا۔ اس سفر میں شہزادوں اور بعض اہلِ حرم کے علاوہ راجا بھگوان داس، راجا مان سنگھ، شہباز خاں، راجا بیربل، قاسم خان امیرِ بحر وغیرہ وغیرہ انیس امرا ساتھ تھے۔ اس لیے متعدد بڑی بڑی کشتیاں خاص اہتمام سے تیار کرائی گئی تھیں اور شاہی فوج برابر بین خشکی کی راہ سے روانہ کی گئی تھی۔ ۲۳ ربیع الاول ۹۸۲ھ کو اکبر نے پریاگ پہنچ کر یہاں عالی شان عمارت تیار کرنے کا حکم دیا اور شہر کا نام الہ آباد رکھا اور ۲۵ ربیع الاول کو بنارس آکر شیر بیگ تواچی کو ایک سریع السیر کشتی میں روانہ کر کے اپنے پٹنہ آنے کے متعلق خان خانان کی صلاح دریافت کی۔ خان خانان نے جلد تشریف لانے کی صلاح دی۔ اس لیے ۲ ربیع الثانی کو عورتوں اور شہزادوں کو جونپور بھیج کر اکبر خود چوسا کی طرف روانہ ہوا۔ اس عرصے میں فوج بھی جو خشکی کی راہ سے روانہ ہوئی تھی۔ غازی پور کے قریب آگئی۔ ۸ ربیع الثانی کو چوسا پہنچ کر خان خانان کی تحریر سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ خان نیازی نے قلعہ

پٹنہ سے نکل کر باد شاہی فوج سے جنگ کی اور شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اکبر نے چوسا سے موضع دومنی (علاقہ بھوج پور) پہنچ کر قاسم خان کو خان خانان کے پاس روانہ کر کے دریافت کیا کہ اب کس راہ سے آنا مناسب ہے۔ خان خانان نے اطلاع دی کہ شاہی سواری بذریعے کشتی اور باقی لشکر براہِ خشکی چلا آئے۔ ۱۶ ربیع الثانی ۹۸۲ھ کو اکبر پٹنہ کے قریب پہنچا۔ خان خانان نے استقبال کر کے اس کو اپنی فرودگاہ میں ٹھیرایا اور بیش بہا نذریں پیش کیں [۱]

---

(۲) حاجی پور کی فتح ۹۸۲ھ

اب تک خان خانان نے ہر چند پورا زور لگایا تھا لیکن قلعہ پٹنہ مفتوح نہ ہوا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اہلِ قلعہ کو حاجی پور سے بذریعے کشتی تمام ضروریات بہم پہنچتی تھیں اور خان خانان اس کی روک تھام سے عاجز تھا۔ امرا سے مشورہ کر کے اکبر نے ۱۸ ربیع الثانی کو خان عالم چلمہ بیگ [۲] کو تین ہزار سپاہ اور لوازمات قلعہ گیری کے ساتھ متعدد کشتیوں پر حاجی پور روانہ کیا اور راجا گجپتی زمین دار صوبہ بہار کو بھی کمک میں تعینات کیا باوجودیکہ اس موسم (یعنی ماہ اگست) میں گنگا کا پاٹ کئی میل کا ہوتا ہے۔ خان عالم نے گنگا پار پہنچ کر خشکی و تری ہر دو طرف سے حاجی پور کا محاصرہ کیا۔

اکبر نے پٹنہ میں گنگا کے کنارے شاہم خان جلائر کے مورچے پر ایک

---

[۱] بداؤنی جلد دوم صفحہ ۱۷۹۔ طبقات اکبری جلد دوم صفحہ ۲۸۲۔ و اکبر نامہ جلد سوم صفحہ ۱۱۳

[۲] خان عالم چلمہ بیگ پسر ہمدانی کوکہ مرزا کامران برادر ہمایوں بادشاہ۔ اس کا حال ماثر الامرا میں موجود ہے۔

بلند ٹیلے سے جنگ کا معائنہ کرنا چاہا۔ لیکن دوری اور دھنواں اور گرد و غبار کے سبب کچھ صاف نظر نہ آیا اس لیے عصر کے قریب کچھ آدمیوں کو تین کشتیوں میں بٹھا کر تحقیق حال کے لیے روانہ کیا۔ پٹھان ان کشتیوں کو دیکھ کر متعدد کشتیوں پر مقابلے کو نکل آئے۔ لیکن یہ تینوں کشتیاں صحیح و سلامت خان عالم تک پہنچ گئیں۔ خان عالم نے حاجی پور فتح کر کے فتح خان بارہہ قلعہ دار اور اس کے ساتھیوں کے سر کاٹ کر اکبر کے پاس بھیج دیے[1]۔ اس فتح کی تاریخ حسب ذیل ہے۔

چتر شہ دین بہر کشاد پٹنہ ۔۔۔ انداخت چو سایہ در سواد پٹنہ
فی الحال رقم زد از پئ تاریخش ۔۔۔ نشی خرد فتح بلاد پٹنہ
۹۸۲ھ

(۳) داؤد خاں کا فرار اور اکبر کا تعاقب

اکبر نے فتح خان اور اس کے ساتھیوں کے سرداروں کو داؤد خاں کے پاس بھیج دیا کہ دیکھو اب تمھارا بھی یہی حال ہونے والا ہے۔ سروں کے مشاہدے سے داؤد خان کے پائے ثبات میں لغزش آگئی۔ اس نے فی الفور صلح کا پیام دیا لیکن اکبر نے جواب دیا کہ داؤد خاں تنہا آکر اعتذار کرے۔ یا اگر ہمت رکھتا ہے تو تنہا مجھ سے مقابلہ کرے۔ یہ بھی نہیں تو اپنے کسی سردار کو میرے کسی سردار سے تنہا لڑوا کر دیکھے یا کم از کم اپنا کوئی ہاتھی ہی میرے ہاتھی سے بھڑا کر دیکھ لے۔ جس طرف غلبہ ہو ملک اسی کا رہے[2]۔

باوجودیکہ اس وقت داؤد خاں کے پاس بیس ہزار سوار اور فیل و توپ خانہ

---

[1] طبقات اکبری جلد دوم ص ۲۸۵ ۔ بداؤنی جلد دوم ص ۱۷۹ ۔ اکبر نامہ جلد دوم ص ۱۳۷

[2] یہ مکالمہ ریاض السلاطین صفحہ ۱۵۸ میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔

سب کچھ موجود تھا۔ اس نے بزدلی کو راہ دی، اور ۲۱، ربیع الثانی روز یک شنبہ کو آدھی رات گئے کشتی پر سوار ہو کر قلعے سے نکل بھاگا۔ سریدھر بنگالی جس کو داؤد خاں نے بکرماجیت کا لقب دیا تھا، مال و خزانہ کشتی پر لاد کر پیچھے پیچھے ساتھ ہولیا اور گوجر خان نے فیلوں کو لے کر فتوحہ کی طرف سے خشکی کی راہ اختیار کی۔ ہل چل اور گھبراہٹ کے سبب کچھ لوگ دریا میں ڈوب کر ہلاک ہو گئے اور کچھ خندق اور گڑھوں میں گر کر ہاتھیوں سے پایمال ہو گئے۔

جس وقت گوجر خان پن پن ندی کے قریب (فتوحہ) پہنچا۔ آدمیوں کے ہجوم کے سبب پل بیچ سے ٹوٹ گیا۔ بھاگنے والوں نے بے بسی میں اپنے سامان اور ہتھیار پھینک دیے اور کسی طرح تیر کر پار ہو گئے۔ اکبرنامے میں مذکور ہے کہ دوسرے روز عوام الناس نے ندی میں اور ادھر اُدھر بہت سے ہتھیار اور اشرفیاں پائیں۔

آخر شب میں اکبر کو داؤد خاں کے فرار کا حال معلوم ہوا۔ علی الصباح بادشاہ نے دہلی دروازے (یعنی پچھم دروازہ) سے قلعے میں داخل ہو کر چار گھڑی قیام کر کے شہر میں امن و امان کی منادی کرائی۔ اس کے بعد خان خانان کو یہاں چھوڑ کر خود گوجر خان کے تعاقب میں سوار ہوا۔ پن پن ندی سے گزر کر اکبر نے موضع دریاپور (از پٹنہ بست و شش کردہ) پہنچ کر باگ روک لی۔ اور یہاں سے شہباز خاں میر بخشی اور مجنوں خان قاقشال کو گوجر خاں کی تلاش میں روانہ کیا۔ انھوں نے سات کوس آگے جا کر معلوم کیا کہ گوجر خاں افتاں و خیزاں نکل بھاگا۔ اکبر نے چھ دن دریاپور میں قیام کیا۔ اس اثنا میں خان خانان بھی پٹنہ سے یہاں چلا آیا۔ پٹنہ میں علاوہ اور مال غنیمت کے داؤد خاں کے چھپن ہاتھی شاہی فوج کے ہاتھ آئے تھے۔ اس تعاقب سے

چارسو ہاتھی اور بھی قبضے میں آگئے۔ اکبر نے اپنی ہمرکاب فوج سے دس ہزار سوار اور تمام کشتیاں جو ساتھ آئی تھیں خان خاناں کی کمک میں دے دیں۔ اور فوج کی تنخواہ میں تیس و چالیس فی صدی کا اضافہ کرکے خان خاناں کو تمام بہار و بنگالے کے بندوبست پر مامور کیا۔

دریاپورے واپس ہوتے ہوئے اکبر نے قصبہ غیاث پور میں چار روز قیام کیا۔ اور مظفر خان تربتی اور فرحت خاں کو قلعہ رہتاس کی طرف روانہ کرکے خود ۳ر جمادالاول ۹۸۲ھ کو قلعہ پٹنہ میں واپس آیا۔ اور دوسرے روز یہاں سے فتح پور بھٹہ جاکر ۹ر جمادی الاول کو جونپور واپس گیا۔[۵۱]

داؤد خاں کی اس شکست کی تاریخ مورخوں نے اس طرح لکھی ہے۔

ملک سلیمان ز داؤد رفت

۹۸۲

---

(۴) پنج پہاڑی کا ذکر

داؤد خاں کے فرار سے پہلے تاریخ ۲۵ر امرداد کو اکبر نے پٹنہ میں پنج پہاڑی پر چڑھ کر اطراف و حوالی قلعے کا معاینہ کیا۔ اس وقت پٹھانوں نے قلعے کے حصار اور برجوں سے توپیں چلائیں۔ لیکن اس حرکت المذبوحی سے کسی کو کوئی گزند نہ پہنچی۔ انگریز مورخوں نے اس پنج پہاڑی کا ذکر تاریخ ہند مرتبہ ELLIOT AND DAWSON جلد پانچ کے حوالے سے لکھا ہے۔ اور گورنمنٹ گزیٹر میں بھی اس کا ذکر ہے۔ لیکن ان سب کا ماخذ طبقات اکبری ہے۔ چوں کہ بداؤنی اس وقت اکبر کی فوج کے ساتھ خود پٹنہ میں موجود تھا۔ اور وہ لکھتا ہے کہ توپ کا ایک گولہ

---

۵۱ اکبر نامہ جلد سوم صفحہ ۱۳۲۔ بداؤنی جلد دوم صفحہ ۱۸۲۔ و طبقات اکبری جلد دوم صفحہ ۲۹۱

اس کے سر کے اُوپر سے گزر گیا۔ اس لیے اس کا بیان اس بارے میں زیادہ توجہ کے قابل ہی۔ خواجہ نظام الدین احمد مؤلف طبقات اکبری اور بداؤنی دونوں کا بیان بجنسہ اس جگہ نقل کیا جاتا ہی۔

(طبقات اکبری جلد دوم صفحہ ۲۹۲) دہم بتاریخ مذکور کہ ہیژدہم ماہ (ربیع الثانی سنہ ۹۸۲ھ) باشد حضرت شہریار جہان بعزم ملاحظہ قلعہ و اطراف وحوالی شہر بر فیل سوار شدہ بر پنج پہاڑی نام جائے کہ محاذی قلعہ واقع است برآمدند۔ و این پنج پہاڑی پنج گنبد بست کہ کفرہ در سوابق ایام بخشت پختہ برقطار ہم برآوردند۔ و آنحضرت اطراف و جوانب قلعہ را بہ نظر احتیاط ملاحظہ فرمودند۔ و افغانان راکہ از بالائے بازوے حصار و بروج قلعہ چشم بر چشم بادشاہی و کوکبہ شاہنشاہی افتاد و مرگ خود معائنہ نمودہ بہ یقین دانستند کہ طومار عمر شان پیچیدہ شد و نہال اُمید از بیخ افتادہ و باوجود آں حرکت المذبوحی نمودہ چند ضرب زن بجانب پہاڑی انداختند و از مطلق گزندے بہ ہیچ کس نہ رسیدہ۔

(بداؤنی جلد سوم صفحہ ۱۷۹) در شانزدہم ایں ماہ قریب پنج پہاڑی کہ بہ دو سہ کروہے پٹنہ پنج گنبد یست متقارب بلند کہ کفار سابق ہند خشت پختہ برآوردہ بودند و در منزل خان خانان نزول واقع شد۔ ...... (صفحہ ۱۸۰) و روز دیگر بر پنج پہاڑی برآمدہ نظر اجمالی بر قلعہ پٹنہ انداختہ اطراف و جوانب آنرا ملاحظہ فرمودند۔ و افغانان حرکت المذبوحی کردہ مرگ خود را نصب العین گردانیدند و توپ ہائے بزرگ می انداختند کہ از مسافت سہ کردہ در آردو می افتاد و توپے از بالائے سر فقیر کہ در خیمہ سید عبد اللہ خان چوگان بیگی (حاکم بیانہ) بجو بنہ می بودم گزشت و حق تعالیٰ نگہ داشت و چند روز مہلت یافتم

اگرچہ معلوم نیست کہ ایں اہمال تا کے خواہد بود۔

---

(۵) منعم خان خانان ۹۸۲-۹۸۳ھ (۷۴-۱۵۷۵ء)

پٹنہ کی فتح کے بعد منعم خان خان خانان سپہ سالار نے داؤد خاں کا تعاقب کیا۔ داؤد خاں نے پٹنہ سے فرار کر کے تلیا گڑھی کو مستحکم کیا اور یہاں سے ٹانڈہ پہنچا۔ خان خانان کی فوج نے دھاوا کر کے مونگیر، بھاگل پور اور کھل گانو تک قبضہ کر لیا۔ اور تھوڑے مقابلہ کے بعد تلیا گڑھی کو بھی فتح کر لیا۔ شاہی فوج کے پہنچنے کی خبر پاکر داؤد خاں نے ٹانڈہ سے بھی فرار کیا اور اڑیسہ جاکر سامانِ جنگ درست کرنے میں مشغول ہوا۔

پٹھانوں نے آک محل (راج محل) کی گھاٹیوں کو بہت مستحکم کر رکھا تھا۔ لیکن شاہی فوج نے غیر مسلوک راہ سے گزر کر ٹانڈہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ اور پٹھانوں کے ہٹ جانے پر محمد قلی خان برلاس نے ست گانو تک اپنے دخل میں لے لیا۔

خان خانان نے ٹانڈہ پر قبضہ ہو جانے کے بعد راجا ٹوڈر مل کو داؤد خاں کے تعاقب میں روانہ کیا۔ مقام مدارن پہنچ کر ٹوڈر مل نے کمک طلب کی اور خان خانان نے محمد قلی خاں برلاس۔ محمد قلی تو قبائی مظفر خان مغول وغیرہ کئی سرداروں کو ٹوڈر مل کی کمک میں روانہ کیا۔ اس اثنا میں داؤد خاں کا چچازاد بھائی جنید خان کرارانی جو اکبر کی ملازمت میں تھا۔ بھاگ کر داؤد خاں کی مدد کو بنگالے چلا آیا۔ خان خانان نے ابوالقاسم اور لشکر بہادر وغیرہ سرداروں کو موضع ہرپور کے قریب جنید کی مقاومت کے لیے

تعینات کیا۔ لیکن یہ دونوں جنید خاں سے مغلوب ہو کر مارے گئے۔ ٹوڈرمل نے اور بعض امرا کو ساتھ لے کر مقابلے کا قصد کیا۔ لیکن جنید خاں خود بھاگ کر جنگل کی طرف چلا گیا۔ ٹوڈرمل مدنی پور میں قیام کر کے آگے بڑھنے کے تہیہ میں تھا۔ اتفاقاً اسی زمانے میں محمد قلی خان برلاس نے بیمار ہو کر انتقال کیا۔ اور اسی کے بعد قیا خان گنگ کسی خفیف سبب سے رنجیدہ ہو کر شاہی فوج سے علیحدہ ہو گیا۔ خان خانان کو یہ حال معلوم ہوا تو شاہم خان جلائر، لشکر خان میر بخشی و خواجہ عبداللہ گجک کو راجا ٹوڈرمل کی کمک کے لیے روانہ کیا۔ اور یہ لوگ بردوان پہنچ کر راجا ندکور سے ملحق ہوئے۔ ٹوڈرمل نے سمجھا بُجھا کر قبا خان کو بھی ساتھ لے لیا۔ جاسوسوں نے اطلاع دی کہ داؤد خاں اہل و عیال کو کٹک میں چھوڑ کر خود جنگ کے تہیہ میں ہے۔ اس وقت خان خانان خود ٹوڈرمل سے آملا اور کوچ کر کے اڑیسہ کی طرف روانہ ہوا۔ پٹھانوں نے مقام بجھورہ ضلع بالاشور کے قریب خندق بنا کر جنگ کی تیاریاں کی تھیں۔ خان خانان کے پہنچنے پر خواہی نہ خواہی جنگ چھڑ گئی۔ ۲۰ ذیقعدہ ۹۸۲ھ (۳ مارچ ۱۵۷۶ء) کو طرفین نے صفیں آراستہ کیں [۵۱]۔

اس دفعہ پٹھانوں نے ایسی زبردست یورش کی کہ خان خانان کی فوج بالکل درہم برہم ہو گئی۔ عین معرکہ میں گوجر خاں نے قریب پہنچ کر خان خانان کو چند ضربِ شمشیر سے زخمی کیا۔ اور ہر چند خان خانان نے کوڑے سے اس کا جواب دیا لیکن پٹھان دھاوا کرتے ہوئے نصف میل تک بڑھ آئے۔ قریب تھا کہ شاہی فوج کو شکست ہو جائے۔ لیکن اتفاقاً کسی جانب سے ایک تیر آکر گوجر خان کے لگا۔ اور اس کے گرتے ہی پٹھانوں

---

۵۱ یہ جنگ ضلع بالاسور میں واقع ہوئی۔ غالباً تکروی نامی بستی کے قریب۔

نے پس پا ہو کر فرار کیا۔ ان کا سارا سامان خان خانان کے ہاتھ آیا[1]

(۶) داؤد خان اور خان خانان کی ملاقات و صلح

داؤد خان نے شکست کھا کر کٹک کی راہ لی۔ اور خان خانان نے خود زخم کے علاج کے لیے ٹھہر کر فوج کو داؤد کے تعاقب میں روانہ کیا۔ چند دنوں کے بعد خان خانان خود بھی کٹک کی طرف جا کر مہاندی کے قریب خیمہ زن ہوا۔ داؤد خاں نے دیکھا کہ صوبہ بہار جا چکا۔ بنگالے پر بھی شاہی فوج نے قبضہ کر لیا اڑیسہ بھی ہاتھ سے نکلا جاتا ہے۔ اور گوجر خان بھی اب نہ رہا۔ مجبوراً خان خانان کو پیام دیا کہ بنگالے کے وسیع ملک میں ایک گوشہ ہماری اوقات بسری کے لیے چھوڑ دیا جائے تو ہم بھی اس پر قناعت کر کے بادشاہ کے دولت خواہوں میں رہیں گے۔ راجا ٹوڈر مل اور بعض امرا کسی طرح صلح پر راضی نہ تھے۔ آخر بڑی ردوکد کے بعد خان خانان نے یہ فیصلہ کیا کہ داؤد خاں خود حاضر ہو کر حلفاً معاہدہ کرے۔

یکم محرم ۹۸۳ھ کو داؤد خاں بڑی شان و شوکت کے ساتھ حاضر ہوا۔ خان خانان نے بھی نہایت کروفر سے سر دربار استقبال کر کے اس کو اپنے برابر بٹھا لیا۔ داؤد خان نے یہ کہہ کر کہ جب آپ کو زخم لگا تو میں بھی سپاہ گری سے بیزار ہوں۔ اپنی تلوار کمر سے کھول کر خان خانان کے سامنے رکھ دی۔ خان خانان نے اس تلوار کو قورچی خانے میں رکھوا دیا۔ اور بڑی تواضع کے بعد داؤد خاں سے کہا کہ جب عہد کر کے بادشاہ کے دولت خواہوں میں شامل ہوئے تو میں

[1] طبقات اکبری جلد دوم صفحہ ۳۰۸ و ۳۰۹۔ براؤنی جلد دوم صفحہ ۱۹۵ و اکبر نامہ جلد سوم صفحہ ۱۸۵۔

اڑیسہ کو تمھارے خرچ کے لیے چھوڑ دیتا ہوں۔ اور بادشاہ بھی ضرور اس بات کو منظور کرے گا۔ اس کے بعد یہ کہہ کر کہ اب تم بندگانِ شاہی سے ہو۔ اپنی طرف سے ایک شمشیر مرصع داؤد خان کی کمر سے باندھ دی۔

---

(۷) خان خانان کی موت

صلح کے بعد اڑیسہ سے واپس آکر خان خانان نے بجائے ٹانڈہ کے گوڑ (لکھنوتی) سابق دار الحکومت بنگالے میں سکونت اختیار کی۔ اس کا خیال تھا کہ یہاں کی عظیم الشان عمارتوں کو درست کرائے اور مقام گھوڑا گھاٹ سے قریب رہ کر بنگالے کے فتنہ و فساد کی روک تھام کرے۔ لیکن یہاں اُ تے ہی آب و ہوا کی خرابی کے سبب سپاہی اس کثرت سے مرنے لگے کہ ان کی لاشیں اٹھانے والا کوئی نہیں ملتا تھا۔ ہر چند سرداروں نے خان خانان کو یہاں سے ہٹ جانے کی صلاح دی۔ لیکن اس نے کسی کی نہ مانی۔ آخر خود بھی بیمار ہو کر ۹ رجب ۹۸۳ھ کو انتقال کیا۔ امرا نے جو اس وقت یہاں موجود تھے۔ شاہم خان جلائر کو اپنا سردار بنا کر اکبر کو اس حادثے کی خبر دی۔

---

(۸) حسین قلی خان خان جہان ۹۸۳ھ تا ۹۸۶ھ

(۱۵۷۵ء-۱۵۷۸ء)

خان خانان کے مرنے کی خبر پاکر اکبر نے حسین قلی خان خان جہان حاکمِ پنجاب کو خان خانان کا قائم مقام نامزد کیا۔ خان جہان کو لاہور سے بنگالے

آنے میں کچھ دیر لگی۔ اگرچہ اکبر نے تاکیدی حکم بھیج کر زیادہ التوا کا موقع نہ دیا۔ لیکن اس اثنا میں اکثر شاہی امرا بنگالے کی وبا سے گھبرا کر پٹنہ و حاجی پور چلے آئے۔ اور داؤد خان نے خان خانان کے مرنے پر خود کو معاہدے کی پابندی سے آزاد سمجھ کر دوبارہ بنگالے پر قبضہ کر لیا۔

بہر حال خان جہان نے بنگالے آکر اول تیلیا گڑھی میں پٹھانوں کو شکست دی۔ اس کے بعد ٹانڈہ کے قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ داؤد خان راج محل کے قلعے میں متحصن ہو کر بادشاہی عمال سے برسر جنگ ہے اور اسی جگہ کے قریب خواجہ عبداللہ نبیرہ خواجہ عبداللہ احرار پٹھانوں سے لڑ کر مارا گیا۔ خاں جہان نے پوری کیفیت بادشاہ کو لکھ بھیجی۔ اور اکبر نے مظفر خان تربتی کو جو اس وقت چوسا سے تیلیا گڑھی تک تمام علاقوں کی نگرانی پر مامور تھا۔ صوبہ بہار کی فوج اور جاگیرداروں کو ساتھ لے کر خان جہان کی کمک کے لیے پہنچنے کا حکم دیا۔ اور آگرے سے پانچ لاکھ ترپی نقد اور متعدد کشتیوں میں غلے بھی لشکر کے خرچ کے لیے روانہ کیے۔

اتفاقاً اسی زمانے میں راجا گجپتی زمیندار صوبہ بہار نے صوبے میں بدامنی دیکھ کر آرہ کے تھانے پر چڑھائی کر دی۔ اور فرحت خان جاگیردار ضلع آرہ اور اس کے بیٹے میرک روائی کو قتل کر ڈالا۔ اور اس ضلع سے آمد و رفت کی راہ مسدود کر دی۔ اکبر ان واقعات سے خبردار ہو کر ۲۵ ربیع الآخر ۹۸۴ھ کو خود بنگالے کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن آگرے سے ایک ہی منزل طے ہوئی تھی کہ عبداللہ خان گیارہ دن میں بنگالے سے مژدۂ فتح اور داؤد خان کا سر لے کر پہنچ گیا۔ اس فتح کی کیفیت یہ ہے کہ ۱۵ ربیع الآخر ۹۸۴ھ کو مظفر خان صوبہ بہار سے پانچ ہزار سواروں کو ساتھ لے کر کھل گانو کے پاس خان جہان کے لشکر سے ملحق ہو گیا۔

خان جہاں ابھی مظفر خان اور راجا ٹوڈرمل اور سرداروں کو ساتھ لے کر جنگ کے تہیہ ہی میں تھا کہ داؤد خان نے قلعے سے برآمد ہو کر لڑائی چھیڑ دی۔ اتفاقاً خان جہان کی طرف سے توپ چلتے ہی پہلے گولے میں جنید خاں کی ٹانگ اُڑ گئی (آخر اس صدمے سے وہ دوسرے دن مر گیا) اور داؤد خاں کا ایک اور نامی سردار کالا پہاڑ بھی زخمی ہوا۔ پٹھانوں کی صفیں ایسی درہم برہم ہو گئیں کہ داؤد خاں کو باہر نکلنے کا راستہ نہ ملا۔ اور اس کا گھوڑا چہلہ میں پھنس گیا۔ اسی جگہ حسن بیگ نامی نے اس کو گرفتار کر کے خان جہان کے پاس حاضر کیا۔ داؤد خان نے پیاس کی شدت میں پانی طلب کیا تو کسی سپاہی نے جوتے میں پانی بھر کر پیش کیا۔ لیکن داؤد خاں نے ازراہِ خودداری نہ پیا۔ تب خان جہان نے اپنی خاص صراحی سے اس کو پانی پلایا۔ داؤد خان حسین خوش رو اور خوش اخلاق تھا اس لیے خان جہاں اس کو قتل کرنا نہ چاہتا تھا۔ لیکن امرا نے اصرار کیا کہ اس کے زندہ رکھنے میں فتنہ و فساد کا اندیشہ ہے۔ مجبوراً خان جہان نے قتل کا حکم دیا۔ داؤد کی گردن پر تلوار کی دو چوٹیں کچھ کارگر نہ ہوئیں تو سپاہیوں نے بے دردی سے اس کا سر کاٹ ڈالا۔ اور اس میں بھوسا بھر کر اور خوشبو مل کر عبداللہ خان کے ہاتھ بادشاہ کے پاس بھیج دیا[۱]۔ داؤد خان بہار و بنگالے کا آخری خود سر فرمان روا گزرا ہے۔ اول بار بنگالے سے بے دخل ہو کر پھر اس کے دوبارہ قابض ہو جانے سے ظاہر ہے کہ یہ ذی اثر اور ذی اقتدار حکمران تھا۔

خان جہان نے ۹۸۶ھ کے اختتام پر بنگالے میں بیمار ہو کر انتقال کیا۔ اس کے زمانے میں آصف خان (مرزا قوام الدین جعفر) پٹنہ میں شاہی ٹکسال کا افسرِ اعلیٰ مقرر ہوا تھا۔

---

[۱] بداؤنی جلد دوم صفحہ ۲۴۰ و طبقات اکبری جلد دوم صفحہ ۳۲۵ و اکبر نامہ حصہ سوم صفحہ ۱۵۳

(۹) مظفر خان تربتی ۹۸۷ھ تا ۹۸۸ھ (۱۵۷۹-۸۰ء)

خان جہان کے مرنے پر اوائل ۹۸۷ھ میں اکبر نے مظفر خاں کو جو اس وقت ہی دربار میں دیوان کے عہدے پر ممتاز تھا۔ بنگالے کا حاکم مقرر کیا۔ اور اس کے ساتھ رضوی خان کو بخشی اور حکیم ابوالفتح کو صدر اور رائے پتر داس و میر ادہم کو بہ شرکت یک دیگر بنگالے کا دیوان نامزد کیا۔

صوبہ بہار کے لیے اس کے کچھ پہلے ہی (شوال ۹۸۶ھ میں) ملا طیب دیوان صوبہ بہار و حاجی پور اور رائے پرکھوتم بخشی اور ملا مجدی (جو سابق میں سلیم شاہ کا پروانہ نویس تھا) امین اور شمشیر خان خواجہ سرا مہتمم خالصہ مقرر ہوا تھا۔ اور انھی دنوں میں معصوم خاں کابلی کوکہ مرزا حکیم (برادر اکبر شاہ) مرزا مذکور سے رنجیدہ ہو کر اکبر کی ملازمت میں آیا تھا۔ اکبر نے اس کو منصب پانصدی دے کر صوبہ بہار میں جاگیر دی تھی[1]

اس زمانے میں شاہی دیوان خانے سے حکم صادر ہوا کہ ہر ایک منصب دار اپنے منصب و جاگیر کے مطابق گھوڑے پیش کر کے داغ دلوائے۔ اور جو لوگ اپنی جاگیر کا استحقاق ثابت نہ کر سکیں ان کی جاگیریں ضبط کر لی جائیں۔ مزید برآں یہ ہوا کہ اکبر نے ایک خاص مذہب ایجاد کر کے اس کا نام مذہب الٰہی رکھا تھا۔ اور اسلام کے اکثر مناسک مثلاً نماز کی آذان تک کو ممنوع کر دیا تھا۔

---

[1] بداؤنی جلد دوم صفحہ ۲۶۵ - و طبقات اکبری جلد دوم صفحہ ۳۴۰ -

(۱۰) صوبۂ بہار و بنگالے میں بغاوت

صوبہ بہار کے شاہی عاملوں نے سفلہ پن اور زیادتی سے تمام سپاہ و رعایا کو برہم کر دیا۔ معصوم خان کابلی کی جاگیر بھی ضبطی میں آگئی تھی۔ وہ چار و ناچار باغیوں کا سرغنہ بن گیا[۱]

اکثر جاگیرداروں و سرداروں نے خفیہ سازش کر کے بجائے اکبر کے مرزا حکیم کو بادشاہ بنانا چاہا۔

علماء اور مذہبی پیشواؤں کا فرقہ بادشاہ کی بدمذہبی سے اس قدر بیزار تھا کہ ملا محمد یزدی نے جونپور سے فتویٰ صادر کیا کہ ایسے بے دین بادشاہ پر خروج واجب ہے۔ اور اس بنا پر محمد معصوم فیر نخودی و میر معز الملک و نیابت خان و عرب بہادر (جاگیردار سہسرام) نے میان سے تیغیں نکال کر تمام علاقوں میں جدال و قتال شروع کر دیا[۲]

مظفر خان نے بنگالے میں بابا قاقشال اور خالدی خان اور اکثر امراء کی جاگیریں بازیافت کر لی تھیں۔ اتفاقاً اسی زمانے میں روشن بیگ ملازم مرزا حکیم کابل سے آکر قاقشال کے گھر میں ٹھیرا ہوا تھا۔ مظفر خان نے شاہی حکم کے مطابق سرِ دربار اس کے قتل کا حکم دیا۔ اور بابا قاقشال سے بھی درشتی سے پیش آیا۔ قاقشالوں نے آزردہ ہو کر بغاوت پر کمر باندھی۔ اور سپاہ بھی

---

[۱] بداؤنی لکھتا ہے کہ سپاہے را رنجانیدہ معصوم خان را بزور باغی ساختند۔ [۲] بداؤنی جلد دوم صفحہ ۲۷۹، بعد کو اکبر نے ملا محمد یزدی کو جونپور سے اور قاضی یعقوب کو بہار و بنگالے سے طلب کر کے خفیہ ہلاک کرا دیا اور اسی طرح کا معاملہ اور علماء کے ساتھ بھی پیش آیا۔ کسی کی کشتی غرق ہو گئی۔ کسی کا کچھ پتا نہ ملا۔ عرب بہادر کا جاگیردار سہسرام ہونا مآثر الامرا صفحہ ۲۶۶ میں مذکور ہے۔

ان کی طرف دار ہو گئی۔

انھوں نے لکھنوتی میں مجمع کر کے لوٹ مار شروع کر دی۔ اور مظفر خان کا مال واسباب جہاں پایا اپنے قبضے میں کر لیا۔ مظفر خان نے کشتیاں فراہم کر کے حکیم ابوالفتح اور پتر داس کو ان کے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ لیکن یہ دونوں بزم کے یار تھے رزم سے آشنا نہ تھے۔

اکبر نے قاقشال کی بغاوت کا حال سُن کر مظفر خاں کو تہدیدی فرمان بھیجا کہ طائفہ قاقشال قدیم الخدمت دولت خواہوں میں ہیں۔ تم نے ان کو ناخوش کیا۔ اچھا نہ کیا۔ اب جس طرح مناسب ہو ان کی جاگیریں واپس کر کے ان کو راضی کر لو۔ یہ فرمان عین اس وقت پہنچا کہ مظفر خاں ان کا مقابلہ کر رہا تھا۔ قاقشالوں کو جب اس فرمان کی خبر پہنچی انھوں نے مظفر خاں کو پیام دیا کہ رضوی خان و پتر داس کو بھیج دو کہ عہد و پیمان کر کے ہماری خاطر جمعی کر جائیں۔

مظفر خان نے ان دونوں کو میر ابواسحاق کے ساتھ روانہ کیا۔ قاقشالوں نے ان تینوں کو مقید کر کے اور زوروں سے جنگ شروع کر دی[1]

---

(۱۱) معصوم خاں کابلی کی بغاوت

اُدھر بنگالے میں شاہی حکام باغیوں سے عاجز ہو رہے تھے۔ اِدھر بہار میں معصوم خاں کابلی عرب بہادر[2] اور سعید خاں بدخشی کو متفق کر کے

---

[1] بداؤنی جلد دوم صفحہ ۲۸۰ و طبقات اکبری جلد دوم صفحہ ۳۴۹۔ [2] ماثر الامرا میں عرب بہادر جاگیردار سہسرام کا حال یوں لکھا ہے کہ جب حسین قلی خان کے مرنے پر مظفر خاں نے اس کا مال واسباب دربار کو روانہ کیا۔ بہار سے محب علی خاں نے جبش خاں کو کچھ (بقیہ نوٹ صفحہ ۲۱۸ پر)

ملا طیب بخشی اور پرکھوتم سے مقابل ہوا، اور ان کو ہزیمت پہنچا کر بھاگنے پر مجبور کیا۔ چند دنوں کے بعد پرکھوتم نے ایک جمیعت فراہم کرکے چوسا سے آگے ان باغیوں کے مقابلے کا قصد کیا۔ لیکن عرب بہادر نے پیش دستی کرکے اول ہی حملے میں پرکھوتم کا کام تمام کردیا۔

بنگالے میں قاقشالوں نے بہار کی بغاوت کا حال سُن کر ان باغیوں سے خط کتابت شروع کی اور ان کو اپنی مدد میں بلا لیا۔ معصوم خاں کابلی جس کو شاہی مورخوں نے اس کے ہم نام معصوم فرنخودی کی طرح لفظ عاصی سے تعبیر کیا ہے۔ تیلیا گڑھی میں شمس الدین خان خوافی کو شکست فاش دیتا ہوا قاقشالوں سے جا ملا۔ اس وقت وزیر جمیل اور خان محمد بہبودی وغیرہ چند امرائے شاہی بھی مظفر خان سے ٹوٹ کر باغیوں سے مل گئے۔ مظفر خان عالمِ بے کسی میں ٹانڈہ کے قلعے میں متحصّن ہوا۔ اور باغیوں نے حکیم ابوالفتح وخواجہ شمس الدین خوافی وغیرہ کو بھی گرفتار کرلیا۔ لیکن انھوں نے کسی طرح خلاصی پاکر پاپیادہ

(صفحہ ۲۰۷ کا بقیہ نوٹ)

سواروں کے ساتھ اس قافلے کے ساتھ کردیا۔ اس کے چوسا پہنچنے پر عرب بہادر نے بعض ہاتھیوں کو بہ زور چھین لیا۔ اس کے بعد پرکھوتم دیوان سے جو بکسر میں سپاہ فراہم کررہا تھا۔ جنگ کرکے اس کو قتل کیا۔ اس کے دوسرے دن محب علی خاں کے پہنچنے پر عرب بہادر نے فرار کیا۔ پھر جب شہباز خاں صوبہ بہار آیا عرب بہادر نے دلپت او جینیہ زمین دار بھوج پور کے علاقے میں پناہ لی۔ شہباز خاں نے قلعہ بیجے گڑھ (از توابع رہتاس ضلع مرزاپور) کو سعادت خاں کے سپرد کیا۔ عرب بہادر نے دلپت زمین دار کو ساتھ لے کر سعادت خان سے جنگ کی۔ اور اس کو قتل کیا۔ پھر معصوم فرنخودی کی معیت میں اس نے دوبارہ شہباز خاں سے جنگ کی۔ اور بالآخر شکست کھاکر سنبل کی طرف چلا گیا۔ لیکن وہاں بھی نہ ٹھیر سکا اور بہار کی طرف واپس آیا۔ آخر میں خان اعظم سے شکست کھاکر جونپور آیا۔ اور ۹۹۴ھ میں مارا گیا۔

حاجی پور کی راہ لی۔ اب معصوم خان نے مظفر خان کو علی الاعلان پیام دیا
کہ میری ملازمت میں حاضر ہو یا اپنے عہدے سے دست بردار ہو کر مکہ معظمہ
چلے جاؤ۔ مظفر خان نے پوشیدہ آٹھ ہزار اشرفیاں بھیج کر اپنے ننگ و ناموس
کی حفاظت چاہی۔ اس سے باغیوں پر اس کا بھرم کھل گیا۔ انھوں نے
کسی حیلے سے اس کو قلعے سے باہر نکال کر عقوبت کے ساتھ قتل کر ڈالا[1]۔
اس کے مال و اسباب پر قبضہ کر کے تمام ملک بنگالہ و بہار کو آپس میں
تقسیم کر لیا۔ اور میرزا شرف الدین حسین کو (جو شاہی حکم کے بموجب کالپی
سے بنگالے لا کر مظفر خان کی قید میں رکھا گیا تھا) رہا کر کے سردار بنایا۔ باقی
واقعات سلسلۂ بیان میں ملتے جائیں گے۔

---

(۱۲) راجا ٹوڈر مل ۸۸-۹۸۹ھ (۱۱-۱۵۸۱ء)

اکبر کو ان حادثات کی اطلاع ملی تو راجا ٹوڈر مل کو بہار و بنگالے کا فتنہ و فساد
دفع کرنے کے لیے روانہ کیا۔ اور محمد صادق خان و ترسون خان و شیخ فرید خاں
بخاری و اُلغ خان حبشی و باقر و طبیب پسران طاہر خان و تیمور بدخشی اور چند امرا
کو بھی راجا مذکور کی مدد میں ساتھ کر دیا۔ اور محب علی قلعہ دار رہتاس و معصوم
فرنخودی حاکم جونپور اور تمام جاگیرداروں و زمین داروں کو بھی راجا کی کمک میں
رہنے کا حکم دیا۔ راجا ٹوڈر مل ابھی راہ ہی میں تھا کہ شاہم خاں جلائر نے سعید
بدخشی سے جنگ کر کے اس کو قتل کیا۔ راجا کے جونپور پہنچنے پر معصوم فرنخودی

---

[1] آٹھ ہزار اشرفیاں بھیجنے کا حال ریاض السلاطین میں مفصل مذکور ہے اور واقعات
طبقات اکبری و بدایونی و اکبر نامہ میں مذکور ہیں۔

حاکم جونپور تین ہزار سوار لے کر کمک کے لیے حاضر ہوا۔ لیکن اُس کے حرکات و سکنات سے بغاوت کے آثار نمایاں تھے۔ اس لیے راجا نے اس کو دم دلاسے میں رکھ کر بادشاہ کو اس کا حال لکھ بھیجا۔ مونگیر پہنچ کر راجا کو معلوم ہوا کہ باغی تیس چالیس ہزار سوار اور پانچ سو ہاتھی اور توپ خانہ و جنگی کشتیاں لے کر جنگ کو آمادہ ہیں۔ اس نے اپنے لشکر پر پورا اعتماد نہ ہونے کے سبب کھلے میدان میں مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا اور قدیم قلعے کے دور میں ایک اور قلعہ تیار کر کے موقعے کا منتظر رہا۔ چار مہینے تک راجا کو سخت کش مکش رہی۔ اور اس عرصے میں ہر روز طرفین سے کچھ آدمی مقابل ہو کر جنگ کرتے رہے۔ اس مدت میں اکبر نے تھوڑے تھوڑے وقفے کے ساتھ بدفعات لاکھ لاکھ رُپے کشتی کے ذریعے سے شاہی لشکر کے خرچ کے لیے راجا کے پاس روانہ کیے۔ اتفاقاً اسی زمانے میں خواجہ منصور دیوان ممالک شاہی نے ہمایوں قرلی و ترخان دیوانہ و معصوم فرنخودی کے ذمے بعض شاہی مطالبات عاید کر کے تہدیدی فرمان جاری کیے تھے اس لیے ہمایوں قرلی و ترخان دیوانہ آزردہ ہو کر باغیوں سے مل گئے۔ بہ ظاہر ٹوڈرمل کو کام یابی کی امید نہ تھی لیکن علاقے کے ہندو زمین داروں نے اس سے متفق ہو کر رسد کی ایسی روک تھام کی کہ باغیوں کو اناج ملنا دشوار ہو گیا۔ اور ٹانڈہ میں بابا قاقشال کی بیماری اور موت کے سبب جباری اور مجنوں قاقشال جو باغیوں کے رکن رکین تھے ٹانڈہ کی طرف چلے آئے۔

ان واقعات سے باغیوں کی جماعت میں سخت کم زوری آگئی۔ معصوم خاں کابلی ہٹ کر بہار چلا آیا۔ اور عرب بہادر نے ایلغار کر کے شاہی خزانے پر چھاپہ مارنے کے قصد سے پٹنہ کا رُخ کیا۔ اس کے پہنچتے ہی بہار خاں عرف سید عارف قلعہ پٹنہ میں متحصن ہو گیا۔ اور راجا ٹوڈرمل نے معصوم فرنخودی اور

بعض امراء کو اس کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ ان کے آنے پر عرب بہادر محاصرہ اٹھا کر راجا گجپتی کے علاقے میں چلا گیا۔ راجا ٹوڈرمل نے امراء کو ساتھ لے کر بہار میں معصوم خاں کابلی سے مقابلے کا قصد کیا۔ معصوم خاں نے آدھی رات کو شب خون مار کر صادق خان کے قراول باہ بیگ نامی کو ہلاک کیا۔ اور حتی المقدور جنگ کر کے بالآخر لوٹ مار کرتا ہوا عیسیٰ خان زمین دار اڑیسہ کی پناہ میں چلا گیا۔[1]

باغیوں کے آوارہ دشت ہوتے ہی شاہی فوج نے تیلیا گڑھی پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔

---

(۱۳) خان اعظم مرزا عزیز کوکہ ۹۸۸ھ تا ۹۹۲ھ (۱۵۸۳-۸۰ء)

بہار و بنگالے کی غداریوں سے اکبر نے اپنی پالیسی کی غلطیاں محسوس کیں۔ اس نے درشت خو خواجہ منصور کو تبدیل کر کے وزیر خاں ہروی کو شاہی دیوان مقرر کیا۔ اور اپنے برادر رضاعی خان اعظم مرزا عزیز کو جو بعض وجوہ سے اس وقت تک نظر بندی میں تھا آزاد کر کے پانچ ہزار سواروں کے ساتھ بہار و بنگالے کے نظم کے لیے روانہ کیا۔ اور مزید احتیاط کے لیے شہباز خاں کنبو کو بھی راجپوتانہ سے بلوا کر خان اعظم کی کمک میں تعینات کیا۔[2] خان اعظم نے حاجی پور میں قیام کر کے باغیوں کی خبر لینی شروع کی۔ اس عرصے میں شہباز خاں نے راجا گجپتی پر چڑھائی کر کے عرب بہادر کو اس کے علاقے سے نکال دیا۔ اس

---

[1] طبقات اکبری جلد دوم صفحہ ۳۵۲۔ و بداؤنی جلد دوم صفحہ ۲۸۴۔

[2] بداؤنی جلد دوم صفحہ ۲۸۵۔ و طبقات اکبری جلد دوم صفحہ ۳۵۴۔

سال (۹۸۸ھ) راجا ٹوڈرمل اور شاہی عملے بھی برسات گزارنے کو حاجی پور چلے آئے تھے۔ محمد معصوم فرنخودی نے جواب تک راجا کی معیت میں تھا بلا رخصت حاصل کیے جونپور واپس جاکر بغاوت شروع کی۔

دوسرے سال ماہ ذیقعد ۹۸۹ھ میں بہادر خاں پسر سعید بدخشی نے جو ترہت کا فوج دار رہ چکا تھا باغی ہوکر تمام زرِ محاصلات سپاہیوں میں تقسیم کرکے خود اپنے نام ترہت میں خطبہ و سکّہ جاری کیا۔ اس نے اپنے سِکّے میں حسب ذیل سجع درج کیا تھا[1]

بہادر ابن سلطان بن سعید ابن شہ سلطان
پسر سلطان پدر سلطان نبے سلطان بن سلطان

آخر خان اعظم کے نوکروں نے بہادر کو گرفتار کرکے قتل کیا۔

خان اعظم اور شہباز خاں نے حتی المقدور باغیوں کو شکست دے کر صوبہ بہار سے بدر کیا۔ اس اثنا میں اکبر کابل کے سفر میں تھا۔ اس کے واپس آنے پر ۹ محرم ۹۹۰ھ کو خان اعظم اور تمام امراء صوبہ بہار سے آگرہ واپس جاکر دربار میں حاضر ہوئے اور خان اعظم نے بہار و بنگالے کے احوال مشروحاً بیان کیے۔
اکبر نے خان اعظم کو معصوم خاں کابلی کے استیصال کے لیے بنگالے جانے کا حکم دیا۔ اور کابل سے جو شاہی فوج واپس آئی تھی اس کو بھی کمک میں ساتھ کردیا۔

خان اعظم اور امراء بہار کے فتح پور جانے پر صوبہ بہار میں میدان خالی پاکر باغیوں نے پھر اُدھم مچادی۔ معصوم خان کے ملازم خبسہ نامی نے ترخان

---

[1] سجع کا شعر بداؤنی جلد دوم صفحہ ۲۹۸ میں ناتمام درج ہے۔ ماثر الامراء صفحہ ۲۳۰ میں بھی اس کی کیفیت موجود ہے۔ شعر کی خوبی تو ایک طرف اس کے معنی بھی سمجھ میں نہیں آتے۔

دیوانہ و سرخ بدخشی کو ساتھ لے کر حاجی پور اور بعض علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ بالآخر صادق خان و محب علی خاں نے مقابلہ کر کے غبسہ کو قتل کیا۔

۹۹۱ھ میں باغیوں کا جتھا بالکل ٹوٹنے لگا۔ معصوم کابلی اور قاقشالوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور خان اعظم نے ان کو ملا کر بہار و بنگالے میں امن قائم کر لیا۔ توہت میں نور محمد پسر ترخان نے بھی سخت فساد پھیلا رکھا تھا۔ شاہی عملوں نے اس کو گرفتار کر کے فتح پور بھیج دیا۔ اور وہاں شاہی حکم کے مطابق نخاس میں قتل کیا گیا۔

خان اعظم نے شیخ فرید بخاری اور بعض امرا کو قتلو خان حاکم اڑیسہ کے پاس مصالحت کی غرض سے روانہ کیا لیکن تاریخوں سے کسی خاطر خواہ کام یابی کا پتا نہیں ملتا۔ باقی واقعات کو صوبہ بہار کی تاریخ سے کم تر تعلق ہے۔ خان اعظم نے آب و ہوا کی خرابی کے سبب بنگالے میں رہنا پسند نہ کیا۔ اس لیے اکبر نے شہباز خاں کو اُدھر روانہ کیا۔

---

(۱۴) شہباز خان ۹۹۲ھ تا ۹۹۶ھ (۸۴-۱۵۸۸ء)

خان اعظم کے زمانے میں شہباز خان کا ذکر گزر چکا ہے۔ بعض وجوہ سے اکبر نے اس کو نظر بند کر رکھا تھا۔ لیکن بنگالہ و اڑیسہ پر پورا شاہی تسلط نہ ہوا تھا۔ اس لیے اس نے شہباز خاں کو رہا کر کے بنگالے کی مہم پر روانہ کیا۔[۱] اکبر خود بھی اس مہم پر آنے کا قصد رکھتا تھا۔ لیکن الہ آباد میں اس کو شاہی فوج کی کام یابیوں کے اخبار ملے اس لیے وہیں سے لوٹ گیا۔ شہباز کی اڑیسہ

---

[۱] بداؤنی جلد دوم صفحہ ۳۲۳۔

میں پٹھانوں سے سخت کش مکش رہی۔ مگر خاص صوبہ بہار کے متعلق کوئی واقعہ قابلِ ذکر نہیں معلوم ہوتا۔

---

(۱۵) ریلف فچ RALF FITCH انگریزی سیاح کا بیان ۱۵۸۶ء و ۱۵۸۸ء

۱۵۸۶ء میں ریلف فچ نامی لندن کا رہنے والا تجارت پیشہ سیاح آگرہ سے پٹنہ آیا۔ اس نے اپنے چشم دید حالات کے سلسلے میں لکھا ہو کہ پٹنہ بہت بڑا اور طویل شہر ہو۔ مکانات زیادہ تر خام اور سادہ وضع کے ہیں[۱]۔ اور ان کے چھپر پھوس کے ہیں۔ سڑکیں وسیع ہیں۔ شہر میں روئی اور سوتی کپڑوں کی تجارت بہ کثرت ہو۔ شکر بھی افراط سے ملتی ہو۔ جو بنگالے اور تمام ہندستان میں بھیجی جاتی ہو۔ افیون اور غلے بھی بہت ملتے ہیں۔

آگے چل کر لکھتا ہو کہ میں نے پٹنہ میں ایک جعلی نبی کو دیکھا جو سرِ بازار گھوڑے پر اس طرح پھرتا ہو کہ گویا نیند سے سویا ہوا ہو، لوگ اس کے قدم کو چومتے اور اس کو بہت واجب التعظیم جانتے ہیں۔ لیکن بلاشک یہ مکار اور مفتری ہو۔ میں اس کو اسی حالت میں سوتا چھوڑ آیا۔ اس ملک کے لوگ اس قسم کے مکاروں کی بڑی عظمت کرتے ہیں (غالباً اس نے کسی ایسے فقیر کو دیکھا ہوگا جس کو عقیدت مند مجذوب سمجھتے ہیں)

---

[۱] واضح ہو کہ چھپر بند مکانوں کے متعلق بداؤنی جلد دوم صفحہ ۱۸۲ میں اس کے چند سال قبل پٹنہ کے چشم دید حالات میں لکھتا ہو کہ از جملہ غرایب ایں است کہ دراں ملک بعضے خانہا پیپر بندی را می گویند کہ بہ سی ہزار زرو چہل ہزار زر بمی برآید۔ باآں کہ چوب پوش باشد

پچ بہار و بنگالے کی بغاوت کے زمانے کے قریب آیا تھا۔ اس نے یہ بھی لکھا ہو کہ پٹنہ سے بنارس تک لٹیروں کے سبب راہ نہایت خطرناک ہو۔

---

(۱۶) راجا مان سنگھ ۹۹۷ھ تا ۱۰۱۴ھ (۱۵۸۹ء - ۱۶۰۵ء)

۹۹۷ھ میں اکبر نے راجا مان سنگھ کو بہار و پٹنہ و حاجی پور کا حاکم مقرر کیا۔ اور دوسرے سال بنگالہ بھی اس کی حکومت میں شامل کر دیا گیا[۱]

مان سنگھ نے حاجی پور آکر اوّل راجا پورن مل کی خبر لی۔ پورن مل نے پوری شکست کھائی۔ اور اپنی سرکشی پر کفِ افسوس مل کر سارا مال و اسباب راجا کے سامنے پیش کر دیا۔ راجا نے اس کی زمینداری اس کو واپس کر دی۔

مان سنگھ کے زمانے میں بنگالے کے باغیوں نے پھر کچھ فتنہ و فساد برپا کرنا چاہا۔ اس لیے مان سنگھ نے اپنے بیٹے جگت سنگھ کو اُدھر روانہ کیا۔ جگت سنگھ کے پہنچنے پر باغی اپنا سارا سامان گھوڑا گھاٹ میں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اور ان کے چوّن ہاتھی اور اکثر سامان آگرہ بھیج دیا گیا۔

مان سنگھ کو بنگالے کی آب و ہوا موافق نہ آئی۔ اس لیے اُس نے صوبہ بہار ہی میں قیام کیا۔ کچھ دن پٹنہ کے قلعے کو مرمت کر کے یہاں ٹھیرا اور اس کے بعد قلعہ رہتاس میں عالی شان عمارتیں اور باغ آراستہ کر کے وہاں سکونت اختیار کی[۲] قلعہ رہتاس میں اس کے وقت کی ۱۰۰۰ھ کی بنی ہوئی عمارت پر کتبہ موجود ہو۔

---

[۱] بداؤنی جلد سوم صفحہ ۳۶۲

[۲] منتخب اللباب (خافی خان) جلد اوّل صفحہ ۲۴۷

سنہ ھ میں مان سنگھ نے اڑیسہ پر فوج کشی کی۔ اول پٹھانوں نے راجا کے بیٹے جگت سنگھ کو گرفتار کر لیا تھا۔ لیکن قتلو خان کے مرنے پر انھوں نے جگت سنگھ کو راجا کے پاس واپس بھیج دیا۔ اور اس کے بعد ہی راجا نے اڑیسہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ راجا مان سنگھ کی بہن شہزادہ سلیم (جہاں گیر) کے عقد میں آئی تھی۔ جب اس کے بطن سے شہزادہ خسرو پیدا ہوا اور مان سنگھ مبارک باد کو دربار میں حاضر ہوا تو اکبر نے صوبہ اڑیسہ کو خسرو کی جاگیر مقرر کر کے مان سنگھ کے بھانجے کی نیابت سپرد کی۔

مان سنگھ ۱۰۱۲ھ تک بہار و بنگالے کا صوبے دار رہا۔ اس مدت میں اس نے اکثر صوبہ بہار یا اجمیر میں قیام کیا۔ اور اپنے نائبوں کے ذریعے سے بہار و بنگالے کا نظم جاری رکھا۔ اسٹوارٹ صاحب اپنی تاریخ میں اس کے مداح ہیں۔ اور جہاں گیر نے تزک میں اس کی بے اخلاصی کی بے حد شکایت کی ہے۔ لیکن اس کی حکومت کے متعلق کوئی شکایت معلوم نہیں ہوتی۔

راجا مان سنگھ کے زمانے میں اکبر نے یعقوب خاں سلطانِ کشمیر اور اس کے بیٹے یوسف کو جلاوطن کر کے صوبہ بہار میں رکھا تھا۔ بدائونی کا بیان ہے کہ ان دونوں نے مالیخولیا میں مبتلا ہو کر یہیں انتقال کیا۔

---

(۱۷) سعید خان مغل کا ذکر

راجا مان سنگھ کے زمانے میں سعید خان مغل بہ طور نائب بہار و بنگالے میں حکومت کرتا تھا۔ کچھ عرصے تک سعید خاں پٹنہ کا فوج دار بھی تھا۔ قصبہ بہار میں اس کی بنوائی ہوئی ایک مسجد بھی ہے۔ ۱۰۰۲ھ میں سعید خاں نے عیسیٰ خاں

زمیندار بنگالے کی جانب سے بہت سا مال اور ہاتھی اکبر کے پاس بطور پیش کش روانہ کیے۔[1]

---

(۱۸) آصف خان جعفر بیگ ۱۰۱۳ھ (۱۶۰۴ء)

۱۰۰۹ھ سے شہزادہ سلیم (جہاں گیر) نے باپ کی مرضی کے خلاف الٰہ آباد آکر خود مختارانہ حکومت شروع کی۔ اور کالپی سے حاجی پور و بہار تک تمام علاقوں کو اپنے مصاحبوں کی جاگیر مقرر کر دیا۔ جو آیندہ مذکور ہو گا۔ بعد میں شہزادہ نادم ہو کر باپ کے پاس حاضر ہوا۔ تو باپ نے چند روز ۱۳ اکو محل میں نظر بند رکھ کر گجرات کی حکومت کے لیے نام زد کیا۔ اور آصف خان، صوبہ بہار کی حکومت پر مامور کیا۔ اس کا اصل نام قوام الدین جعفر بیگ تھا۔ سابق میں ۹۹۰ھ کے قریب یہ پٹنہ کی ٹکسال کا افسرِ اعلیٰ تھا۔ اور مظفر خان تربتی کے زمانے میں باغیوں نے اس کو بھی گرفتار کر لیا تھا۔ لیکن اس نے کسی طرح مخلصی پائی۔ باغ بانی کا بے حد شائق تھا۔ اکثر اپنے ہاتھوں میں کدال لے کر کیاریوں میں گلاب کے پودے اور تخم لگایا کرتا تھا۔[2] عجب نہیں پٹنہ سے تین میل مشرق میں باغ جعفر خان اسی کی یادگار ہو۔ کیوں کہ آصف خان بعد کا خطاب ہے۔ اس کے پٹنہ آنے کے بعد ہی اکبر نے انتقال کیا۔ اور جہاں گیر بادشاہ ہوا۔ آصف خاں جہاں گیر کی مبارک باد کے لیے آگرے گیا۔ اور اس کی جگہ پر یہاں دوسرا صوبے دار مقرر ہوا۔

---

[1] بداؤنی جلد دوم صفحہ ۳۰۲ - [2] مآثر الامرا جلد اول صفحہ ۳۸۲ -

باب سیزدہم

جہانگیر بادشاہ کا دور ۱۰۱۴ھ تا ۱۰۳۶ھ

(۱) قطب الدین خان کوکلتاش ۱۰۰۹ھ (۱۶۰۱ء)

۱۰۰۹ھ میں شہزادہ سلیم نے (جو بعد میں جہانگیر بادشاہ ہوا) اپنے باپ کی مرضی کے خلاف الہ آباد آکر خود مختارا حکومت شروع کی اور کالپی سے حاجی پور تک متصرف ہو کر اکثر حصص ممالک کو اپنے خاص امرا اور مصاحبوں کی جاگیر مقرر کر دیا۔ اسی سلسلے میں صوبہ بہار قطب الدین خان (نواسہ حضرت شیخ سلیم چشتی) کی جاگیر قرار پایا[۱]۔ یہ وہی قطب الدین خاں ہے جو ۲ صفر ۱۰۱۵ھ کو بردوان میں علی قلی شیر افگن شوہر مہر النسا کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اس واقعے کے متعلق بہت کچھ افسانے مشہور ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ قطب الدین خاں نے جہانگیر بادشاہ کے ایماسے شیر افگن کو یہ صلاح دی تھی کہ مہر النسا کو طلاق دے کر فوراً آگرے بھیج دے۔ واقعہ کی اصلیت جو کچھ ہو، بہ ظاہر بات کی بات میں قطب الدین اور شیر افگن میں ایسی بگڑ گئی کہ آناً فاناً تلوار چل گئی۔ اور دونوں مقتول ہوئے۔ قطب الدین کا کوئی ملکی انتظام کرنا معلوم نہیں ہوتا اور بہار کی جاگیرداری بھی برائے نام ہی تھی۔

---

[۱] تزک جہانگیری صفحہ ۹۔

۱۰۰۸ھ میں رائے کشور دیوان مبلغ تیس لاکھ روپے حاصل خالصات صوبہ بہار سے آگرہ کو لے جاتا تھا۔ شہزادہ سلیم نے یہ رقم چھین کر اپنے تصرف میں لے لی۔[1]

---

(۲) شریف خان ۱۰۱۲-۱۳ھ (۱۶۰۳-۰۴ء)

کچھ دن آزادانہ حکومت کرکے ۱۰۱۲ھ میں جب شہزادہ سلیم نے بالآخر باپ کی ملاقات کا قصد کیا۔ اس وقت اپنے معتمدوں میں سے شریف خان (پسر خواجہ عبدالصمد شیریں قلم) کو صوبہ بہار کا نظم و نسق سپرد کیا۔ اکبر کے مرنے پر ۲۰ رجب ۱۰۱۴ھ کو جہانگیر تخت نشین ہوا۔ اس وقت شریف خان بھی دربار میں حاضر ہو کر منصب پنج ہزاری اور خطاب امیرالامرائی سے سرفراز ہوا۔[2] واضح ہو کہ جہانگیر جب باپ کے پاس حاضر ہوا اکبر نے اس کو چند دن نظر بند رکھ کر گجرات جانے کا حکم دیا اور آصف خان کو بہار کا صوبے دار مقرر کیا تھا جو سابق سطور میں مذکور ہو چکا ہے۔

---

[1] تزک جہانگیری صفحہ ۹۔ [2] تزک جہانگیری صفحہ ۷۔ یہ اصل عبارت یہ ہے:-

"شریف خاں کہ از خرد سالگی با من کلاں شدہ و در ایام شہزادگی او را خطاب خانی دادہ بودم در وقتیکہ از الہ آباد متوجہ خدمت پدر بزرگوار خود شدم۔ نقارہ و تومان و توغ بدو مرحمت نمودہ بہ منصب دو ہزاری و پانصدی او را سرفراز نمودہ و حکومت و دارائے صوبہ بہار و حل و عقد آن ولایت بہ قبضہ اختیار او گذاشتہ بہ آنصوب مرخص گردانیدم۔"

(۳) جہانگیر قلی خان ۱۰۱۴ھ تا ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۵-۱۶۰۶ء)

جہانگیر بادشاہ نے تخت نشین ہونے کے ایک مہینے بعد جہانگیر قلی خان کو بہار کا صوبے دار مقرر کیا۔ جہانگیر قلی کا اصل نام لالہ بیگ تھا۔ اس کا باپ نظام خان ہمایوں بادشاہ کا کتاب دار تھا اور لالہ بیگ بچپن ہی سے جہانگیر کی خدمت میں تھا۔

صوبہ بہار میں جہانگیر قلی خاں کو سنگرام نامی راجا سے جو چار ہزار سوار اور بے شمار پیادے رکھتا تھا سخت معرکہ پیش آیا۔ اس راجا کا علاقہ بھی ناہموار مقام میں واقع تھا۔ بالآخر جہانگیر قلی خاں کو فتح ہوئی اور راجا مذکور مارا گیا۔ اس فتح کے صلے میں جہانگیر قلی خاں کا منصب چہار ہزار و پانصدی کر دیا گیا۔[۱]

قطب الدین خان کوکلتاش کے مارے جانے کی خبر بادشاہ کو اول اول جہانگیر قلی خان ہی کے خط سے معلوم ہوئی جو اس نے اسلام خان کو آگرے میں لکھ بھیجا تھا۔[۲] اسی کے بعد جہانگیر قلی خاں قطب الدین خان کی جگہ پر بنگالے کا صوبے دار ہوا۔ لیکن وہاں جا کر تھوڑے ہی دنوں میں اس جہان سے گزر گیا۔ آدمی دیانت دار، وفادار اور قوی الجثہ تھا۔[۳]

پٹنہ میں اسپریل بنک کے احاطے میں پچھم جانب ایک بلند قبر ہے جو جہانگیر قلی خاں کی قبر کہی جاتی ہے۔ لیکن اس صوبے دار کا یہاں مدفون ہونا

---

[۱] تزک جہانگیری صفحہ ۱۰ و ۴۰ و جہانگیر نامہ صفحہ ۲۳ (راجا سنگرام کے بیٹے راجا روز افزوں کا حال ابراہیم خان فتح جنگ کے حالات کے بعد مذکور ہوگا۔

[۲] تزک جہانگیری صفحہ ۵۵ ۔ ۔ ۔ ، ماثر الامرا

کسی تاریخ میں مذکور نہیں اور قبر پر کوئی کتبہ بھی نہیں ہے۔

---

(۴) نواب اسلام خان ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۶ء)

جہانگیر قلی خان کے بنگالے جانے پر اسلام خاں بہار کا صوبے دار مقرر ہوا۔[1] اس کا اصل نام علاء الدین تھا اور حضرت شیخ سلیم چشتی کا نواسہ تھا۔ جہانگیر نے اس کو اسلام خان کے خطاب سے مخاطب کیا۔ اس صوبے دار کے زمانے میں ارادت خان برادر آصف خان کو صوبہ پٹنہ و حاجی پور کی بخشی گری مرحمت ہوئی۔ اور اسی کے ہاتھ بادشاہ نے اسلام خان کے لڑکے کے لیے شمشیر مرصع روانہ کی۔[1] اسی زمانے میں پے در پے طلبی کے فرمان آنے پر راجا مان سنگھ نے قلعہ رہتاس (صوبہ بہار) سے واپس جاکر ستو زنجیر فیل پیش کش کیے۔ جہانگیر اپنے روزنامچے (تزک جہانگیری صفحہ ۶۶ و ۸۰) میں لکھتا ہے کہ ان میں سے ایک ہاتھی بھی شاہی فیل خانے کے لائق نہ تھا۔

جہانگیر قلی خان کے مرنے پر اسلام خان بنگالے کا صوبے دار ہوا۔ بہار کی صوبے داری کے متعلق اس کا کوئی خاص واقعہ معلوم نہیں لیکن بنگالے جاکر اس نے بڑے بڑے کارنمایاں کیے۔

---

(۵) افضل خان ۱۰۱۶ھ تا ۱۰۲۱ھ (۱۶۰۷ء-۱۶۱۱ء)

اسلام خاں کے بنگالے جانے پر عبدالرحمٰن مخاطب بہ افضل خان (پسر

---

[1] تزک جہانگیری صفحہ ۱۳ و ۵۷ و جہانگیر نامہ صفحہ ۳۔

علامہ ابوالفضل) نے بہار کی صوبے داری پائی۔ اسی زمانے میں کشور خاں اپسر قطب الدین خان کوکلتاش کو رہتاس کی قلعہ داری تفویض ہوئی[۵۱]

راجا سنگرام جس کا مارا جانا جہانگیر قلی خان کے حالات کے ساتھ مذکور ہوا، اس کا علاقہ ایک سال کے لیے اسلام خاں کی جاگیر میں دے دیا گیا تھا۔ اب دوسرے سال کے لیے افضل خان کی جاگیر مقرر ہوا[۵۲]

اس زمانے میں صفدر خاں بھی صوبہ بہار میں کسی عہدے پر ممتاز تھا۔ ۲۲ ذیقعدہ ۱۰۱۷ھ کو بہار سے واپس جا کر اس نے ایک ہاتھی اور سو اشرفیاں بہ طور پیش کش بادشاہ کی نذر کیں[۵۳]

ابتدائے سال جلوس میں جہانگیر نے خواجہ سرا بنانا یا ان کی خرید و فروخت کرنا بذریعہ فرمان اپنی مملکت میں ممنوع کر دیا تھا۔ افضل خان نے اپنی صوبے داری میں دو شخصوں کو اس جرم میں گرفتار کر کے شاہی دربار کو روانہ کیا۔ بادشاہ نے ان کو حبس دوام کی سزا دی[۵۴]

افضل خاں کے زمانے کا عجیب و غریب واقعہ پٹنہ میں جعلی خسرو کا ہنگامہ ہے جو آیندہ سطروں میں مفصل مذکور ہو گا۔ افضل خان ۱۰۲۱ھ تک بہار میں صوبے دار رہا۔ اسی سال ۱۶ محرم کو اس کی پیش کش شاہی دربار میں پہنچی۔ اس میں تیس ہاتھی، ساٹھ گھوڑے، بنگالے کے نفیس کپڑے، چوب صندل و عود اور مشک کے نافے وغیرہ تھے[۵۵] ۹ محرم ۱۰۲۲ھ کو افضل خان صوبہ بہار سے واپس جا کر دربار میں حاضر ہوا[۵۶]

---

[۵۱] جہانگیر نامہ صفحہ ۲۴ و ۲۶ - تزک جہانگیری صفحہ ۶۹ - [۵۲] تزک جہانگیری صفحہ ۷۰ - [۵۳] تزک جہانگیری صفحہ ۸۰ - [۵۴] تزک جہانگیری صفحہ ۸۱ [۵۵] تزک جہانگیری صفحہ ۱۰۱ - [۵۶] تزک جہانگیری صفحہ ۱۲۶ تھیونو فرانسیسی سیاح جو شاہجہاں کے عہد میں (بقیہ نوٹ ص۲۳۰ پر)

(۶) پٹنہ میں جعلی خسرو کا ہنگامہ ۱۰۱۸ھ (۱۶۱۰ء)

۱۰۱۸ھ میں افضل خان صوبے دار بہار قلعہ پٹنہ کو شیخ حسین بنارسی و غیاث بیگ دیوان اور چند متصدیوں کے سپرد کر کے خود اپنی جاگیر کے انتظام کے لیے گورکھپور کی طرف گیا تھا۔ اتفاقاً قطب نامی ایک مجہول الاصل پٹھان ساکن اوچھ جو شاید شہزادہ خسرو پسر جہانگیر سے کچھ مشابہت رکھتا تھا، درویشانہ وضع بنا کر اول بھوج پور کی طرف آیا اور وہاں سے چند فتنہ پندوں کو متفق کر کے پٹنہ چلا آیا۔ اس نے خود کو شہزادہ خسرو بتا کر بیان کیا کہ میں شاہی قید خانے سے نکل کر آیا ہوں اگر تم لوگ میرا ساتھ دوگے تو آیندہ تم کو دولت و حکومت میں شریک کروں گا۔ اس کے چہرے پر کوئی نشان تھا اس کو اس نے آنکھوں پر کٹوری باندھنے کا نشان بتایا۔ بھوج پور سے بعض بھارجے ساتھ آئے تھے۔ شہر پٹنہ کے بعض نکمے لفنگے اس کے ساتھ ہو گئے۔ لوگوں نے شاہزادہ خسرو کا بغاوت کرنا اور قید ہونا سُنا ہی تھا۔ عوام الناس نے یقین کیا کہ دراصل یہ شہزادہ خسرو ہے۔ اس پٹھان نے سوار اور پیادوں کی ایک جمعیت فراہم کر کے قلعہ پٹنہ کا رُخ کیا۔ شیخ بنارسی اور غیاث بیگ دیوان سے گھبراہٹ میں کچھ بن نہ آئی۔ قلعے کے دریچے سے نکل کر کشتی پر سیدھے گورکھپور افضل خاں کے پاس چلے گئے۔ یہاں مفسدوں نے میدان خالی پا کر قلعے پر قبضہ کر لیا۔ اور افضل خاں کا سارا سامان اور شاہی خزانہ لوٹ لیا۔ جب افضل خان

(صفحہ ۲۲۹ کا بقیہ نوٹ) ہندستان آیا تھا۔ اپنے سفرنامے میں پٹنہ کے حالات میں لکھتا ہے کہ میں نے یہاں ۳، ۴ مشک کے نافے خرید کیے۔ عموماً بھوٹیے اور نیپالی نافے لاکر فروخت کرتے تھے۔

کو حقیقت حال سے آگاہی ہوئی۔ فوراً فوج لے کر پٹنہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس کی خبر پاکر بدمعاشوں نے اپنے کچھ آدمی قلعے میں متعین کر دیے اور باقی جتھے کو ساتھ لے کر پن پن ندی کے کنارے فوج آراستہ کر کے آمادۂ پیکار ہوئے لیکن افضل خان کے مقابلے کی تاب نہ لاکر پھر قلعے میں واپس آئے۔ افضل خان بھی متعاقب آپہنچا تو انھوں نے اس کے مکان میں بند ہو کر اندر سے تیر چلانے شروع کیے۔ اور تیس آدمیوں کو ہلاک کیا۔ بالآخر سہ پہر تک ان کو منتشر کر کے افضل خان نے جعل ساز کو گرفتار کیا اور فی الفور قتل کر ڈالا[1]۔ یہ واقعہ ۴ صفر ۱۰۱۹ھ کا ہے۔

جہانگیر کو اس واقعہ کی اطلاع پہنچی تو حکم دیا کہ شیخ بنارسی وغیرہ جن جن شاہی عاملوں سے قلعے کی حفاظت میں غفلت اور نامردی ظاہر ہوئی، ان کے سر اور داڑھیاں اور مونچھیں منڈوا کر اور ڈھنی اڑھا کر الٹے گدھے پر سوار کر کے روانہ کرو۔ اور راہ میں شہروں اور قصبوں سے گزرتے ہوئے ان کو اسی ہئیت سے پھراؤ کہ دوسروں کو عبرت ہو[2]۔

---

(۷) ظفر خان ۱۰۲۲ھ تا ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۳-۱۴ء)

افضل خان کے بعد ظفر خان کو بہار کی صوبے داری تفویض ہوئی ظفر خان بادشاہ کے کوکہ زادوں میں تھا۔ جہانگیر لکھتا ہے کہ ظفر خان کو

---

[1] و [2] تزک جہانگیری صفحہ ۸۴ و ۸۵۔ جہانگیر نامہ صفحہ ۴۲ - ۴۴۔ ایسٹ صاحب کی تاریخ ہند جلد ششم صفحہ ۳۲۱ میں بھی مذکور ہے۔ سنہ عیسوی کے مطابق یہ واقعہ ۱۸ اپریل ۱۶۱۰ء کا ہے۔

آرزو تھی کہ کوئی خدمت علیحدہ سپرد ہو کہ وہ اپنی کارگزاری دکھا سکے اور میں بھی چاہتا تھا کہ اس کی آزمائش کروں۔ اس لیے اس کو سہ ہزاری منصب دے کر بہار کا صوبے دار مقرر کیا۔[1]

---

(۸) ابراہیم خان فتح جنگ ۱۰۲۲ھ تا ۱۰۲۵ھ ۱۶۱۳-۱۲ء

ظفر خان کے تبدیل ہونے پر ۲۲ صفر ۱۰۲۳ھ کو جہانگیر نے ابراہیم خان کو خلعت و اسپ و خنجر مرصع دے کر بہار کی صوبے داری عنایت کی۔ چند دنوں کے بعد ابراہیم خان کے لیے ایک فیل بھی دربار سے روانہ کیا گیا۔[2]

اس زمانے میں میرک حسین اخویش خواجہ شمس الدین اصوبہ بہار کی بخشی گری و وقائع نویسی پر مقرر ہوا۔[3]

ابراہیم خان کے عہد میں ایک منصب دار ہشت صدی نظام الدین خان بھی تھا جو کسی شاہی عہدے پر اس صوبے میں متعین ہوا تھا۔[4]

ابراہیم خان کے زمانے کے اور واقعات جو تاریخی اہمیت سے خالی نہیں حسب ذیل ہیں۔

---

[1] تزک جہانگیری صفحہ ۱۱۴ و صفحہ ۱۵۱۔

[2] تزک جہانگیری صفحہ ۱۲۱ و ۱۲۲

[3] تزک جہانگیری صفحہ ۱۳۲

[4] تزک جہانگیری صفحہ ۱۵۸

(۹) راجا روز افزوں پسر راجا سنگرام کی واپسی

راجا سنگرام کا علاقہ جہانگیر قلی خان کے زمانے میں فتح ہوا تھا۔ اور ایک سال کے لیے اسلام خاں کو اور دوسرے سال افضل خان کو بہ طور جاگیر مرحمت ہوا تھا۔ سنگرام کا بیٹا راجا روز افزوں مشرف بہ اسلام ہو کر جہانگیر کے دربار میں رہتا تھا۔ سنہ ۱۰۲۴ھ میں جہانگیر نے راجا سنگرام کا تمام علاقہ اس کے بیٹے روز افزوں کو واپس کر کے وطن جانے کی رخصت دے دی اور ایک ہاتھی مرحمت کیا۔ روز افزوں صوبہ بہار کے معتبر راجاؤں اور بادشاہ کے قدیم الخدمت معتمدوں میں تھا۔ جب شہزادہ خرم نے بغاوت کی تو جہانگیر نے اول اسی راجا روز افزوں کو شہزادے کی فہمایش کے لیے روانہ کیا تھا[۱]

---

(۱۰) فتح ولایت کوکھرہ اور ہیرے کی کان کا حال

ابراہیم خان نے ولایت کوکھرہ فتح کر کے ہیرے کی کان دریافت کی۔ ولایت کوکھرہ سے صوبہ بہار کے متصل چھوٹا ناگپور کا جنگلی علاقہ مراد ہے۔ بریڈلی برٹ (BRADLYT. I. C. 6) اپنی کتاب میں صرف اس قدر لکھتا ہے کہ جہانگیر نے اپنے روزنامچے میں چھوٹا ناگپور کو کوکھرہ لکھا ہے۔ تزک جہانگیری میں جہانگیر لکھتا ہے کہ "توابع صوبہ بہار میں ولایت کوکھرہ ہے۔ یہاں ایک پہاڑی نالے میں پتھروں اور کنکریوں کے ساتھ الماس کے ٹکڑے بھی پائے جاتے ہیں۔ لوگوں کو تجربے سے معلوم ہے کہ نالے میں جس جگہ الماس ہوتا ہے

---

[۱] تزک جہانگیری صفحہ ۱۳۶ و صفحہ ۳۵۲۔

وہاں پشہ کے قسم کے پتنگے جن کو ہندی میں جھینگہ کہتے ہیں بہ کثرت اُڑتے رہتے ہیں۔ یہ علاقہ دُرجن سال کے تصرّف میں تھا۔ بعض صوبے داروں نے اس پر فوج کشی کی لیکن راہ کے استحکام اور جنگل کی کثرت کے سبب انھوں نے اس زمیندار کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا۔ اور دو ایک ہیرے حاصل کرنے پر قناعت کی۔ جب ظفر خان کے بعد ابراہیم خان صوبے دار مقرر ہوا تو ہم نے اس کو رخصت کرتے وقت کہہ دیا تھا کہ اس علاقے پر قبضہ کرنا ہوگا۔ ابراہیم خان نے بہار جاکر زمیندار پر چڑھائی کی۔ حسب دستور سابق زمین دار نے چند الماس دینے کا وعدہ کیا۔ لیکن خان مذکور نے اس پر کوئی توجہ نہ کی اور راستے نکال کر چڑھائی کردی۔ زمیندار کو اپنی جمعیت فراہم کرنے کی فرصت نہ ملی۔ گھبرا کر پہاڑوں میں جہاں اس نے اپنا مسکن بنا رکھا تھا چھپ گیا۔ ابراہیم خان کے آدمیوں نے تلاش کر کے اس کو اس کی ماں بھائی اور چند عورتوں کے ساتھ گرفتار کرلیا۔ ہیرے جو اس وقت اس کے پاس موجود تھے ان کے علاوہ تیس زنجیر فیل بھی اس فتح میں ہاتھ آئے۔ اور اس کے صلہ میں ابراہیم کو فتح جنگ کا خطاب عنایت ہوا۔ اور اس کا منصب بھی چہار ہزاری کردیا گیا۔ خان موصوف کے ماتحت اور شاہی ملازم بھی اپنی اپنی خدمات کے مطابق اضافہ مناصب سے سرفراز کیے گئے۔ اس کے بعد لکھا ہو کہ اب جو ہیرا نکلتا ہو ہمارے پاس پہنچتا ہو اور حال میں جو ہیرا آیا ہو اس کی قیمت پچاس ہزار روپے ہوگی [۵۷]۔

سنہ ۱۰۲۶ھ میں ابراہیم خاں نے اس کان کے نو[۹] عدد ہیرے بادشاہ کے پاس بھیجے۔ ان میں ایک بڑا ہیرا وزن میں ساڑھے چودہ ٹانک تھا جس کی

---

[۵۷] ترک جہانگیری صفحہ ۱۵۶۔

قیمت لاکھ رُپے کے قریب ٹھیری [۱]

ہیرے کی کان کے متعلق اپنے روزنامے میں ایک دوسرے مقام پر جہانگیر لکھتا ہو کہ کوکھرہ ملک بہار کی حدود میں ہو۔ یہاں ہیرا کان سے نہیں نکلتا بلکہ ایک پہاڑی نالے میں پایا جاتا ہو۔ یہاں ایام بارش میں پہاڑ سے پانی آتا ہو۔ لوگ پتھر رکھ کر اس کو آگے سے بند کر دیتے ہیں۔ جب سیلاب گزر چکتا ہو اسی نالے سے الماس نکالتے ہیں۔ تین سال سے یہ علاقہ بادشاہی عمال کے قبضے میں ہو۔ یہاں کی آب و ہوا ایسی مسموم ہو کہ بیرونی لوگ زندگی بسر نہیں کر سکتے [۲]

تزک جہانگیری ہی سے معلوم ہوتا ہو کہ ۱۰۲۷ھ میں جہانگیر قلی خاں (ثانی) صوبے دار بہار نے اپنے بیٹے بہرام خاں کے ہاتھ کوکھرا سے چند ہیرے کے ٹکڑے بادشاہ کے پاس بھیجے۔ اسی زمانے میں ابراہیم کے بھیجے ہوئے ہیرے بھی حکاکوں کے تراش کر پیش کیے تھے۔ یہ نگینے نیل گوں (یعنی نیلم سے مشابہ) تھے۔ جوہریوں نے ایک نگینے کی قیمت تین ہزار رُپے لگائی۔ اور یہ کہا کہ اگر اس کا رنگ سفید ہوتا تو بیس ہزار رُپے کا ہوتا [۳]

---

[۱] تزک جہانگیری صفحہ ۱۸۶۔ راجا درجن سال کے ورثا ضلع رانچی میں رہتے ہیں۔ ان میں ایک بڑے زمیندار نے راقم سے کوکھرا کے ہیرے کی کیفیت اور بانور کے دلچسپ واقعات بیان کیے کوکھرا لوہردگا تھانہ میں ایک پرگنہ کا نام ہو۔

[۲] تزک جہانگیری صفحہ ۲۳۵ [۳] تزک جہانگیری صفحہ ۲۳۶۔

(۱۱) جہاں گیر قلی خان دوم ۱۰۲۶ھ تا ۱۰۲۷ھ (۱۷-۱۶۱۸ء)

۱۰۲۶ھ میں ابراہیم خان بہار سے تبدیل ہوکر قاسم خان کی جگہ پر بنگلے کا صوبے دار ہوا اور بہار کی صوبے داری جہاں گیر قلی خاں کو دی گئی۔ اس جہاں گیر قلی خاں کا اصل نام شمس الدین تھا اور یہ اعظم خاں کا بیٹا اور الٰہ آباد کا جاگیر دار تھا۔[۱] اس صوبے دار کے زمانے میں خواجہ ابوالحسن کا خویش جس کا نام محمود تھا، صوبہ بہار کا بخشی و وقائع نویس مقرر ہوا۔[۲]

اسی زمانے میں سید حاجی جاگیر دار کو بادشاہ نے ایک گھوڑا بہ طور انعام مرحمت کیا۔[۳] بادشاہ نامہ (صفحہ ۶۶ و ۶۸) سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰۲۲ھ میں جب بادشاہ نے چتوڑ پر چڑھائی کی۔ اس معرکہ میں سید حاجی حاجی پوری بھی کمک میں موجود تھا، اور رانا امر سنگھ کے ملک میں اس نے انتولہ نامی مقام پر تھانہ قائم کیا۔

۱۰۲۷ھ کے قریب راوت شنکر نے جو صوبہ بہار میں کسی عہدے پر ممتاز تھا، انتقال کیا۔ بادشاہ نے اس کے بیٹے کو جس کا نام مان سنگھ تھا، ہزاری منصب سے سرفراز کیا۔[۴]

جہاں گیر قلی خاں کے زمانے میں اس کے بعض اقربا نے رعیت پر بے جا تحکم اور تعدی کی اس لیے بادشاہ نے اس کو واپس بلوا لیا۔[۵] واپس جانے سے پہلے اس نے بیس ہاتھی بہ طور پیش کش شاہی دربار کو روانہ کیے

---

[۱] تزک جہاں گیری صفحہ ۶۹ و ۱۸۶۔ [۲] تزک جہاں گیری صفحہ ۱۹۰۔

[۳] تزک جہاں گیری صفحہ ۱۹۷۔ [۴] تزک جہاں گیری صفحہ ۲۳۶ و ۲۷۱

[۵] تزک جہاں گیری صفحہ ۲۴۶۔

ان میں ایک شاہی فیل خلانے میں داخل ہوا اور باقی شاہی حکم کے مطابق تقسیم کردیے گئے۔ خود دربار میں حاضر ہوکر جہاں گیر قلی خان نے سو اشرفیاں اور سو روپے کی رقم پیش کش کی[1]

---

(۱۲) مقرب خان ۱۰۲۸ھ تا ۱۰۲۹ھ (۱۶۱۹ء - ۱۶۲۰ء)

مقرب خاں بادشاہ کے مقربوں میں تھا۔ اصل نام شیخ حسین (پسر شیخ بہا) تھا۔ بہار کی صوبے داری کے ساتھ بادشاہ نے اس کو خلعت، اسپ و خنجر مرصع اور پچاس ہزار روپے نقد بھی عنایت کیے[2]

اسی ہنگام میں سردار خاں کو مونگیر میں جاگیر عطا ہوئی اور حسن علی خاں سابق جاگیر دار مونگیر باضافۂ منصب ابراہیم خاں کی کمک میں بنگالے بھیج دیا گیا۔ اسی حسن علی خاں ترکمان نے آیندہ سال اڑیسہ کی صوبے داری پائی۔

مقرب خاں کے زمانے میں سید مبارک رہتاس کا قلعے دار مقرر ہوا[3] اور مقیم خاں خلعت و فیل و اسپ و خنجر پاکر کسی ممتاز عہدے پر صوبہ بہار آیا[4]

منتخب اللباب (صفحہ ۲۹۸) میں مذکور ہے کہ ۱۰۲۸ھ میں ستارۂ دنبالہ دار ظاہر ہوا جو کئی ہفتوں تک نمودار ہوتا رہا۔ یہ زمانہ بھی مقرب خاں کی صوبے داری کا تھا۔

---

[1] تزک جہاں گیری صفحہ ۲۸۶ - [2] تزک جہاں گیری صفحہ ۲۷۳ و جہانگر نامہ صفحہ ۱۱۳

[3] تزک جہاں گیری صفحہ ۲۵۵ - [4] تزک جہاں گیری صفحہ ۲۸۵

مقرب خاں ہی کے زمانے میں اول اول انگریزی تجار پٹنہ آئے۔

---

(۱۳) پٹنہ میں انگریز تاجروں کی آمد اور تجارت کی ابتدا ۱۶۲۰ء

انگریزوں کے پٹنہ آنے سے پہلے یہاں اور یورپین قومیں خصوصاً پرتگالی ڈچ (ولندیز یعنی ہولینڈ والے) اور فرانسیسی تجار تجارت کرتے تھے ۱۶۲۰ء (۱۰۲۹ھ) میں رابرٹ ہویز اور جان پارکر نامی (ROBERT HUGHES & GOHN PARKER) دو انگریز تجارت کی غرض سے دیسی کپڑے خریدنے کو آگرے سے پٹنہ آئے۔ ہیوز کے پاس چار ہزار روپے نقد سرمایے کا بندوبست موجود تھا۔ اور پارکر بھی کچھ تجارتی مال ساتھ لایا تھا۔ ان کا منشا تھا کہ پٹنہ میں آڑہت یا تجارتی کوٹھی کھولی جائے۔ لیکن آگرہ اور سورت تک مال بھیجنے کا خرچ اور دیگر مصارف جوڑنے پر کوئی منافع نظر نہ آیا۔ اس لیے دوسرے ہی سال تجارت بند کردی گئی۔

انگریز مورخوں کا بیان ہے کہ مقرب خاں ان نو وارد انگریزوں کے ساتھ نہایت مہربانی سے پیش آیا اور اس نے ان کی تجارت سے بھی خاص دلچسپی ظاہر کی۔ یہ بھی بیان ہے کہ مقرب خاں نے ہگلی سے جہاں پرتگالی تجار رہتے تھے ایک جسوئیت پادری کو پٹنہ بلوا کر گرجا بنوانے کا خیال ظاہر کیا۔ اور یہ بھی اقرار کیا کہ میں خود مقام گوا میں عیسائی ہو کر اصطباغ حاصل کر چکا ہوں لیکن پادری نے اس کو باور نہ کیا۔ اور یہ گمان کیا کہ مقرب خاں پرتگالیوں کو پٹنہ بلوا کر ان کی تجارت سے مالی فائدہ اٹھانا

چاہتا ہے۔[1]

۱۶۲۰ء میں پٹنہ کو آتش زدگی سے سخت نقصان پہنچا۔ بعض یورپین تاجروں کے مکان بھی جل گئے۔

---

(۱۴) شاہزادہ پرویز ۱۰۳۰ھ تا ۱۰۳۴ھ (۲۲-۱۶۲۵ء)

جہاں گیر نے مقرب خاں کو تبدیل کر کے ۱۰۳۰ھ میں صوبہ بہار کو شاہزادہ پرویز کی جاگیر مقرر کر دیا۔ اور راجا سارنگ دیو کو بطور سزاول تعینات کیا کہ شاہزادے کو الہ آباد سے پٹنہ لے جائے۔ شاہزادہ خود محرم ۱۰۳۱ھ میں پٹنہ آیا۔ لیکن اس کے عملے پہلے سے آکر انتظام میں مصروف تھے۔[2]

انگریزوں کے بیان سے پایا جاتا ہے کہ شہزادے کے عملوں کے آنے پر ان کے لیے مکانوں کی حاجت ہوئی اس لیے بہت سے لوگوں کو اپنے مکانات خالی کر دینے پڑے۔ اسی سلسلے میں انگریزوں کو بھی اپنا مکان چھوڑ کر خانہ بدوش ہونا پڑا۔[3]

شاہزادہ پرویز کے عہد میں نظر بہادر خویشگی نے قلعہ مجھولی فتح کیا اور

---

[1] HISTORY OF BENGAL BIHAR AND ORISSA UNDER BRITISH RULE, p.2

از روئے درایت یہ روایت لغو معلوم ہوتی ہے۔ [2] تزک جہانگیری صفحہ ۳۲۲ و جہانگیر نامہ صفحہ ۱۶۹

[3] HISTORY OF BENGAL BIHAR AND ORISSA UNDER BRITISH RULE, p.3

[4] مجھولی ضلع گورکھپور میں ایک مقام ہے۔

اس کی یادگار میں ایک مسجد تعمیر کرائی جو محلہ سلطان گنج و عالم گنج کے درمیان سڑک سے اُتر پتھر کی مسجد کے نام سے مشہور ہو اور اب اسی مسجد کے نام سے پورا محلہ موسوم ہو گیا ہو

او مالی صاحب کے پٹنہ گزیٹر صفحہ ۲۳ مطبوعہ ۱۹۲۶ء میں اس مسجد کو خاص شہزادہ پرویز کی بنوائی ہوئی لکھ دیا ہو اور اسی طرح بابو رام لال سنہا نے کتاب پاٹلی پتر کے ضمیمہ صفحہ ۳۵ میں بھی لکھا ہو۔ حالاں کہ مسجد کے کتبہ میں مصرع "کرد ایں بنائے خاص نظر خویشگی کہ ہست" صاف موجود ہو۔ کتبے کی پوری عبارت اس طرح پر ہو۔

در عہدِ نور چشم جہاں گیر بادشاہ	پرویز شاہ عادل و باذل بعقل ورائے
کیخسروِ زمانہ و جمشید سلطنت	بر تخت مملکت چو سکندر جہاں کشائے
کرد ایں بنائے خاص نظر خویشگی کہ ہست	در پیروی شرع محمد چو کوہ پائے
مسمار ساخت قلعہ جھولی و بت کدہ	در سنگ چوب بت کدہ شد ایں نکو بنائے
کردم سوال سال بنایش ز پیر عقل	گفتا بگو خرامی خیر المقام جائے

نظر بہادر خویشگی شاہ جہاں کے عہد میں ایک مشہور و معروف امیر تھا۔ شاہ جہاں نامہ جلد اوّل صفحہ ۵۸۰ ، ۵۸۲ اور جلد دوم صفحہ ۴، ۱۰۲، ۱۳۳ و ۳۴۰ میں اور کئی جگہ اس کا نام مذکور ہو۔ پتھر کی مسجد کا کتبہ شاہزادہ پرویز کی وفات کے بعد لگایا گیا کیوں کہ شاہزادے نے ۱۰۳۵ھ میں برہان پور کی طرف انتقال کیا۔

"وفات شاہزادہ پرویز" اس کی وفات کی تاریخ ہو۔

شاہزادہ پرویز کے زمانے کا ایک بڑا واقعہ یہ ہو کہ شاہزادہ خرم (شاہ جہان) نے باپ سے بغاوت کر کے بنگالہ و بہار پر قبضہ کر لیا۔

(۱۵) صوبہ بہار پر شاہزادہ خرم شاہ جہاں کا باغیانہ

قبضہ ۳۳-۱۰۳۴ھ ۲۴-۱۶۲۵ء

جہاں گیر نے غالباً نور جہاں بیگم کے کہنے سے شہزادہ خرم کی جاگیر شہزادہ شہریار کے نام تبدیل کردی۔ اور اس قضیہ میں قلعہ دھول پور کی طرف دونوں شہزادوں کے عملوں میں سخت نزاع اور خوں ریزی ہو گئی۔ شہزادہ خرم نے اپنے دیوان افضل خان کو بادشاہ کے پاس بھیج کر اس فساد کو مٹانے کی کوشش کی لیکن اس سے کوئی نتیجہ مرتب نہ ہوا۔ بلکہ ایسا معلوم ہوا کہ دربار میں اس کے خلاف بعض خفیہ سازشیں عمل میں آرہی ہیں۔ خرم نے مایوس ہو کر خود سری اور بغاوت پر کمر باندھی۔ اوّل آگرے کا قصد کیا۔ لیکن ادھر کچھ کام یابی کی اُمید نہ بندھی تب دکن سے فوج لے کر اڑیسہ فتح کرتا ہوا بنگالے میں داخل ہوا۔ یہاں ابراہیم خاں فتح جنگ صوبے دار تھا۔ خرم نے اوّل کچھ وعدہ وعید سے اس کو ملا لینے کی کوشش کی۔ لیکن اس نے صاف جواب دیا کہ میں نے اتنی عمر بادشاہ کی خدمت میں صرف کی ہے اب جو کچھ باقی ہے اس کو بھی بادشاہ کی خدمت میں صرف کرنا عین سعادت مندی سمجھتا ہوں۔ اس جواب کے بعد خرم کی فوج نے بہ زور بردوان پر قبضہ کر لیا۔ ابراہیم خاں سے کچھ بنائے نہ بنی۔ آخر ایک مقبرے میں پناہ لے کر مدافعت کو آمادہ ہوا۔ تھوڑی سی جنگ کے بعد خرم کی فوج نے اس کا قصہ تمام کیا۔ اور اس کا سارا سامان جس میں متعدد ہاتھیوں اور توپوں کے علاوہ چالیس لاکھ رُپے نقد بھی تھے شہزادہ خرم کے ہاتھ آیا۔ خرم نے اس وقت تک داراب خان

پسر خان خانان کو نظر بند رکھا تھا۔ اب قول و قسم لے کر اس کو بنگالے کی صوبے داری پر مامور کیا۔ اور راجا بھیم پسر رانا کرن کو فوج کے ساتھ بطور پیش خیمہ پٹنہ روانہ کیا۔ اور عقب میں خود بھی عبداللہ خان فیروز جنگ اور بعض امرا کو ساتھ لے کر ادھر چلا آیا۔ اس وقت شہزادہ پرویز کا دیوان مخلص خان الہ آباد میں تھا۔ اور صوبہ بہار و پٹنہ کا انتظام الہ یار پسر افتخار خاں اور شیر خاں ایک معمولی سردار کے سپرد تھا۔ راجا بھیم کے آتے ہی ان دونوں نے الہ آباد کی راہ لی۔ اور شہزادہ خرم نے بلامزاحمت صوبہ بہار پر قبضہ کر لیا[1]۔ علاقے کے زمین داروں اور جاگیرداروں نے حاضر ہو کر خرم کی ملازمت کی اور سید مبارک مانک پوری قلعہ دار رہتاس نے اس قلعے کو خرم کے حوالے کر دیا[2]۔ شاہزادے نے اپنے حرم کو قلعہ رہتاس میں بعض معتمدوں کی نگرانی میں رکھ کر عبداللہ خان کو الہ آباد کی طرف روانہ کیا۔

عبداللہ خاں نے جھوسی کے قریب لشکر آراستہ کیا۔ اس اثنا میں شاہزادہ خرم بھی بنگالے کی جنگی کشتیاں (نوارہ) ساتھ لے کر پٹنہ سے جھوسی پہنچا۔ شاہزادہ خرم کے پاس اس وقت بہ جمیع الوجوہ دس ہزار سپاہ سے زیادہ نہ تھی۔ اور دوسری طرف اس کی مقاومت کو شاہزادہ پرویز اور مہابت خاں چالیس ہزار فوج لے کر آئے تھے۔ تھوڑی سی جنگ کے راجا بھیم مارا گیا۔ اور شاہ زادہ خرم کے گھوڑے کو بھی ایک تیر لگا۔ جنگ کا نقشہ دگرگوں

---

[1] تزک جہاں گیری صفحہ ۳۹۴۔

[2] قلعہ رہتاس کی مفصل کیفیت شاہ جہاں نامہ صفحہ ۱۰۵ اور منتخب اللباب صفحہ ۳۴۶ میں مذکور ہے۔

دیکھ کر عبداللہ خان شاہ زادہ خرم کو پھر رہتاس واپس لایا۔ انھی دنوں میں شہزادہ مراد قلعہ رہتاس میں پیدا ہوا تھا۔ خرم نے تین دن قلعے میں قیام کر کے حرم کی حفاظت خدمت پرست خان کے سپرد کی اور خود پھر دکن کی طرف واپس گیا۔ اس کے جانے پر شہزادہ پرویز مع فوج صوبہ بہار میں چلا آیا۔[۹۱]

شاہزادہ خرم نے پٹنہ سے داراب خاں کو لکھا تھا کہ بنگالے کی فوج لے کر جلد کمک میں حاضر آؤ۔ لیکن داراب خاں نے حیلہ سازی کی اور نہ آیا۔ خرم نے اس کا معاملہ عبداللہ پر چھوڑا اور عبداللہ خاں نے داراب خاں کے بیٹے کو قتل کیا۔ بعد کو جب شہزادہ پرویز اور مہابت خان نے بہار و بنگالے پر قبضہ کیا تو بادشاہ نے داراب خاں کو بھی اس کی دغا کی پاداش میں قتل کرایا۔

خرم نے دکن پہنچ کر اعتذار کر کے بادشاہ سے عفو جرائم کی درخواست کی۔ جہاں گیر نے عفو جرائم کے لیے منجملہ اور شرطوں کے ایک شرط یہ بھی لکھ بھیجی کہ مظفر خان و رضا بہادر قلعہ داران رہتاس قلعہ مذکور کو شاہی عاملوں کے سپرد کر کے شہزادہ مراد کو ساتھ لے کر دربار میں حاضر ہوں۔[۹۲]

---

[۹۱] تزک جہاں گیری صفحہ ۴۰۱ و ۴۰۳۔ جہاں گیر نامہ صفحہ ۲۱۵ و شاہ جہاں نامہ صفحہ ۱۰۲ تا ۱۹۵ و منتخب اللباب جلد اول صفحہ ۳۳۵ و ۳۳۶ و بادشاہ نامہ صفحہ ۲۹۲۔ شہزادہ مراد شب چہار شنبہ ۲۰ ذی الحجہ ۱۰۳۲ھ کو قلعہ رہتاس (صوبہ بہار) میں پیدا ہوا تھا۔

[۹۲] تزک جہاں گیری صفحہ ۴۰۸۔

(۱۶) مرزا رستم صفوی ۱۰۳۶ھ ۱۶۲۶ء

شاہزادہ پرویز کے انتقال کے بعد مرزا رستم صفوی کو صوبہ بہار کی حکومت تفویض ہوئی۔ مرزا رستم ایران کے شاہان صفویہ کی نسل میں تھا۔ اُس کا نسب اس طور پر ہے۔

مرزا رستم بن سلطان حسین مرزا ابن بہرام مرزا ابن شاہ اسماعیل صفوی مرزا رستم کی صوبے داری میں جہاں گیر نے ۱۰۳۶ھ میں انتقال کیا، اور آصف خاں کی تدبیر سے شاہزادہ خرم نے بادشاہ ہو کر ابوالمظفر شہاب الدین شاہ جہاں کا لقب اختیار کیا۔[1]

اس وقت بہار سے مرزا رستم اپنے دو بیٹوں (مرزا مراد اور مرزا حسین) کو ساتھ لے کر تخت نشینی کی مبارک باد کو حاضر ہوا۔ مرزا رستم کبر سنی اور نقرس کے عارضے کے سبب چل پھر نہ سکتا تھا۔ اس لیے شاہ جہاں نے اس کو ملازمت سے معاف رکھا۔ اور مبلغ ایک لاکھ بیس ہزار روپے سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔[2]

---
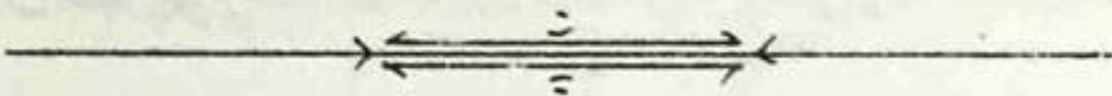
[1] جہاں گیر کے مرنے کی تاریخ "جہاں گیر از جہان رفت" اور شاہ جہاں کے جلوس کی تاریخ "در جہاں بادشاہ جہاں باشد" ہے۔

[2] شاہ جہاں نامہ جلد اوّل صفحہ ۳۰۹ بادشاہ نامہ صفحہ ۲۰۵

باب چہاردہم

شاہ جہاں بادشاہ کا دور ۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۹ھ

(۱) خان عالم مرزا برخوردار ۱۰۳۷ھ (۱۶۲۷ء)

مرزا رستم کی جگہ پر خان عالم بہار کی صوبے داری پر مامور ہوا لیکن چند مہینے کے بعد ہی برطرف و معزول کیا گیا۔ بادشاہ نامہ (صفحہ ۲۲۸) میں مذکور ہے کہ زیادہ افیوں کھانے کے سبب اس سے کوئی کام نہ ہو سکتا تھا۔[۱]

۲۵ ذی الحجہ ۱۰۳۷ھ کو شاہ جہاں نے سید جعفر بارِہہ کو خطاب شجاعت خانی و منصب سہ ہزاری اور ترہت کی فوج داری مرحمت کی[۲]۔ اسی زمانے میں ممتاز خاں کوئی امیرِ مونگیر کی طرف نام زد ہوا تھا۔

---

(۲) سیف خان مرزا صافی ۱۰۳۷ھ تا ۱۰۴۰ھ (۱۶۲۷-۳۱ء)

۱۰۳۷ھ میں سیف خان حاکم صوبہ ہو کر آیا۔ شاہ جہاں کی بیوی ممتاز محل (جس کے نام سے آج تاج محل آگرہ دنیا میں مشہور رہی) کی بہن ملکہ بانو سیف خان

---

۱ شاہ جہاں نامہ جلد اول صفحہ ۲۷۱ و بادشاہ نامہ صفحہ ۱۲۵ و ۲۲۸ و منتخب اللباب حصہ اول صفحہ ۳۹۸۔ ۲ شاہ جہاں نامہ جلد اول صفحہ ۳۱۲

سے بیاہی تھی، اس لیے سیف خاں بادشاہ کا ہم زلف تھا۔ اس نے پٹنہ میں
بڑے آن بان سے حکومت کی اور رفاہ عام کے کام بھی بہت کیے۔ اس کے
عہد میں ایک بڑی عیدگاہ بنوائی گئی جو محلہ صادق پور سے اتر پچھم اب تک
قائم ہے۔ اور چوک سے پورب لب دریا ایک بڑا مدرسہ اور مسجد تعمیر ہوئی۔
مدرسے کی یادگار اب صرف اس محلّے کا نام رہ گیا ہے۔ لیکن مسجد اب تک
موجود ہے اور شہر میں نہایت پُر فضا مقام ہے۔

سیف خاں کے زمانے میں خواجہ قاسم مخاطب بہ عقیدت خاں
صوبے کا دیوان تھا۔ ۱۰۳۸ھ میں اس نے سات ہاتھی شاہی دربار کو روانہ
کیے[1]۔

---

(۳) ترہت کے دو عجیب برہمن شاعر ۱۰۲۸ء

۱۰۳۵ھ میں یمین الدولہ آصف خاں نے شاہ جہاں کے دربار میں
ترہت کے رہنے والے دو عجیب برہمنوں کو پیش کیا۔ جو بادشاہ کی ہنر پروری
کا شہرہ سُن کر اپنے وطن سے آئے تھے۔ ان میں کمال یہ تھا کہ ہندی شعرا کے
دس مختلف شعر جو پہلے کبھی نہ سُنے ہوں، صرف ایک بار سُننے سے ان کو
ازبر ہو جاتے تھے۔ اور یہ اُنھی اشعار کو اپنی زبان سے دہرا کر ان کے وزن
اور قافیے اور مطالب کے جواب میں دس اشعار فی البدیہہ کہہ کر پڑھتے تھے۔
بادشاہ نے مکرر ان کا امتحان لیا اور آزمائش میں پورے اُترنے پر ان کو ہزار
ہزار رُپے انعام اور خلعت دے کر رخصت کیا[2]۔

---

[1] بادشاہ نامہ صفحہ ۲۴۵ [2] شاہ جہاں نامہ جلد اوّل صفحہ ۲۲۳ و بادشاہ نامہ صفحہ ۲۶۸۔

(۴) عبداللہ خان فیروز جنگ سنہ ۱۰۴۱ھ تا سنہ ۱۰۴۸ھ

(سنہ ۳۱-۱۶۳۸ء)

سیف خان کے بعد عبداللہ خان فیروز جنگ صوبے دار ہوا[۱]۔ یہ وہی عبداللہ خان ہے جو شاہ جہاں کی شہزادگی کے زمانے میں بغاوت کے وقت شہزادے کی معیت میں بہار آیا تھا۔ جس کا حال اپنی جگہ پر مذکور ہو چکا ہے۔

تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خان موصوف نے آٹھ برس اس صوبے میں حکومت کی لیکن اس غیر معمولی مدت میں اس نے مسلسل اس صوبے میں قیام نہ کیا۔ عبداللہ خان کے زمانے کے بعض کتبے محلہ درگاہ شاہ ارزان کے قریب راقم کی نظر سے گزرے۔ جن میں اس کا نام بھی مذکور ہے۔

عبداللہ خاں کے زمانے میں بچیٹ (از توابع صوبہ بہار) کے زمیندار نے جس کا منصب ہفت صدی سہ صد سوار تھا۔ سنہ ۱۰۴۲ھ یعنی ششم سال جلوس شاہ جہاں میں انتقال کیا۔

۵ ربیع سنہ ۱۰۴۳ھ کو شاہ جہاں نے محل دار خاں دکنی کو منصب چار ہزاری و خلعت و فیل و اسپ و کھپوہ[۳] مرصع عنایت کرکے سرکار مونگیر کا جاگیردار مقرر کیا[۴]۔ بادشاہ نامہ (جلد دوم صفحہ ۱۲) میں مذکور ہے کہ محل دار خاں دوسرے ہی سال گورکھپور کا فوج دار مقرر ہوا۔

۱؎ بادشاہ نامہ صفحہ ۲۶۴ و شاہ جہاں نامہ جلد اول صفحہ ۴۸۶ و منتخب اللباب حصہ اول صفحہ ۴۶۸ ۲؎ بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۲۱۷۔

۳؎ لفظ کھپوہ پیشتر دکن میں مستعمل تھا۔ ایک قسم کے خنجر کو کہتے ہیں۔

۴؎ شاہ جہاں نامہ جلد اول صفحہ ۶۲۰۔

اپنی صوبے داری کے زمانے میں عبداللہ خان نے ۱۰۴۲ھ میں بہار سے رتنبنور جاکر لچھمن نامی زمیندار کو منہزم و مطیع کیا۔ اور اسی سال ۸ر شوال کو دربار میں حاضر ہوکر چھبیس ہاتھی اور تحائف جن کی مجموعی قیمت چار لاکھ رُپے تھی بہ طور پیش کش پیش کیے۔ اور زمیندار مذکور نے بھی نو ہاتھی اور دو لاکھ رُپے نقد پیش کیے۔ شاہ جہاں نے عبداللہ خان کو اس کارگزاری کے صلہ میں خلعت خاصہ و اسپ و فیل عطا کرکے پٹنہ روانہ کیا لیکن ابھی یہ راہ ہی میں تھا کہ اس کو دوسرا فرمان پہنچا کہ جھجھار سنگھ بندیلہ کے مقابلے کو روانہ ہو۔ خان مرقوم بندیلہ کی مہم سے فارغ ہوکر دکن کی طرف گیا اور بالآخر ۲۳ر ربیع الاول ۱۰۴۶ھ کو پھر صوبہ بہار کی طرف واپس ہوا۔[۵۱]

شاہ جہاں کے دسویں سال جلوس یعنی ۱۰۴۷ھ کے واقعات سے پایا جاتا ہے کہ اس زمانے میں سید سعادت اللہ حاجی پوری بھی ایک منصب دار تھا جو زمیندار ڈھنڈہرہ کی تنبیہ کے سلسلے میں تعینات ہوا تھا۔ اس کا نام منصب داروں کی فہرست میں بھی پایا جاتا ہے۔[۵۲]

اسی زمانے میں عبدالرحیم بیگ (برادر عبدالرحمٰن بیگ) جو سابقاً نذر محمد خاں والیٔ بلخ کے بڑے لڑکے عبدالعزیز کا اتالیق تھا، صوبہ بہار کے جاگیرداروں میں تھا۔ شاہ جہاں نے اس کے منصب میں اضافہ کرکے اس کو صوبہ بہار روانہ کیا۔[۵۳]

---

۵۱ بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۵۷ و صفحہ ۸۴ و ۸۶ و ۹۶ و ۱۰۸، ۵۲ بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۲۲۳ و ۳۱۸، ۵۳ بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۲۷۵۔

(۵) فتح بھوج پور سنہ ۱۰۳۶ھ سنہ ۱۶۲۶ء

عبداللہ خاں کے زمانے میں ایک اہم واقعہ اُجینیہ[له] (بھوج پور) کی فتح ہے۔ یہاں کا راجا جس کا نام پرتاب تھا دربارِ شاہی میں منصب ڈیڑھ ہزاری ذات و ہزار سوار سے سرفراز تھا۔

ماہ رجب سنہ ۱۰۳۶ھ میں دربار سے رخصت ہو کر اپنے وطن کو واپس آیا۔ اور یہاں پہنچ کر اس نے علم بغاوت بلند کیا۔ عبداللہ خان نے اس پر فوج کشی کی۔ شاہی حکم کے مطابق باقر خان نجم ثانی صوبے دار الہ آباد بھی کمک میں حاضر ہوا۔ اور فدائی خان (ہدایت اللہ) جاگیردار گورکھپور نے اس موقع پر شاہی فوج کے ساتھ جان نثاری کرنا اپنا فرض سمجھ کر بلا تامل شرکت کی۔ مختار خان جاگیردار مونگیر بھی چند زمینداروں کو ساتھ لے کر شاہی فوج سے آملا۔ اتفاقاً دوسرے ہی دن مختار خان کو اس کے ایک نمک حرام ملازم نے قتل کر ڈالا۔ اس لیے وہ جنگ میں شریک نہ ہو سکا۔ بہر کیف شاہی فوج نے قصبہ بھوج پور کا محاصرہ کیا لیکن قلعے کے استحکام اور اہلِ قلعہ کے حسنِ انتظام کے سبب چھ مہینے تک قلعہ مفتوح نہ ہوا۔ آخر شاہی فوج نے پورا زور لگا کر یورش کی اور بہت سے بھوج پوریوں کو مقتول و مجروح و اسیر کر کے قلعے پر قبضہ کیا۔

راجا پرتاب نے اہل و عیال کے ساتھ اس قلعے سے نکل کر بھوج پور کے قدیم قلعے میں پناہ لی۔ عبداللہ خان نے اول اس علاقے کے دوسرے

[له] شاہانِ دہلی کی تاریخوں میں بھوج پور کا نام اُجینیہ لکھا ہے اور اس کی کیفیت یوں ہے "از ولایت اُجینیہ آں محال صوبہ بہار مراد است کہ زیرِ حکومت راجا بھوج پور بود"۔

قلعوں پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ اور قلعہ تربھاک (یعنی تین برج والے قلعے کو) مفتوح کرکے مخالفوں کے بہت سے آدمیوں کو ہلاک کیا۔ اس کے بعد ہی زبردست خاں اور صوفی بہادر نے عبداللہ خان کے حکم کے بموجب قلعہ کالالار کا محاصرہ کرکے ایک مہینے کے اندر اس کو مفتوح کیا۔ دس قلعوں پر قبضہ کرنے کے بعد شاہی فوج نے بھوج پور کے قدیم قلعے کا رُخ کیا۔ جب شاہی فوج یورش کرکے دروازے پر پہنچ گئی۔ راجا پرتاب نے ہاتھی کی آڑ میں قریب آکر مقابلہ کیا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں پس پا ہوکر ایک نئی عمارت میں جو اسی حصار کے اندر تیار کی گئی تھی متحصن ہوا۔ اس یورش میں راجا کے دو ہاتھی مع نقارہ و نفیر شاہی فوج کے ہاتھ آئے۔ لیکن شاہی فوج میں چند سپاہیوں کے علاوہ زبردست خاں کے دو بیٹے منظفر بیگ و فریدون بیگ بھی حصار میں داخل ہوکر کام آئے۔ ۲۰ ذی الحجہ ۱۰۴۶ھ سے سو دن کی مسلسل جنگ نے راجا کے پائے ثبات میں تزلزل پیدا کر دیا۔ اس نے اول جوہر[1] کرنے کا قصد کیا۔ لیکن بالآخر اس ارادے کو فسخ کرکے فرار پر کمر باندھی۔ اور خود صرف ایک لنگی باندھے ہوئے اپنی بیوی کو ساتھ لے کر حصار سے باہر نکلا۔ عبداللہ خاں کا ایک ملازم ان دونوں کو گرفتار کرکے خان موصوف کے پاس لایا۔ اس نے ان کو مقید رکھ کر بادشاہ کو اطلاع دی۔ بادشاہ نے راجا کے قتل کا حکم دیا اور اس کا تمام مال عبداللہ خان کو بطور انعام عطا کیا۔ عبداللہ خان نے مال کو جو سپاہ کے ہاتھ آگیا تھا بازیافت کیا۔ راجا کی بیوی بھی مسلمان ہوکر عبداللہ خان کے پوتے کے عقد

---

[1] غیرت مند راجپوتوں کا دستور تھا کہ مایوس ہوکر اہل و عیال کو آگ میں زندہ جلا دیتے تھے اور جان پر کھیل کر لڑ مرتے تھے۔ اسی کو جوہر کہتے ہیں۔

میں آئی [1]

---

(۶) پٹنہ میں پیٹر منڈی نامی انگریزی تاجر کی آمد ۱۶۳۱ء

عبداللہ خان کے زمانے میں پیٹر منڈی نامی انگریز تاجر تجارت کی غرض سے پٹنہ آیا۔ اس کا بیان ہے کہ پٹنہ میں شراب بیچنے کی سخت ممانعت ہے۔ اور ہندو اپنے مُردے گنگا کے پار لے جاکر جلاتے ہیں۔ چوروں اور رہزنوں کے سبب دریا اور خشکی کی راہیں سخت خطرناک تھیں۔ لیکن عبداللہ خان نے ان بدمعاشوں کو قرار واقعی سزا دی۔[2] ان کے سر کٹوا کر عبرت عام کے لیے پختہ میناروں میں لگا دیے جاتے تھے۔ جو اسی غرض سے تعمیر کیے گئے تھے۔ پیٹر منڈی نے کان پور تک ایسے دو سو[20] میناروں کا خود مشاہدہ کیا تھا۔

---

[1] پورا بیان شاہ جہاں نامہ جلد دوم صفحہ ۲۳ تا ۲۴، اور بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۲۷ تا ۲۷۰ سے ماخوذ ہے۔ ہسٹری آف بنگال بہار اینڈ اڑیسہ

BENGAL, BIHAR & ORISSA UNDER BRITICH P. 46

میں راجا پرتاب کو ڈمراوَن کے راجا کا مورث اعلیٰ بتایا ہے۔ منتخب اللباب صفحہ ۵۲۵ کے مطابق راجا پرتاب کے ضبط شدہ مال سے چھتیس ہاتھی اور پچاس گھوڑے شاہی دربار کو روانہ کیے گئے۔

[2] HISTORY OF BENGAL, BEHAR & ORISSA UNDER BRITISH RULE P. 45

نقشہ چورمنارہ جس کا پیٹر منڈی نے معائنہ کیا تھا۔ جو سابق صفحہ میں مذکور ہے۔ اس میں چوروں، ڈاکوؤں اور رہزنوں کے سر کاٹ کر لگائے جاتے تھے کہ دیکھنے والوں کو عبرت ہو۔
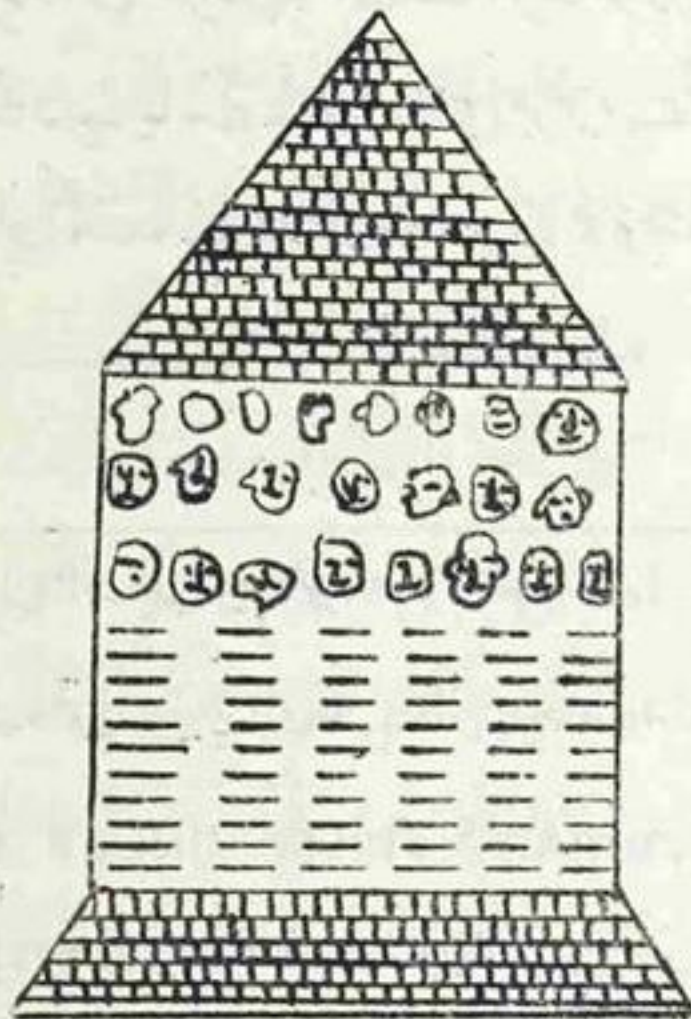
(۷) نواب شایستہ خان ۱۰۴۸ھ تا ۱۰۵۲ھ (۳۸-۱۶۴۱ء)

عبداللہ خاں کے بعد شایستہ خاں (پسر آصف خاں برادر نور جہاں بیگم) حاکم صوبہ مقرر ہوا۔ شایستہ خاں کے زمانے کا قابلِ ذکر واقعہ پلاموں پر فوج کشی ہے۔ ۱۰۵۱ھ میں شایستہ خان نے دشوار گزار جنگلوں کو کاٹ کر راستہ بنایا اور پلاموں پہنچ کر قلعے کا محاصرہ کیا۔ یہاں کا راجا پرتاب نامی جنگلوں اور پہاڑوں کے سبب اپنے قلعے کو نہایت محفوظ سمجھتا تھا۔ شایستہ خان نے محاصرہ کر کے اس کے بہت سے آدمیوں کو قتل کیا۔ مجبوراً راجا نے اطاعت اختیار کی اور بعد برسات اسی ہزار روپے پیش کش لے کر پٹنہ میں صوبے دار کے پاس حاضر ہونے کا وعدہ کیا[1]۔ شایستہ خاں ہی کے زمانے میں (۱۰۴۹ھ) شاہ جہاں نے آتش خاں حبشی کو منصب دو ہزاری مع خلعت اور دس ہزار روپے نقد بطور انعام دے کر بھاگل پور کا فوج دار مقرر کیا۔ پلاموں کی چڑھائی میں اس نے بھی کارگزاری دکھائی۔ دراصل آتش خان سلاطین دکن کا ملازم تھا۔ اول اول جہاں گیر کے دربار میں آ کر منصب سے سرفراز ہوا تھا۔ اور ۱۰۶۱ھ میں فوت ہوا۔

---

(۱) شاہ جہاں نامہ جلد دوم صفحہ ۲۴۶ (پلاموں پر اس کے بعد بھی چڑھائیاں ہوئیں، جو نواب اعتقاد خاں اور داؤد خاں قریشی کے حالات میں مذکور ہوں گی۔ اس زمانے میں پلاموں میں چیرو قوم کے راجا کی حکومت تھی۔ چیرو دراوڑین قوم کی ایک شاخ کہی جاتی ہے جو سابق زمانے میں گورکھ پور سے بندیل کھنڈ تک پھیلی ہوئی تھی۔ ضلع پلاموں کے گزیٹیر میں مفصل کیفیت موجود ہے)۔

(۸) نواب اعتقاد خان ۱۰۵۲ھ تا ۱۰۵۵ھ (۱۶۴۲-۱۶۴۵ء)

۱۰۵۲ھ میں شایستہ خاں عبداللہ خاں کی جگہ پر الہ آباد بھیج دیا گیا اور اعتقاد خان جونپور سے تبدیل ہو کر بہار کا صوبے دار مقرر ہوا[1]

پلاموں کے راجا پرتاب نے شایستہ خاں سے جو معاہدہ کیا تھا اس کو پورا نہ کیا۔ اس لیے اعتقاد خان اس کی تنبیہ کی فکر میں تھا۔ اسی زمانے میں پرتاب کے چچا دریا رائے اور تیج رائے نے اعتقاد خان سے ملاقات کی۔ اور پرتاب کو گرفتار کر کے خان مذکور کے حوالے کرنے کا وعدہ کیا۔ اس قرارداد کے بعد تیج رائے پلاموں پہنچا تو پرتاب کو نظر بند کر کے خود راجا بن بیٹھا۔ اعتقاد خان کو معلوم ہوا تو فوراً زبردست خان کو ایک زبردست فوج کے ساتھ پلاموں روانہ کیا۔ زبردست خان نے قلعہ دیوگڑھ پر جو اس علاقے میں سب سے بڑا تھانہ تھا قبضہ کر لیا اور بیل دار مقرر کر کے جنگل کٹوانا شروع کیا۔ تیج رائے نے چھ سو سوار اور سات ہزار پیادے فراہم کر کے زبردست خان پر شب خون مارنے کا تہیہ کیا۔ خان موصوف اس کی خبر پاتے ہی دشمنوں پر ٹوٹ پڑا اور ایک گروہ کو مقتول اور بعضوں کو اسیر کیا۔ اعتقاد خاں کو اس لڑائی کی خبر پہنچی تو اس نے اپنی ماتحت فوج کے ساتھ عبداللہ خان نجم ثانی کو کمک میں روانہ کیا۔ اتفاقاً اس لشکر کے پہنچنے کے قبل ہی ایک دن تیج رائے (۲ رمضان ۱۰۵۴ھ) شکار کے ارادے سے قلعے سے باہر نکلا۔ اسی وقت صورت سین وغیرہ اہلِ قلعہ نے راجا پرتاب کو قید سے رہا کر کے قلعہ اس کے حوالے کر دیا۔ تیج رائے کے ساتھیوں میں سے بعضوں نے قلعے

---

[1] شاہ جہان نامہ جلد دوم صفحہ ۳۸۵۔

میں داخل ہوکر پرتاب کا ساتھ دیا اور بعضوں نے بھاگ کر اپنی راہ لی۔ اور تیج رائے سخت سرگردانی و پریشانی میں مبتلا ہوا۔ زبردست خاں اس کی خبر پاتے ہی نہایت چستی و دلیری سے جنگل کی دشوار گزار گھاٹیوں پر دوڑ پڑا، اور تمام مفسدوں کو گرفتار کر کے سر راہ قتل کرنا شروع کیا۔ راجا پرتاب نے خان مرقوم کو لکھا کہ میں دولت خواہوں میں شامل ہونا چاہتا ہوں، اگر عہد و پیمان سے مطمئن کر دو کہ مجھ کو کوئی ایذا نہ پہنچے گی تو اطاعت کے لیے حاضر ہوں اور تمہارے ساتھ اعتقاد خان سے ملوں گا۔ زبردست خان نے ہر طرح راجا کی خاطر جمعی و دلدہی کی اور اعتقاد خان کا مہری عہد نامہ بھیج دیا۔ اس کے بعد ۷ رمضان ۱۰۵۲ھ کو پرتاب زبردست خان سے ملا اور اس کے ساتھ اعتقاد خان کے پاس پٹنہ آیا، اور ایک ہاتھی نذر کر کے ہر سال ایک لاکھ روپے پیش کش دینے کا وعدہ کیا۔ اعتقاد خان نے پورا واقعہ بادشاہ کو لکھ بھیجا۔ شاہ جہاں نے پرتاب کو منصب ہزاری عطا کیا، اور پلاموں کی جمع ایک کرور دام سالانہ ٹھیرا کر اس کو پرتاب کی جاگیر مقرر کر دیا[۱]

۲۶ صفر ۱۰۵۳ھ کو شایستہ خاں نے الٰہ آباد سے اور زبردست خان نے پٹنہ سے جا کر پرتاب زمیندار کی طرف سے ایک ہاتھی اور دو ہزار اشرفی بادشاہ کے نذر کی اور زبردست خان کی طرف سے بھی تھوڑے جواہر اور مرصع آلات نظر سے گزرے[۲]

سلخ ماہ ربیع الثانی ۱۰۵۴ھ میں شاہ جہاں نے پرگنہ بھوج پور (توابع صوبہ بہار) کو ذو الفقار خان کی جاگیر (تیول) مقرر کر کے خان مرقوم کو بھوجپور[۳]

---

۱ بادشاہ نامہ جلد ۲ صفحہ ۳۴۸-۳۵۰ - شاہ جہاں نامہ جلد ۲ صفحہ ۳۹۸

۲ شاہ جہاں نامہ جلد ۲ صفحہ ۴۰۵ - ۳ شاہ جہاں نامہ جلد ۲ صفحہ ۴۰۷

روانہ کیا۔

غرہ شعبان ۱۰۵۶ھ کو اعتقاد خان صوبہ بہار سے تبدیل ہو کر بنگالے کی صوبے داری پر مامور ہوا۔[1]

---

(۹) اعظم خان (میر محمد باقر) (۱۰۵۷-۱۰۵۶ھ ۱۶۴۷-۱۶۴۶ء)

اعتقاد خان کے بنگالے جانے پر اعظم خان بہار کا صوبے دار ہوا، اس کے زمانے کا کوئی خاص واقعہ اس صوبے کے متعلق نظر نہیں آتا۔ غالباً یہ صوبے دار کوئی انتظام بھی نہ کر سکا۔ کیوں کہ ۱۰۵۹ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔[2]

شاہ جہاں نامہ (جلد ۲ صفحہ ۵۵۷) کے مطابق اس زمانے میں بنگالے کی جمع پچاس کرور دام اور صوبہ بہار کی جمع چالیس کرور دام اور اڑیسہ کی جمع بیس کرور دام تھی اور سارے ملک کی شاہی جمع آٹھ سو اسّی کرور دام یعنی آٹھ ارب اور اسّی کرور دام تھی۔

---

(۱۰) سعید خان (۱۰۵۷ھ ۱۶۴۸ء)

۲ رجب ۱۰۵۷ھ کو سعید خان بلخ سے آکر بادشاہ کی خدمت میں حاضر

---

[1] شاہ جہاں نامہ جلد ۲ صفحہ ۵۰۵

[2] شاہ جہاں نامہ جلد ۲ صفحہ ۵۰۹۔ ماثر الامرا صفحہ ۲۱۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر کی صوبے داری کے لیے منتخب ہو کر طلب کیا گیا تھا۔

ہوا۔ شاہ جہاں نے اس کی خدمات کے لحاظ سے اس کو بہار کی صوبے داری کے لیے نامزد کیا۔ لیکن ۱۰۶۱ھ کے حالات سے معلوم ہوتا ہو کہ سعداللہ خاں بہادر مظفر جنگ صوبہ بہار سے شاہ جہاں کے پاس پہنچا اور اسی سال کابل سے سعید خاں کے انتقال کی خبر آئی۔[۱]

---

(۱۱) عمدۃ الملک جعفر خان ۱۰۶۱ھ تا ۱۰۶۴ھ
(۱۶۵۱ء-۱۶۵۴ء)

جعفر خان نواب صادق خان کا پوتا اور بہرام خان کا بیٹا تھا۔ اس کی صوبے داری کے زمانے میں اس کا چھوٹا بھائی مرزا عزیزالدین بہرہ مند خان بھی صوبہ بہار میں کسی ممتاز عہدے پر مقرر ہوا تھا۔ سلیمان شکوہ پسر شہزادہ داراشکوہ کی شادی بہرہ مند خاں کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ اور اسی تقریب کے موقع پر بہرہ مند خان پٹنہ سے بلوایا گیا تھا۔[۲]

جعفر خان کے زمانے میں میر جعفر نام (از سادات حسنی استرابادی) جو سابق میں محمد قلی قطب الملک کا ملازم تھا اور ترک ملازمت کرکے چودہ سال سے پٹنہ میں درویشوں کی طرح زندگی بسر کرتا تھا۔ جمادی الثانی ۱۰۶۴ھ میں نواب جعفر خان کے ساتھ شاہ جہاں کے دربار میں حاضر ہوا اور منصب ہفت صدی صد سوار و خلعت و جمدھر و شمشیر یا یراق طلا مینا کار و اسپ عراقی

---

[۱] شاہ جہاں نامہ جلد ۲ صفحہ ۹۱ و ۱۲۳ و ۱۳۳۔

[۲] ماثرالامرا صفحہ ۳۶۵۔

بانزین نقرہ اور پانچ سو مہر کے انعام سے سرفراز ہوا۔[۱]

غرہ جمادی الثانی ۱۰۶۳ھ کو عسکری نامی دیوان صوبہ بہار تبدیل کیا گیا۔ اور اس کی جگہ پرتاراچند مقرر ہوا۔

---

(۱۲) اخلاص خان تخمیناً ۱۰۶۵ھ تا ۱۰۶۸ھ (۱۶۵۸-۵۵ء)

عمدۃ الملک جعفر خان کے بعد شیخ فرید مخاطب بہ اخلاص خاں صوبے دار مقرر ہوا۔ اس کا ذکر ضمناً عالم گیرنامہ صفحہ ۱۹۱ و ۱۹۲ میں اس طور پر ہے کہ اکبرآباد کے واقعات (یعنی داراشکوہ کی شکست، شاہ جہاں کی نظر بندی اور اورنگ زیب کے تسلط) کے بعد اورنگ زیب نے اخلاص خاں کو لکھا کہ الہ آباد آکر خان دوراں کی کمک میں موجود رہے اور چوں کہ احمد خویشگی بھی اخلاص خان کے خطاب سے مخاطب تھا، اس لیے شیخ فرید احتشام خاں کے لقب سے ملقب ہوا۔

شاہ جہاں نے ۱۰۶۳ھ کے قریب بنگالے کی حکومت شہزادہ شجاع کو دی تھی اور اس کے بعد ۱۰۶۷ھ کے قریب صوبہ بہار کی حکومت شہزادہ داراشکوہ (ولی عہد) کے سپرد کی۔ اور شہزادہ کی جانب سے الہ وردی خان کو نائب صوبے دار مقرر کیا۔

---

[۱] شاہ جہاں نامہ جلد ۳ صفحہ ۱۸۹۔

(۱۳) صوبہ بہار میں داراشکوہ۔ شجاع اور اورنگ زیب کے معرکے ۱۰۶۷ھ تا ۱۰۶۹ھ (۵۶-۱۶۶۱ء)

۱۰۶۷ھ میں شاہ جہاں نے ضعف پیری کے سبب تمام امورِ سلطنت اپنے بڑے بیٹے داراشکوہ کے سپرد کر دیے تھے۔ یہ امرا اور شہزادوں کو ناگوار ہوا۔ شہزادہ مراد نے گجرات میں خودسر ہو کر اپنے نام کا سکہ و خطبہ جاری کیا۔ اور اورنگ زیب دکن سے فوج لے کر داراشکوہ کے استیصال کو روانہ ہوا، اُدھر شجاع نے بنگالے سے بہار پر فوج کشی کی اور اللہ وردی خاں کو جو داراشکوہ کی طرف سے صوبہ بہار کا انتظام کرتا تھا[۵۱] ملا کر پٹنہ و صوبہ بہار پر قبضہ کر لیا۔ اور یہاں سے فوج فراہم کر کے داراشکوہ کے مقابلے کو چلا۔

۴ ربیع الاول ۱۰۶۷ھ کو داراشکوہ نے اپنے بڑے بیٹے سلیمان شکوہ کو شجاع سے لڑنے کے لیے روانہ کیا۔ یکم جمادی الاول کو بنارس سے کچھ آگے موضع بہادرپور میں جنگ واقع ہوئی اور شجاع شکست کھا کر پھر پٹنہ واپس آیا اور یہاں سے مونگیر جا کر قلعے کے استحکام میں مصروف ہوا۔ لیکن سلیمان شکوہ کی فوج تعاقب میں آ رہی تھی اس لیے یہاں بھی قدم نہ جما سکا۔ اور ناچار بنگالے واپس گیا۔ سلیمان شکوہ نے پٹنہ و مونگیر پر قبضہ کر لیا اور شجاع کے بعض ملازموں کو جو اس معرکے میں گرفتار ہوئے تھے۔ اکبرآباد بھیج کر سخت سزائیں دلوائیں۔[۵۲]

---

۵۱ عالم گیر نامہ صفحہ ۲۱ ۲۔ ماثر الامرا میں بہادر خان باقی بیگ کے حالات میں لکھا ہے کہ داراشکوہ نے ۱۰۶۶ھ میں اس کو نائب صوبے دار بنا کر سلیمان شکوہ کے ساتھ پٹنہ میں متعین کیا تھا۔ ۱۲۔ ۵۲ عالم گیر نامہ صفحہ ۲۹ تا ۳۲۔

ہنوز سلیمان شکوہ اور شجاع کا معاملہ طے نہ پایا تھا کہ اورنگ زیب نے دارا شکوہ کو شکست دے کر دہلی پر قبضہ کرلیا۔ دارا شکوہ بھاگ کر لاہور چلا گیا اور سلیمان شکوہ کو بھی کمک کے لیے طلب کیا۔ اورنگ زیب نے، شاہ جہاں کو نظر بند کرکے سلطنت کا نظم اپنے ہاتھ میں لے لیا اور شجاع کو اپنی طرف ملا لینے کے لیے صوبہ بہار و مونگیر کی حکومت کا فرمان خاص شاہ جہاں کی مہر سے میرک گرز بردار کی معرفت شجاع کے پاس بھیج دیا[۱]۔ شجاع نے مصلحتاً اس کو قبول کیا لیکن پٹنہ آکر از سر نو فوج فراہم کرکے اورنگ زیب کے مقابلے کا قصد کیا۔ اورنگ زیب بھی غافل نہ تھا۔ اس نے بھی اپنے دولت خواہوں کو لگا رکھنے کے لیے یکم شوال ۱۰۶۸ھ کو سید شیر خاں بارہہ کو اس کے سابق منصب میں اضافہ کرکے منصب سہ ہزاری ہزار و پانصد سوار اور ترہت کی فوج داری تفویض کی اور اسی طرح ۱۲ ربیع الثانی ۱۰۶۸ھ کو میر ابوالمعالی پسر مرزا والی جاگیر دار علاقہ بہار کو بھی خلعت و اسپ و فیل (مع زریں جھول) و خطاب میرزا خانی و منصب سہ ہزاری و انعام (تیس ہزار روپے نقد) سے سرفراز کیا[۲]۔

اورنگ زیب کو جب شجاع کا قصد معلوم ہوا، اپنے بیٹے شہزادہ محمد سلطان کو ساتھ لے کر مقابلے کو روانہ ہوا۔ اس وقت معظم خاں المعروف بہ میر جملہ بھی آ ملا۔ شجاع جب پٹنہ سے چل کر قلعہ رہتاس (سہسرام) کے قریب پہنچا۔ رام سنگھ ملازم دارا شکوہ نے دارا شکوہ کے خفیہ ایما سے اس قلعے کو شجاع کے حوالے کردیا[۳]۔ اس کے بعد شجاع کی فوج آگے بڑھ کر اورنگ زیب

---

[۱] عالم گیر نامہ صفحہ ۲۱۱ و ۲۲۳۔ [۲] عالم گیر نامہ صفحہ ۱۳۲ و ۲۴۰ (منتخب اللباب صفحہ ۴ جلد ۲) ماثر الامرا صفحہ ۳۴۶ میں مذکور ہے کہ مرزا وارخان کے مرنے پر میر ابوالمعالی ترہت کا فوج دار مقرر ہوا۔ [۳] عالم گیر نامہ صفحہ ۲۲۵۔

کے لشکر سے مقابل ہوئی۔ اور ابتدائے جنگ میں کسی قدر کامیابی کے بعد بالآخر مقام کھجوہ میں شکست فاش اٹھاکر پسپا ہوئی۔ اورنگ زیب نے شہزادہ محمد سلطان اور میر جملہ کو شجاع کے تعاقب میں روانہ کیا۔ شجاع نے اوّل پٹنہ واپس آکر اپنے بڑے لڑکے زین الدین کی شادی ذوالفقار خان کی لڑکی سے انجام دی اور اس کے بعد ۷ جمادی الثانی ۱۰۶۹ھ کو مونگیر پہنچا یہاں شہر کے سامنے پٹھانوں کی بنوائی ہوئی دیوار اور خندق تھی۔ شجاع نے اس دیوار میں تیس تیس گز کے فاصلے پر برجیاں بنوائیں اور خندق کو ندی سے ملا کر جابجا توپیں نصب کرادیں۔ اور کھڑک پور (مونگیر) کے راجا بہروز کو مونگیر سے اکبر نگر تک تمام دشوار گزار و غیر مسلوک راہوں اور گھاٹیوں کی محافظت سپرد کی۔ اس اثنا میں میر جملہ اور شہزادہ محمد سلطان بھی ادھر آپہنچے۔ میر جملہ نے مونگیر کا محاصرہ فضول سمجھ کر شجاع کے بنگالے جانے کی راہ مسدود کرنے کے لیے راجا بہروز[1] کو سازش میں لاکر عام راستے سے علیحدہ کھڑک پور کے پہاڑوں کے بائیں جانب جنگل کی راہ اختیار کی۔ شجاع نے میر جملہ کے بنگالے جانے کا گمان کیا۔ اور ۲۱ جمادی الثانی کو مونگیر سے خود بنگالے کی طرف روانہ ہوا۔ میر جملہ مونگیر سے بیس کوس موضع پیالہ پور تک پہنچا تھا کہ اس کو شجاع کے آنے کا حال معلوم ہوا۔ فوراً پھر مونگیر کی طرف پلٹ آیا اور اس اثنا میں شہزادہ محمد سلطان بھی مونگیر کے قریب آکر ٹھیر گیا۔ شجاع مونگیر سے نکل کر تیس کوس پر موضع رانگاماٹی میں جس کے ایک طرف ندی اور دوسری جانب پہاڑ ہے فصیل بناکر ٹھیر گیا اور میر جملہ کے واپس آنے کی خبر سے اس کے جنگل میں بھٹکنے کا گمان کیا اور اپنے ملازم اسفندیار معموری کو بھیج کر خواجہ کمال افغان

---

[1] جمادی الاوّل ۱۰۶۹ھ میں اورنگ زیب نے راجا بہروز کو منصب ہزاری ہزار سوار عطا کیا (عالمگیر نامہ ص ۳۳۹)

زمیندار بیربھوم کو میر جملہ کے سد راہ ہونے کی تاکید کی۔ ۲۲ جمادی الاول سنہ ۱۰۶۹ھ کو میر جملہ نے مونگیر پر قبضہ کر کے محمد معین سلدوز کو قلعہ مونگیر کی حراست پر متعین کیا اور اورنگ زیب کے حکم کا منتظر رہا۔ حکم آنے پر میر جملہ بیربھوم کی طرف روانہ ہوا۔ خواجہ کمال افغان نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ لیکن اسی زمانے میں بعض فتنہ پسندوں نے اورنگ زیب کی شکست اور داراشکوہ کی فتح کی خبر مشہور کر دی اور راجپوتوں نے اس کا یقین کر کے ۱۶ رجب کو میر جملہ سے علیحدگی اور مخالفت شروع کر دی۔ شجاع نے موقع پا کر اکبر نگر آنے کے قصد سے گنگا کو عبور کیا۔ اور اسی زمانے میں اس نے اللہ وردی خان اور اس کے بیٹے سیف اللہ کو جو پٹنہ سے اس کے ساتھ ہوئے تھے اور اب میر جملہ کے شریک ہوا چاہتے تھے۔ قتل کر کے ان کے تمام مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔ بعد کے واقعات کو بنگالے کی تاریخ سے تعلق ہے۔ صرف اس قدر بیان کر دینا کافی ہو گا کہ شجاع نے اول شہزادہ محمد سلطان کو خفیہ سازشوں سے ملا کر اپنی لڑکی سے اس کی شادی کر دی لیکن شہزادہ محمد نے پشیمان ہو کر شجاع کا ساتھ چھوڑا۔ پھر بھی اورنگ زیب نے اس کو قید کر کے قلعہ گوالیار میں بھیج دیا۔ بالآخر شجاع میر جملہ سے پے در پے شکست کھا کر ارکان (ارخنگ) کے راجا کے پاس پہنچا اور اس کی دغا سے مارا گیا[1]۔ میر جملہ نے بھی رمضان سنہ ۱۰۷۳ھ میں کوچ بہار میں آب و ہوا کی خرابی سے بیمار ہو کر انتقال کیا۔

[1] عالم گیر نامہ صفحہ ۳۲۶-۵۰۱-۵۰۶-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۳-۵۱۴ و ۵۸۹۔
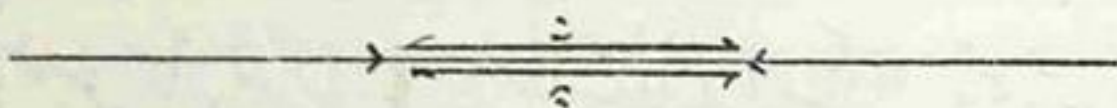
باب پانزدہم

اورنگ زیب کا عہد ۱۰۶۹ھ تا ۱۱۱۸ھ

(۱) داؤد خان قریشی ۱۰۶۹ھ تا ۱۰۷۴ھ (۶۰-۱۶۶۵ء)

داؤد خان پسر شیخ بھیکن[1] قبل میں داراشکوہ کا ملازم تھا۔ اورنگ زیب اور داراشکوہ کی جنگ میں ترک ملازمت کر کے اورنگ زیب کا ملازم ہوا اور اورنگ زیب نے اس کو پٹنہ کی صوبے داری کے لیے نامزد کر کے معظم خان (میر جملہ) کی کمک میں رہنے کا حکم دیا۔ جس وقت معظم خان اکبر نگر (راج محل بنگالہ) میں شہزادہ شجاع سے جنگ کر رہا تھا۔ داؤد خان بھی حسب الحکم یکم رمضان ۱۰۶۹ھ کو رشید خان و میرزا خان و ہادی داد خاں و قادر داد خان و خواجہ عنایت اللہ اور صوبہ بہار کے تمام جاگیرداروں کو ساتھ لے کر روانہ ہوا اور اپنے بھتیجے شیخ محمد حیات کو پندرہ سو سوار اور دو ہزار پیادے حوالے کر کے پٹنہ میں اپنا نائب چھوڑا۔ چوں کہ اکثر ناکوں اور گھاٹیوں پر مخالفوں نے پورا بندوبست کر کے جا بجا جنگی کشتیاں متعین کر دی تھیں۔ اس لیے ضلع مونگیر و بھاگل پور تک داؤد خان کو اکثر مراحل طے کرنے میں دیر لگی۔ اس وقت تک

---

[1] شیخ بھیکن حصار فیروزہ کے شیخ زادوں سے تھا اور خان جہان لودی کے معتمد ملازموں میں تھا۔ ماثر الامراء جلد ا صفحہ ۶۲۳۔

برسات بھی ختم نہ ہوئی تھی کہ اکثر نالے اور ندیاں بھری ہوئی تھیں۔ اس لیے داؤد خان کو کچھ دن مقام قاضی گرہیہ (بھاگل پور کے سامنے) میں قیام کرنا پڑا۔ اسی اثنا میں شہزادہ شجاع نے دوبارہ اکبر نگر پر قبضہ کر لیا تھا۔ پس داؤد خان گنگا کے اس پار آکر کھل گانو کے قریب ٹھیر گیا۔ بعد کو جب برسات گزر جانے پر معظم خان اور شہزادہ شجاع میں پھر جنگ شروع ہوئی۔ داؤد خاں بھی گنگا کے پار جاکر ٹانڈہ کی طرف جہاں شجاع اپنی پوری فوج کے ساتھ ٹھیرا ہوا تھا معظم خان کی کمک میں پہنچ گیا۔ جب شجاع شکست کھا کر ڈھاکہ کی طرف چلا گیا اور اکبر نگر۔ ٹانڈہ اور تمام بنگالہ معظم خاں کے قبضے میں آگیا اورنگ زیب نے ماہ صفر سنہ ۱۰۷۱ھ میں داؤد خان کو بہار کا صوبے دار مقرر کرکے بنگالے سے واپس آنے کا حکم دیا[۵۱]۔ داؤد خان کی صوبے داری میں ایک بڑا واقعہ پلاموں کی فتح ہے جس کی کیفیت حسب ذیل ہے۔

---

(۲) پلاموں کی فتح سنہ ۱۰۷۰-۷۱ھ (سنہ ۱۶۶۰-۶۱ء)

سابق اوراق میں شایستہ خان اور اعتقاد خان کی صوبے داری کے زمانے میں پلاموں کے راجا پرتاب کا ذکر ہو چکا ہے۔ راجا مذکور نے ایک لاکھ روپیہ خراج ادا کرنے کا وعدہ کرکے صلح کی تھی لیکن یہ رقم ادا نہ کی۔ اورنگ زیب نے داؤد خاں کو پلاموں پر چڑھائی کرکے قبضہ کرنے کا حکم دیا۔ اور صوبہ بہار کے جاگیرداروں، زمینداروں اور فوج داروں کو بھی کمک میں حاضر ہونے کی تاکید کی۔ ۴ شعبان سنہ ۱۰۷۱ھ کو داؤد خان۔ میرزا خان فوج دار دربھنگہ۔ تہور خان

---

۵۱ عالم گیر نامہ صفحہ ۲۸۶-۵۰۹-۵۱۳-۵۱۴-۵۸۹۔

جاگیردار چین پور اور راجا بہروز زمیندار مونگیر اور بعض ذی اقتدار لوگوں کو کمک میں ساتھ لے کر پٹنہ سے روانہ ہوا۔ راجا پرتاب کے آدمیوں نے قلعہ کوٹھی کو (جو گیا کے جنوب میں واقع ہے) چھوڑ کر فرار کیا اور ۵ رمضان ۱۰۷۰ھ کو داؤد خاں نے بلامزاحمت اس پر قبضہ کر لیا[۱]۔ اس کے آگے قلعہ کُندہ ایک مستحکم مقام تھا۔ داؤد خان نے بانس کے جنگل کٹوا کر راستہ بنوایا اور اس عرصے میں دشمنوں نے اس کو بھی خالی کر دیا۔ اس لیے ۳ شوال کو اس پر بھی قبضہ کر کے اس کی مستحکم فصیلوں کو منہدم کر دیا۔ اس وقت برسات کا موسم قریب آ پہنچا تھا اس لیے داؤد خان نے آگے بڑھنا مناسب نہ سمجھا اور کوٹھی اور کُندہ کے درمیان ہر تیس کوس پر مٹی کی فصیل بنوا کر سپاہیوں کے لیے چھاؤنیاں تیار کرائیں اور ہر ایک چھاؤنی میں سو سوار اور کچھ پیادے اور تفنگچی متعین کر دیے۔ راجا نے اس بندوبست کو دیکھ کر صلح کی گفتگو شروع کی لیکن داؤد خان نے ایک نہ سُنی۔

برسات گزر جانے پر غرہ ربیع الاول ۱۰۷۱ھ کو داؤد خاں نے پلاموں کی طرف قدم بڑھائے۔ میرزا خان کو سات سو سوار اور دو سو پیادوں کے ساتھ ہراول اور تہور خاں کو سات سو سوار اور تین سو پیادوں کے ساتھ برنغار اور اپنے بھتیجے شیخ تاتار کو پانچ سو سپاہ دے کر اور راجا بہروز کو مع چار سو سوار اور ڈیڑھ ہزار پیادے شامل کر کے جرنغار قائم کیا اور خود دو ہزار سواروں کے ساتھ صدر لشکر ہو کر پانچ سو کا ایک اور لشکر پشت کی جانب متعین رکھا۔ جنگل کاٹ کر راہ کو ہموار کرنے کی غرض سے بیل داروں کی ایک جماعت پہلے سے روانہ کی گئی تھی۔ اس انتظام کے بعد آہستہ آہستہ قدم اٹھا کر ۹ ربیع الاول

---

[۱] عالم گیر نامہ صفحہ ۶۵۱

کو دس کوس طے کر کے فوج نے نرسی (شاید مقام لہرسی مراد ہے جو پلاموں سے بارہ کوس پر واقع ہے) میں قیام کیا۔ راجا نے خوف زدہ ہو کر اپنے معتمد خاص صورت سنگھ کو داؤد خاں کے پاس روانہ کیا۔ اور ایک لاکھ روپے بادشاہ کو پیش کش اور پچاس ہزار داؤد خان کو نذر دینے کا وعدہ کیا۔ داؤد خان نے ساری کیفیت بادشاہ کو لکھ بھیجی۔ ہنوز شاہی حکم وصول نہ ہوا تھا کہ راجا کے کچھ لوگوں نے داؤد خاں کی فوج کی رسد لوٹ لی۔ اس واقعہ سے داؤد خاں سخت برہم ہوا۔ ہر چند راجا نے لاعلمی ظاہر کر کے برأت چاہی اور پچاس ہزار روپے پیش کر کے معافی کا خواستگار ہوا لیکن داؤد خاں نے کوئی التفات نہ کی اور ۱۸ ربیع الثانی کو پلاموں کے قریب قیام کیا۔ راجا کی فوج مستعد ہو کر مقابلے کو نکل کھڑی ہوئی۔ اس وقت اورنگ زیب کا یہ حکم وصول ہوا کہ اگر راجا اسلامی رویہ اختیار کرے تو اس کی زمین داری اس کو دے دی جائے ورنہ اس کا استیصال کیا جائے۔ داؤد خاں راجا کو اس حکم سے مطلع کر کے جواب کا منتظر تھا لیکن اس کی فوج جنگ کے لیے بے قرار تھی۔ اس اثنا میں داؤد خاں کے بغیر حکم ۲۴ ربیع الثانی کو تہور خاں برلاس نے اچانک حملہ کر دیا۔ چار و ناچار داؤد خاں کو بھی جنگ کرنی پڑی۔ اس نے دشمن کی فوج سے تھوڑے فاصلے پر مورچال بنائی اور اسی جگہ صبح سے شام تک سخت جنگ ہوتی رہی تہور خان کی طرف سولہ آدمی مارے گئے اور پچاس آدمی زخمی ہوئے۔ شب کو دشمنوں نے دو بڑی توپیں اپنے مورچال کے اوپر نصب کر دیں۔ لیکن صبح کو داؤد خان نے اس تہلکہ سے نکل کر ایک پہاڑی پر پناہ لی اور توپیں چڑھا کر دشمنوں کی مورچال کو اپنی زد میں کر لیا۔ ۲۷ ربیع الثانی ۱۰۷۱ھ کو دشمنوں نے فرار

کر کے ندی کے کنارے جس کے دوسری جانب گھنا جنگل تھا مورچال بنائی۔ داؤد خان نے جنگل کٹوا کر بہ قدر ضرورت راستہ بنوایا اور اپنے بھتیجے شیخ تاتار اور شیخ احمد اور راجا بہروز۔ مرزا خان تہوّر خان اور شیخ صفی وغیرہ کو حملے کا حکم دیا۔ دو گھڑی سخت جنگ کرنے کے بعد دشمنوں نے شکست کھائی۔ ان میں بہتیرے مارے گئے۔ اکثر زخمی ہو کر جنگلوں میں چھپ گئے اور باقی پس پا ہو کر حصار شہر کے اندر چلے گئے۔ داؤد خان چاہتا تھا کہ جو کچھ قبضے میں آگیا ہے اس کا استحفاظ و بندوبست کرنے کے بعد آگے قدم بڑھائے لیکن لشکر نے اپنی بہادری کے زعم میں دشمنوں کا تعاقب کیا اور سواروں نے ندی کو عبور کر کے حصار شہر پر حملہ کر دیا۔ دشمن یہاں بھی قدم نہ جما سکا اور بھاگ کر پلاموں کے نئے اور پرانے قلعوں میں پناہ گزیں ہوا۔ راجا پرتاب نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ تمام مال و اسباب کو جنگل میں بھیج دیا۔ شاہی فوج شہر کو تاراج کرتی ہوئی قلعے کے دروازے تک پہنچ گئی۔ محصورین قلعے نے کچھ رات گزرنے تک توپ و تفنگ سے مقابلہ کیا لیکن تھوڑی دیر کے بعد راجا پرتاب قلعے کے پچھلے دروازے سے نکل کر جنگل میں بھاگ گیا اور پلاموں کے دونوں قلعے شاہی فوج کے دخل میں آگئے۔ اس معرکے میں شاہی فوج کے اکسٹھ سپاہی کام آئے۔ اور ایک سو ستر آدمی زخمی ہوئے۔ راجا کے آدمیوں نے ان قلعوں سے فرار کر کے مقام دیو گانوں میں پھر ایک جمعیت فراہم کی لیکن صفی خان نے بالآخر اس پر بھی قبضہ کر لیا[1]

اس فتح کے بعد داؤد خان شاہی حکم کے مطابق ان قلعوں کی حراست

---

[1] پورا بیان عالم گیر نامہ صفحہ ۶۵۱ تا ۶۶۰ سے ماخوذ ہے۔

اور پلاموں کی فوج داری منگلی خان[۱] کے سپرد کرکے خود پٹنہ واپس آیا۔

---

(۳) داؤد خان کے زمانے کے بعض قابلِ ذکر واقعات یہ ہیں

سنہ ۱۰۷۱ھ کے آخر میں ذوالقدر خاں قلعے دار رہتاس نے انتقال کیا۔ اور اس کی جگہ ہزبر خان مقرر ہوا۔ بادشاہ نے اس کو خلعت اور سابق سے اضافہ کرکے ڈیڑھ ہزاری منصب عطا کیا[۲]۔

غرہ شعبان سنہ ۱۰۷۱ھ میں پلاموں کے غنائم میں سے دو زنجیر فیل دہلی بھیجے گئے اور بادشاہ کی نظر سے گزرے[۳]۔

داؤد خان کی کارگزاریوں کے صلہ میں ۱۶ ذی الحجہ سنہ ۱۰۷۲ھ کو بادشاہ نے اس کے منصب میں اضافہ کرکے چہار ہزاری چہار ہزار سوار (واز ان جملہ دو ہزار سوار دو اسپہ سہ اسپہ) مقرر کیا[۴]۔

۱۴ جمادی الآخر سنہ ۱۰۷۳ھ کو صوبہ بہار کے وقایع نگاروں نے بادشاہ کو خبر دی کہ مرزا خان فوج دار دربھنگہ جو پلاموں کی فتح میں شریک ہوا تھا اور اس کے بعد شاہی حکم کے مطابق زمیندار مورنگ (پورنیہ سے اوتر ہمالیہ کی ترائی کا علاقہ) کی تنبیہ کو روانہ ہوا تھا اجل طبعی سے فوت ہوا[۵]۔

۱۔ جمادی الاول سنہ ۱۰۷۹ھ میں منگلی خان کو اورنگ زیب نے سارن کی فوج داری مع خلعت و منصب ہزار پانصدی عطا کیا (عالم گیر نامہ صفحہ ۳۳۹) ۲۔ عالم گیر نامہ صفحہ ۳۶۰ ۳۔ عالم گیر نامہ صفحہ ۶۶۵ ۴۔ عالم گیر نامہ صفحہ ۷۵۵ ۵۔ عالم گیر نامہ صفحہ ۸۵۰ (مورنگ سے وہ علاقہ مراد ہے جو ضلع پورنیہ کے اتر کوہ ہمالہ کی ترائی میں واقع ہے)۔

۵ شعبان سنہ ۱۰۷۳ھ کو معصوم خان خلف شاہ نواز خان جو قوربیگی (داروغہ سلاح خانہ شاہی) پر مامور تھا تبدیل ہو کر ترہت کا فوجدار مقرر ہوا اور خلعت و اسپ "با ساز طلائی" سے سرفراز ہوا[۵۱]۔ اور اسی روز ہزبر خان قلعہ دار رہتاس کی جگہ پر خواجہ نذیر مقرر کیا گیا[۵۲]۔

۱۰ ذی الحجہ سنہ ۱۰۷۳ھ کو منکلی خان کے جگہ پر میر رضی الدین سرکار سارن کی فوجداری پر متعین ہوا۔ اور خلعت کے علاوہ اس کے منصب میں اضافہ کر کے ہزار و پانصدی ہشت صد سوار کا منصب عنایت ہوا[۵۳]۔ انھی دنوں میں ۱۶ ذی الحجہ سنہ ۱۰۷۳ھ کو سادات خان (از کومکیان صوبہ بہار) حسب طلب بادشاہ کے پاس حاضر ہوا[۵۴]۔

داؤد[۵۵] خان کے زمانے میں سنہ ۱۰۷۳ھ میں پٹنہ میں دار العدل تعمیر ہوا۔ جس کے کتبے کی لوح فی الحال تھانہ خواجہ کلاں میں لگی ہوئی ہے۔ اس میں یہ شعر کندہ ہے۔

بہر عدل و دادِ مظلومان ز دست ظالمان

ساخت دار العدل جعفر بندۂ داؤد خاں

۱۰۷۳

---

(۳) فتح پلاموں کا مرقع اور اہلِ پلاموں کا کچھ حال

گیا میں سری منولال لائبریری میں فتح پلاموں کا ایک نادر مرقع ہے

---

[۵۱] عالم گیر نامہ صفحہ ۸۵۲ [۵۲] عالم گیر نامہ صفحہ ۸۵۳ [۵۳] عالم گیر نامہ صفحہ ۸۶۱

[۵۴] عالم گیر نامہ صفحہ ۸۶۳ [۵۵] ضلع گیا میں قصبہ داؤد نگر اسی کا آباد کیا ہوا ہے ۱۲۰۔ سیر المتاخرین میں بھی داؤد خاں کو صاحب داؤد نگر لکھا ہے۔

یہ مرقع موٹے کپڑے پر بنا ہوا ہے جس کا طول تقریباً ۴۰ فٹ اور عرض آٹھ نو فٹ ہے۔ جا بجا تصویروں کے ساتھ حسب ذیل عبارتیں بھی لکھی ہوئی ہیں۔ جن سے قلعہ پلامون کی کیفیت اور جنگ کا حال ظاہر ہوتا ہے۔

(۱) پلامون کہ میان شہر واقع است سنگین۔ دور واطراف یک ہزار و یک صد و نود درع۔ ارتفاع ۲۴ درع و برج ۱۲ درع۔ (۲) امارت پناہ داؤد خاں دریں جا بایں طرح مسجدے بنا می کنند (۳) باغات گرد قلعہ واقع است۔ (۴) جائے اندرون قلعہ توپ خانہ و حوالی ہائے شہر نمودہ است (۵) کھڑکی جانب جنوب ازیں راہ روز فتح بہ شب زمیندار پلامون گریخت (۶) بیرون قلعہ در باغات لب دریا بایں طرح مسجدے دوم انداخت (۷) مارت پناہ داؤد خان در معرکۂ جنگ پیادہ شدہ جائے کمان در دست و جائے تلوار و جائے بر پیل سیاہ در دست لوائے جنگ برداشتہ است (۸) سواران لشکر اسپان خود را گزاشتہ پیادہ شدہ بکوہ برآمدہ بہ مقہوران پلامون بجرگ پیوستند (۹) جائے مورچلان مقہوران پلامون نمودہ است (۱۰) جائے خیمہ ہا تہور خان مرزا خان صفی خان امارت پناہ داؤد خان شیخ تاتار و شیخ احمد برادر زادہائے داؤد خان راجا بہروز (۱۱) امات پناہ داؤد خاں بر قلعہ پلامون یورش نمودہ دائرہ لنگاہ داشتند (۱۲) جائے مورچل مقہوران پلامون نمودہ (۱۳) روز یکہ امارت پناہ داؤد خان مورچل بالائے کوہ طیار ساختہ توپ ہارا برآوردہ بر مورچل ہائے مقہوران توپ .... نمودہ آں بد طینتاں نمی توانستند استقامت نمود مورچل خود را گزاشتہ بہ مورچل دوم بالائے کوہ استقامت نمودہ بجرگہ پیوستند (۱۴) تعبیناں زخم گولہ خوردہ افتاد۔ ابراہیم عورلی از تابینان امارت پناہ داؤد خاں از زخم گولہ بکار آمد (۱۵) روز یکہ امارت پناہ داؤد خاں بر قلعہ پلاموں یورش نمودہ فوج سحب .... دائرہ لشکر گزاشتند۔ لشکر شاہی را بنام بندہائے شاہی

یاد کردہ جائے محمد بخشی رانام گرفتہ جائے ڈیرہ زمینداران ...... (۱۶) جائے کولان کہ از جانب راجاچنگ می گردند از نام گواران پلاموں یاد کردہ (۱۷) متصل قلعہ جنوب رویہ کوہ واقع است بالائے آں دیوار پختہ کشیدہ اند (۱۸) جائے باغات انبہ وجائے قلعہ بالائے کوہ نمودہ (۱۹) باغات گرد واقعہ وکوہ ہا و دریا نمودہ۔

یہ مرقع داؤد خان کے ورثا کے پاس تھا۔ حکامِ انگریزی اس کو پانچ ہزار روپے دے کر غالباً برٹش میوزیم کے لیے خریدنا چاہتے تھے۔ لیکن مالک مرقع نے نہ دیا۔ بعد میں ان کے کسی وارث نے نالیاقتی سے اس کو سوا سو روپے کو سری منولال کے کتب خانے میں بیچ ڈالا۔ لائبریری میں ضروری طور پر اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔ سری منولال کے بیٹے لایق وخلیق شخص ہیں۔ انھوں نے راقم کو اس کی تصویر کھینچوانے کی اجازت دی لیکن سامانِ مصوری اعلیٰ قسم کا نہ تھا اس لیے عبارتیں صاف نمایاں نہ ہوئیں۔ بہر حال راقم ان کا ممنون ہے۔

پلاموں کی وجہ تسمیہ تین طور پر بیان کی جاتی ہے۔ اوّل بیان یہ ہے کہ یہ لفظ پلانا سے ماخوذ ہے جس کے معنی استقامت نہ کرنے کی جگہ کے ہیں۔ دوسرا بیان یہ ہے کہ یہ پل۔ ام۔ او سے ماخوذ ہے جس کے معنی دانت والے قلعے کے ہیں۔ اس لیے کہ چیرو قوم نے جو قلعہ ندی کے کنارے بنایا۔ اس ندی میں پتھر بڑے بڑے دانتوں کی شکل میں نمایاں ہیں۔ شاید یہ لفظ ڈراویڈین زبان سے ماخوذ ہے۔ تیسرے بیان کے مطابق یہ نام "پالاموٗ" سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہیں "ٹھنڈ کا مارا ہوا"۔ ان میں سے کون سی نسبت صحیح ہے معلوم نہیں۔ پلاموں کے علاقوں میں چیرو۔ اراؤن اور کھروار قوم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کو اپنے عروج کے زمانے میں فاتح اور صاحبِ حکومت اور قلعہ رہتاس (ضلع آرہ) کا بانی ہونے کا دعویٰ ہے۔ کھروار کو اپنی قوم کے راجا پرتاب دھول

کے کارناموں پر بڑا فخر ہے جو شاید بارھویں صدی عیسوی میں حکمران تھا۔ اراؤن قوم کا دعویٰ ہے کہ یہ کرناٹک (دکن) سے آکر آباد ہوئیں اور رہتاس گڑھ کو تعمیر کیا۔ ان کا بیان ہے کہ مسلمان ایک عرصے تک ان پر فتح نہ پا سکے۔ آخر ایک پرب کے موقع پر راجا کے تمام لوگ خوشی مناکر نشے میں مدہوش تھے۔ مسلمان پہلے سے ایسے موقع کے منتظر تھے۔ اچانک ان کو قتل کر کے قلعہ رہتاس پر قابض ہو گئے اور مفتوح قوم کے جو افراد بچ گئے تھے۔ بھاگ کر علاقہ پلاموں وراج محل میں آباد ہوئے اور راج محل والے مال پلریا اور چھوٹا ناگپور والے اراؤن کہلائے۔ یہ بیان تاریخی ثبوت سے خالی ہونے کے سبب فسانہ معلوم ہوتا ہے۔ چیرو قوم پلاموں پر کب قابض ہوئی اس کی حقیقت معلوم نہیں۔

۱۵۳۸ء کے قریب شیر شاہ نے مہارتو چیرو نامی سردار کی خود سری کے سبب اس کی تنبیہ کے لیے فوج روانہ کی اور اس کو سر کر کے اس طویل اور مشہور ومعروف راہ کو جو شیر شاہی سڑک یا گرینڈ ٹرنک روڈ کہی جاتی ہے۔ رہ زنی و غارت گری سے محفوظ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ چیرو قوم نے رکھسیل خاندان کے راجپوت راجا کو شکست دے کر پلاموں پر قبضہ کیا تھا، اور اس راجپوت راجا کو شکست دینے میں بارہ ہزار چیرو اور اٹھارہ ہزار کھروار شامل تھے۔ یہ بھی بیان ہے کہ چیرو خاندان کے پانچویں راجا سہبل رائے (SAHBAL RAI) نے مسلمانوں کو بہت ہزیمت پہنچائی تھی۔ بالآخر مسلمان اس کو گرفتار کر کے دہلی لے گئے اور وہاں بادشاہ نے اس کی طاقت کی شہرت سن کر اس کو تنہا ایک شیر سے لڑوا کر امتحان لیا۔ اس سہبل رائے کا بیٹا بھگوت رائے اول پلاموں پر قابض ہوا۔ چیرو قوم میں مدنی رائے بھی ایک مشہور راجا تھا جس کو اس قوم کے لوگ عادل کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ مدنی رائے نے اپنی فتوحات کو بھی وسعت دی اور چھوٹا ناگپور

کے راجا کو شکست دے کر اس کی دارالحکومت ڈویسا کو برباد کر دیا۔ راجا پرتاب جس کو داؤد خان نے شکست دی۔ اسی مدانی رائے کا بیٹا کہا جاتا ہے۔ اس وقت سے پلاموں مسلسل مسلمانوں کے قبضے میں رہا۔ محمد شاہ بادشاہ نے ضلع پلاموں میں دو پرگنے یعنی جپلا اور بلونجہ نواب ہدایت علی خان پدر نواب غلام حسین خاں مؤلف تاریخ سیرالمتاخرین کو بطور جاگیر دیے تھے۔ نواب ہدایت علی خاں نے قصبہ حسین آباد آباد کیا اور بالآخر یہیں مدفون ہوئے۔ ان کے انتقال کے بعد ہی ۱۷۶۵ء میں غلام حسین خان مولف سیرالمتاخرین نے مرشد آباد جا کر نواب ناظم بنگالہ سے ان پرگنوں کی سند اپنے نام لکھوالی۔ اسی سال نواب ناظم بنگالہ نے اپنے اختیارات انگریزوں کے سپرد کیے۔

۱۷۷۰ء کے قریب چیرو راجا کے خاندان میں گدی نشینی کے متعلق جھگڑا پیدا ہوا۔ اوّل جے کشن رائے نے رنجیت رائے کو قتل کر کے خود کو سند نشین کیا تھا۔ چند سال بعد رنجیت رائے کے آدمیوں نے جے کشن رائے کو قتل کر کے چھتر جیت رائے کو راجا بنایا۔ جے کشن رائے کے پوتے گوپال رائے نے پٹنہ پہنچ کر کپتان کیمک (CAMAC) سے مدد کی استدعا کی۔ چھتر جیت رائے انگریزوں کا مخالف تھا۔ اس لیے کپتان مذکور نے پلاموں پر چڑھائی کی۔ لیکن پورا زور لگانے پر بھی قلعہ مفتوح نہ ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ جب انگریزی توپیں کارگر نہ ہوئیں تو گوپال رائے کے ساتھیوں میں ادونت رائے نامی نے کہا کہ مدنی رائے بانی قلعہ نے قلعے کی فصیل میں ایک خفیہ راستہ ایسا رکھا ہے کہ وقت پر اسی راہ سے قلعے میں آمد و رفت کی جائے اور وہ مقام مجھ کو معلوم ہے۔ آخر اس کے بتانے سے انگریزی فوج اسی راہ سے داخل ہوئی۔ اور چھتر جیت رائے نے فرار کر کے سرگجھ کی راہ لی۔ اس کے بعد اتفاقاً گوپال رائے نے ادونت رائے کو

دغا سے مار ڈالا۔ اس کے وارثوں کے استغاثے پر کپتان کیمک نے گوپال رائے کو گرفتار کر کے پٹنہ میں قید کیا اور اس نے ۱۷۸۴ء میں پٹنہ ہی میں انتقال کیا۔ گوپال رائے کی جگہ پر اس کا بھائی چرامن رائے راجا ہوا۔ اس کی ناقابلیت کے سبب ۱۸۰۰ء میں سخت بغاوت و فساد پیدا ہوا، اور کرنل جونس ایک فوج لے کر وہاں پہنچا تو مفسدوں نے سرگجہ کی راہ لی۔ گورنمنٹ کی مال گزاری وصول نہ ہونے پر ۱۸۱۳ء میں گورنمنٹ نے ان علاقوں کو نیلام کر کے خود خرید لیا۔ اور میجر رفنیج کی سفارش پر تمام علاقے 'دیو' ضلع گیا کے راجا گھنشام سنگھ کو بعض خدمات کے صلے میں دے دیے۔ لیکن راجا مذکور سے خاطر خواہ بندوبست نہ ہو سکا۔ اس لیے ۱۸۱۷ء میں گورنمنٹ نے پھر سب علاقے واپس لے کر ضلع رام گڑھ میں شامل کر لیے۔ ۱۸۳۲ء میں کول لوگوں کی بغاوت کے وقت چیرو قوم کے بعض لوگوں نے بھی باغیوں کا ساتھ دیا۔ ۱۸۳۳ء میں گورنمنٹ نے پلاموں کو ضلع لوہردگا میں شامل کر دیا اور ۱۸۵۴ء میں پلاموں لوہردگا کا سب ڈویژن قرار پایا۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے وقت کھروار قوم کے بھگتا لوگوں میں دو نامی اشخاص پتمبر ساہی و نلمبر ساہی نے علاقہ پلاموں کے اکثر حصص پر قبضہ کر لیا تھا لیکن چین پور کے زمیندار کشن سنگھ و دیال سنگھ کی مدد سے گورنمنٹ نے غدر فرو کرنے میں جلد کامیابی حاصل کی عرصۂ دراز کے بعد گورنمنٹ نے پتمبر اور نلمبر کو گرفتار کر کے پھانسی کی سزا دی۔ ۱۸۵۹ء میں گورنمنٹ نے لسلی گنج کو پلاموں کا صدر مقام قرار دیا۔ لیکن انگریزوں کو اس کی آب و ہوا راس نہ آئی، اس لیے ۱۸۶۲ء سے ڈالٹین گنج جو کرنل ڈالٹین کا آباد کیا ہوا ہے صدر مقام بنایا گیا۔ بالآخر سرزمین کی آبادی اور رعیت کی ترقی کو دیکھ کر ۱۸۹۲ء میں گورنمنٹ نے پلاموں کو لوہردگا سے علیحدہ کر کے ایک خاص ضلع قرار دیا جس کا صدر مقام یہی ڈالٹین گنج ہے۔

(۴) یورپین سیاح ٹیورنیر اور برنیر کا بیان ۱۶۶۶ئہ

۱۶۶۶ئہ میں ٹیورنیر اور برنیر (فرانسیسی جوہری و طبیب) پٹنہ آئے تھے۔ ان مشہور و معروف سیاحوں کے سفر نامے چھپے ہوئے ملتے ہیں۔ ٹیورنیر آگرہ سے ہوکر پٹنہ آیا۔ اور برنیر بھی اس سفر میں اس کے ساتھ تھا۔ برنیر کے سفر نامے سے معلوم ہوتا ہی۔ ۶، جنوری ۱۶۶۶ئہ کو اس نے راج محل میں ٹیونیر کا ساتھ چھوڑا۔

ٹیونیر لکھتا ہی کہ پٹنہ ہندستان کے بہت بڑے شہروں میں ہی۔ یہ گنگا کے کنارے پر کسی قدر پچھم طرف واقع ہی۔ اور طول میں دو لیگ (یعنی تخمیناً ۲½ کوس) سے کم نہیں۔ لیکن ہندستان کے اور شہروں کی طرح یہاں بھی مکانات بیشتر بانس اور پھونس کے بنے ہوئے ہیں۔ ہالینڈ کمپنی (ولندیز) نے شورہ کی تجارت کی بدولت یہاں مکان بنالیا ہی۔ شورہ چھپرہ نامی (اس کو چوپر لکھا ہی) ایک بڑے قصبے سے صاف ہوکر آتا ہی جو گنگا کے کنارے پٹنہ سے دس لیگ کے فاصلے پر ہی۔ چھپرہ سے واپس ہوتے ہوئے پٹنہ میں ہالینڈرز نے صاحب سلامت کے لیے بہر راہ ہماری گاڑی رکوائی اور ہم لوگوں نے شارع عام ہی پر دو بوتلیں مے شیرازی کی لنڈھالیں تب رخصت ہوئے۔ اس ملک میں یہ بات قابلِ لحاظ نہیں سمجھی جاتی اور لوگ نہایت بے تکلفی سے آزادانہ ملتے ہیں۔ میں نے پٹنہ میں آٹھ دن قیام کیا۔ ایک اور مقام پر لکھتا ہی کہ میں نے ایک سفر میں پٹنہ میں سات ہزار چھ سو تہتر مشک کے نافے خریدے۔ جس کا وزن دو ہزار پانچ سو ساڑھے ستاون اونس تھا اور ان سے ۳۲ ۴۳ اونس مشک نکلا۔[۱]

[۱] LAUERNERS THAUELS BORK I PAGE 53, 97 اور BOOK II PANT II. PAGE 153 (بقیہ نوٹ صفحہ ۲۹۹ پر۔)

برنیر لکھتا ہے کہ بنگالہ شورہ کی تجارت کا مخزن ہے جو کثیر مقدار میں پٹنہ سے لایا جاتا ہے۔ یہ گنگا ندی کے ذریعے نہایت آسانی سے پہنچتا ہے۔ اور ڈچ اور انگریز تجارتی طور پر کثیر مقدار میں "انڈیز" کے مختلف حصص اور یورپ کو روانہ کرتے ہیں۔

دوسرے مقام پر مذکور ہے کہ پٹنہ یا بہار میں آٹھ سرکاریں اور دو سو پینتالیس پرگنے شامل ہیں جن کی آمدنی پچانوے لاکھ اسی ہزار روپے ہے[1]۔ (ان آٹھ سرکاروں سے سرکار شاہ آباد۔ سرکار رہتاس۔ سرکار بہار۔ سرکار حاجی پور۔ سرکار سارن۔ سرکار چمپارن۔ سرکار ترہت اور سرکار مونگیر مراد ہے۔ جو آئین اکبری میں بھی مذکور ہے)

---

(۵) لشکر خان ۱۰۷۶ھ تا ۱۰۷۸ھ (۶۸-۱۶۶۶ء)

محرم ۱۰۷۵ھ میں داؤد خاں صوبہ بہار سے واپس گیا اور ۲۶ر شعبان کو اورنگ آباد نے اس کی جگہ پر لشکر خان کو خلعت اور ایک زنجیر فیل واسپ باساز طلا کارنے کر صوبہ بہار کی حکومت پر متعین کیا۔ اس کی صوبے داری کے زمانے کے قابل ذکر واقعات حسب ذیل ہیں۔

۱۴ر ربیع الثانی ۱۰۷۶ھ کو مونگیر کے راجا بہروز نے اجل طبعی سے انتقال

(صفحہ ۲۷۰ کا بقیہ نوٹ) حسن اتفاق سے راقم کو اس کتاب کا سب سے زیادہ مستند نسخہ مطبوعہ لندن ۱۸۲۶ء سری منولال لائبریری مقام گیا میں مل گیا۔

[1] TRAVELS IN THE MOGHL EMPIRE BY FRANCOIS BERNIER, PAGE 440, 457

کیا۔ ۲۷ر صفر سنہ ۱۰۷۸ھ کو پلاموں کی حکومت منگلی خان سے تغیر ہو کر براہ راست لشکر خان صوبے دار پٹنہ کو تفویض ہوئی۔ اسی زمانے سے اب تک پلاموں صوبے بہار میں شامل ہے۔

اسی تاریخ کو رحمت خان آرہ کا فوجدار مقرر ہو کر خلعت اور سابق سے اضافہ کر کے منصب دو ہزاری نہصد سوار سے سرفراز ہوا۔

تاریخ ۱۲ر ذی الحجہ سنہ ۱۰۷۸ھ کو معصوم خاں معزول شدہ فوجدار ترہت بادشاہ کے پاس حاضر ہوا۔

---

(۶) ابراہیم خان سنہ ۱۰۷۹ھ تا سنہ ۱۰۸۲ھ (سنہ ۷۰-۱۶۷۲ء)

لشکر خان نے تبدیل ہونے پر ابراہیم خان صوبے دار بہار ہوا۔ اس کا منصب سابق سے اضافہ کر کے پنج ہزاری پنج ہزار سوار مقرر ہوا[۲]۔ اس صوبے دار کی حکومت کے متعلق کوئی خاص واقعہ تاریخوں میں مذکور نہیں لیکن اس کی صوبے داری کے زمانے میں ۲۵ر ربیع الثانی سنہ ۱۰۸۱ھ (سنہ ۱۳ جلوس) کو اورنگ زیب نے ایک فرمان شیخ غلام محمد متوطن بلدہ پٹنہ کے نام صادر کیا جو سلسلہ بہ سلسلہ بخشی الملک اسد خان کے دیوان خانے سے جاری ہو کر ابراہیم خان صوبے دار و محمد قاسم دیوان صوبہ بہار کے پاس ۱۶ر جمادالثانی کو پہنچا۔ اس فرمان کو حال میں راقم نے خود دیکھا۔

خافی خان کے بیان کے مطابق سنہ ۱۰۷۹ھ میں سیواجی مرہٹہ دہلی سے بھاگ کر اطراف بہار و پٹنہ سے گزرتا ہوا خفیہ قطب الملک عبداللہ کے پاس حیدر آباد

۱؎ عالم گیر نامہ صفحہ ۹۷۳۔

۲؎ ماثر عالم گیری صفحہ ۷۱۔

پہنچا۔ یہ زمانہ بھی ابراہیم خان کی صوبے داری کا تھا۔

---

(۷) امیر خان ۱۰۸۳ھ تا ۱۰۸۶ھ (۷۵-۱۶۷۳ء)

اس صوبے دار کے زمانے کا کوئی واقعہ اس صوبے کے متعلق معلوم نہیں ہوتا لیکن سر جدو ناتھ سرکار نے اپنی تاریخ (HISTARG OF ACCRANGZ) میں لکھ دیا ہے کہ عالم اور اسماعیل نامی صوبہ بہار کے پٹھانوں نے شاہ جہان پور اور کانت گولہ میں شورش کی اور نوٹ (صفحہ ۲۵ جلد ۲) میں بتایا ہے کہ شاہ جہان پور نام کی ایک بستی پٹنہ سے سولہ میل دکھن ہے۔ اور پٹنہ سے پورب ۲۸ میل کے فاصلے پر اٹھمل گولہ ہے اور رنل صاحب کے نقشے (شیٹ نمبر ۲ و ۹) میں گنگا کے پار کاٹ گنج درج ہے۔ سر جدو ناتھ سرکار کا یہ قیاس صحیح نہیں معلوم ہوتا جو مندرجہ ذیل سطور سے بخوبی واضح ہوگا۔

عالم اور اسماعیل کا شاہ جہان پور اور کانت گولہ میں شورش کرنا صرف ماثر عالم گیری صفحہ ۱۴۰ میں مذکور ہے۔ یہ روایت عالم گیر نامے میں تو ہو ہی نہیں سکتی کیوں کہ وہ اورنگ زیب کے ابتدائے جلوس سے صرف دس سال کی تاریخ ہے۔ اور خافی خان یا دوسرے مورخوں نے جن کے حوالے سے سر جدو ناتھ سرکار نے اپنی تاریخ مرتب کی ہے ایسا کوئی واقعہ نہیں لکھا ہے۔ لہٰذا ماثر عالم گیری جو اصل

---

[۱] منتخب اللباب صفحہ ۲۲۰ جلد ۲ کی اصل عبارت یہ ہے "سیوا از بنارس براہ بہار پٹنہ و چاندہ کہ براہ تراکم اشجار و شوار گزار است و از سر حد زمینداران سوائے بیوپاری تولی و قاصدان تردد دشوار است بہ تغیر وضع ہر جا کہ میرسید خود را وہم راہان بصورت دیگر ساختہ طی منازل می نمود تا خفیہ نزد عبداللہ قطب الملک بہ حیدر آباد رسید"۔

ماخذ ہے۔ اس کی حسب ذیل عبارت کو بغور دیکھنا چاہیے۔

"(واقعہ نہم شعبان ۱۰۸۶ھ) از عرض داشت امیر خان بہ عرض رسید کہ عالم و اسماعیل و دیگر افغانان شورش انگیز شاہ جہان پور و کانت گولہ بعد از استیلائے افواجِ شاہی کہ بہ پناہ قلعہ در آمدہ بودند و دستگیر شدند با ابراہیم خان کہ از بنگالہ می رسد روانہ حضور لامع النور می کند۔"

ظاہر ہے کہ اس عبارت میں صوبہ بہار کا کوئی ذکر نہیں اس لیے اس واقعے کو صوبہ بہار کی طرف منسوب کرنا محض قیاس پر مبنی ہے۔ جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس زمانے کے قریب امیر خان بہار کا صوبے دار تھا۔

لیکن غالباً امیر خاں اس وقت بہار کی صوبے داری سے تبدیل ہو چکا تھا۔ کیوں کہ عرض داشت کی تاریخ سے ایک مہینے کے اندر ہی امیر خان کا دربار میں حاضر ہونا اور اس کی جگہ پر تربیت خاں کا صوبے دار بہار مقرر ہونا مآثر عالم گیری صفحہ ۱۴۸ میں صریح طور پر مذکور ہے۔

(واقعہ نہم رمضان ۱۰۸۶ھ) "امیر خان از ابہار آمدہ بہ شرف زمین بوس رسید۔ تربیت خان از تغیر او منصوب شد۔"

اب یہ بتا دینا ضروری ہے کہ شاہ جہان پور اور کانت گولہ سے کون سا مقام مراد ہے۔ ظاہر ہے کہ ضلع پٹنہ میں جو شاہ جہان پور نامی بستی ہے۔ یہاں عالم اور اسماعیل نامی افغانوں کا شورش کرنا کسی طور پر معلوم نہیں ہوتا اور اٹھمل گولہ اور کاٹھ گنج کا کانت گولہ ہونا اور افغانوں کا شورش کرنا بھی قطعی طور پر صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ شاہ جہان پور لکھنؤ سے پچاس کوس پر مشہور قصبہ ہے۔ اور اس سے کچھ فاصلے پر ضلع مراد آباد میں کانت و گولہ بھی مشہور بستی ہے۔ ان جگہوں میں لودیوں کی سلطنت کے زمانے سے پٹھان رہتے تھے۔ ملا عبد القادر بدایونی اپنی تاریخ جلد ۳ صفحہ ۶۲

میں لکھتا ہے کہ "فقیر در کانت وگولہ از توابع سنبل بہ صحبت حسین خان بہ ملازمت اور رسیدہ و مستفیض از انفاس نفیسہ او شد" صرف اسی پر منحصر نہیں۔ مورخ مذکور نے مختلف واقعات کے سلسلے میں کانت وگولہ کا ذکر متعدد مقاموں میں کیا ہے۔ اگر تمام عبارتیں نقل کی جائیں تو بجائے خود ایک دفتر ہو جائے۔ اس لیے اس تحریر میں تاریخ کے حوالوں پر اکتفا کی جاتی ہے۔ مزید تحقیق کے لیے منتخب التواریخ بداؤنی جلد ۱ صفحہ ۴۲۳ و ۴۶۴ جلد ۲ صفحہ ۱۲۶ و ۱۳۶ و ۱۳۸ و ۱۵۱ و ۱۵۲ و ۱۶۰ و ۱۷۹ و ۱۸۵ و ۲۱۹۔ جلد ۳ صفحہ ۳۴ و ۶۳ و ۸۰ ۲ کی عبارتوں کو دیکھنا چاہیے۔ بہ ظاہر امیر خان نے بہار سے واپس جاتے ہوئے شاہ جہان پور اور کانت گولہ سے عرضداشت لکھی اور وہیں شاہی افواج سے شکست کھا کر عالم و اسماعیل وغیرہ گرفتار ہوئے اور ابراہیم خان بنگلے سے واپس جاتے ہوئے ان اسیروں کو (کانت وگولہ سے) ساتھ لیتا گیا۔

---

(۸) تربیت خان ۱۰۸۶ھ تا ۱۰۸۸ھ (۱۶۷۵-۷۷ء)

۹ رمضان ۱۰۸۶ھ کو امیر خان کے واپس جانے پر تربیت خان صوبے دار ہوا[1]۔ اس کے زمانے کا کوئی واقعہ قابلِ ذکر معلوم نہیں ہوتا۔

۱۰۸۶ھ میں معصوم خان کے تغیر ہونے پر طہماسپ خان آرہ کا فوجدار مقرر ہوا[2]۔

---

[1] مآثر عالم گیری صفحہ ۱۳۸۔

[2] مآثر عالم گیری صفحہ ۱۵۱

(۹) شہزادہ محمد اعظم ۱۰۸۸ھ تا ۱۰۸۹ھ (۷۷-۱۶۷۸ء)

۹ صفر ۱۰۸۸ھ کو اورنگ زیب نے تربیت خان صوبے دار کو تبدیل کر کے اس کو ہادی خان کی جگہ پر ترہٹ و دربھنگہ کا فوجدار مقرر کیا اور بہار کی صوبے داری شہزادہ محمد اعظم کو تفویض کی۔ ۱۴ جمادی الآخر ۱۰۸۸ھ کو شہزادہ پٹنہ پہنچا[۱]۔ دوسرے ہی سال ۱۲ ربیع الثانی کو "اعظم خان کوکہ" صوبے دار بنگالے نے معزول ہو کر بہار کی طرف آتے ہوئے ڈھاکہ میں انتقال کیا۔ شہزادہ محمد اعظم اس کی جگہ پر بنگالہ کا صوبے دار ہوا اور شہزادے کی نیابت میں نور اللہ خان اڑیسہ کا صوبے دار مقرر ہوا۔

---

(۱۰) سیف خان و صفی خان ۱۰۸۹ھ تا ۱۰۹۴ھ

(۷۹-۱۶۸۳ء)

شہزادہ محمد اعظم کے بنگالہ جانے پر سیف خان بہار کا صوبے دار ہوا[۲]۔ اس سیف خان کی صوبے داری کے متعلق کوئی خاص واقعہ تاریخ میں نہیں ملتا۔ شہزادہ محمد اعظم کے بنگالے جانے پر اورنگ زیب کو اپنے بیٹے محمد اکبر کی بغاوت کے سبب اودی پور کی مہم در پیش ہوئی۔ اس وقت محمد اعظم کو بھی کمک میں حاضر

---

[۱] مآثر عالم گیری صفحہ ۱۵۷ و ۱۶۱۔ [۲] مآثر عالم گیری صفحہ ۱۶۹۔ واضح ہو کہ شاہجہاں کے عہد میں جو سیف خان تھا وہ اور شخص تھا۔

ہونے کا حکم دیا۔ محمد اعظم نے بنگالے سے پٹنہ آکر حرم کو میر ہادی اور ایک ہزار سواروں کی نگرانی میں چھوڑا اور خود مصطفی کاشی ولہراسپ بیگ وقاسم بیگ وغیرہ کو ساتھ لے کر نہایت تیزی سے ہفتوں کی راہ دنوں میں طے کرتا ہوا ادےپور کی طرف روانہ ہوا اور بیس پچیس دن کے بعد میر خان وشاہ قلی خان بخشی کو دو ہزار سواروں کے ساتھ مامور کیا کہ حرم کو منزل بہ منزل ساتھ لے آئے (یہ واقعہ رمضان ۱۰۹۰ھ کا ہے[۵۱]) ۱۰۹۲ھ میں اورنگ زیب نے حمید خان پسر داؤد خان کو خلعت دے کر بھوج پور کا فوج دار مقرر کیا۔

۱۰۹۴ھ میں صفی خان صوبے دار بہار نے بغیر حکم چھپن ہزار روپے صوبے کے خزانے سے صرف کر دیے تھے۔ اس لیے معزول ہو کر حاضری سے بھی مجبور ہوا لیکن دوسرے سال بادشاہ نے اس کو اورنگ آباد (دکن) کی صوبے داری تفویض کی[۵۲]۔

---

(۱۱) بزرگ امید خان ۱۰۹۴ھ تا ۱۱۰۵ھ (۸۵-۱۶۹۵ء)

بزرگ امید خاں نواب شائستہ خان امیر الامرا کا پسر سوم تھا۔ ۱۰۷۵ھ میں چاٹ گام کی فتح بیشتر اس کی سعی سے حاصل ہوئی تھی۔ بنگالے میں ضلع باقر گنج میں ایک بڑا پرگنہ بزرگ امید پور کے نام سے اب تک مشہور ہے۔ بزرگ امید خان نے پٹنہ میں بہت دنوں تک صوبے داری کی۔ اس کے زمانے میں

---

۵۱ ماثر عالم گیری صفحہ ۱۸۳۔

۵۲ ماثر عالم گیری صفحہ ۲۲۶ و ۲۴۳۔

مرزا معز موسوی فطرت تخلص صوبے کا دیوان مقرر ہوا۔ بزرگ امید خاں کسی قدر تند مزاج تھا۔ اور مرزا معز کو بھی ذاتی قابلیت کے علاوہ عالی خاندانی کا غرا تھا۔ پہلی ہی ملاقات کے دن جس وقت مرزا آیا اتفاق سے دیوان خانے میں آب خورہ رکھا ہوا تھا مرزا نے بلا لحاظ اس کو منھ سے لگا کر چند کلیاں کیں۔ بزرگ امید خان کو یہ حرکت ایسی ناگوار معلوم ہوئی کہ بادشاہ کے ہاں اس کی شکایت لکھ بھیجی۔ بادشاہ نے بزرگ امید خاں کی خاطر سے مرزا کو تبدیل کیا اور بعد میں دکن بھیج دیا[۱]۔

بزرگ امید خان نے ۱۱۰۶ھ میں انتقال کیا۔ پٹنہ میں اس کی بنوائی ہوئی ۱۱۰۰ھ کی ایک مسجد محلہ سمبلی کے قریب سڑک سے دکھن جانب موجود ہے۔ جس کے کتبے میں بانی کا نام بھی مذکور ہے[۲]۔ محلے والوں کا بیان ہے کہ مسجد سے کچھ فاصلے پر پورب جانب جو پختہ قبریں ہیں ان میں بانی مسجد کی بھی قبر ہے لیکن کتبہ نہ رہنے کے سبب اس کی تحقیق دشوار ہے۔

۱۱۰۳ھ میں بزرگ امید خان صوبے دار بہار ہمت خان پسر خان جہان بہادر ظفر جنگ کی جگہ پر الہ آباد کا صوبے دار بھی مقرر ہوا تھا[۳]۔

---

[۱] مآثر الامرا میں بزرگ امید خان کے حالات میں یہ واقعہ مذکور ہے اور مرزا معز موسوی فطرت تخلص کا حال اسپرنگر صاحب کے کیٹلاگ ۱۰۹ و ۸۰۲ میں بھی موجود ہے ۱۲

[۲] کتبے میں قطعہ تاریخ یوں ہے۔

تاج والحشمت بزرگ امید خاں	آں کہ بر خلق خدا کرمش عمیم
چوں ز ہاتف خواست تاریخش نجف	زود گفتا باد بیت المستقیم
	۱۱۰۰ھ

[۳] مآثر عالمگیری صفحہ ۳۴۸۔

(۱۲) فدائی خان ۱۱۰۶ھ تا ۱۱۱۱ھ (۱۶۹۵-۱۷۰۰ء)

بزرگ امید خان کے بعد فدائی خان (محمد صالح پسر عظیم خان کوکہ) صوبے دار مقرر ہوا۔ ۱۱۱۲ھ میں بادشاہ نے اس کو صوبے داری سے تبدیل کرکے ترہت و دربھنگہ کا فوجدار مقرر کیا۔ اور اس کے منصب میں اضافہ کرکے ڈھائی ہزار سے تین ہزاری کر دیا[1]۔

---

(۱۳) شمشیر خان ۱۱۱۲-۱۱۱۴ھ (۱۷۰۱-۱۷۰۳ء)

فدائی خان کے تبدیل ہونے پر شمشیر خان صوبے دار ہوا لیکن ۱۱۱۴ھ میں شمشیر خان کو اودھ کی طرف بھیج دیا گیا اور بہار کی صوبے داری شہزادہ محمد عظیم ناظم بنگالے کی حکومت کے ساتھ ضم کر دی گئی[2]۔

---

(۱۴) شاہ زادہ محمد عظیم ۱۱۱۴ھ تا ۱۱۱۷ھ (۱۷۰۲-۱۷۰۵ء)

شاہ زادہ محمد عظیم پسر محمد معظم عرف بہادر شاہ بن اورنگ زیب ۱۱۰۹ھ سے بنگالے کا صوبے دار اور نواب مرشد قلی خان[3] عرف جعفر خان دیوان تھا۔

---

[1] ماثر عالم گیری صفحہ ۴۲۳۔

[2] ماثر عالم گیری صفحہ ۴۷۰۔

[3] مرشد آباد اسی کے نام پر آباد ہوا۔ مرشد قلی خان برہمن زادہ تھا۔ حاجی شفیع اصفہانی

(بقیہ حاشیہ ص ۲۸۵ پر)

شہزادہ اپنی شہزادگی کے سبب نخوت کرتا تھا۔ اور مرشد قلی خان کو بادشاہ کا معتمد ہونے کے سبب اپنے اعزاز کا خیال تھا۔ پرچہ نویسوں نے یہ کیفیت بادشاہ کو لکھ بھیجی۔ اورنگ زیب نے پوتے کو لکھا کہ اگر مرشد قلی خان کے خلاف تمھاری کوئی حرکت مسموع ہوئی تو تمھاری شہزادگی کا خیال نہ کیا جائے گا۔ شہزادے کو یہ تہدید بری لگی اور اسی کے بعد سنہ ۱۱۱۴ھ میں شمشیر خاں کا تبادلہ ہونے پر صوبہ بہار کا نظم شہزادے کے سپرد ہوا۔[1]

سنہ ۱۱۱۷ھ میں شہزادہ محمد اعظم نے اورنگ زیب سے شہزادہ محمد عظیم کی بعض شکایتیں کر کے اس کی طلبی کا فرمان جاری کرایا۔ محمد عظیم نے حکم پا کر سید حسین علی خاں بہادر کو صوبہ بہار کا نظم سپرد کیا اور خود بنگالہ و بہار سے کئی کروڑ روپیہ ساتھ لے کر روانہ ہوا۔ اس اثنا میں ۲۸ ذیقعد سنہ ۱۱۱۸ھ (۲۲ فروری سنہ ۱۷۰۷ء) کو اورنگ زیب نے انتقال کیا اور اس کے بیٹوں میں سلطنت کی وراثت کا جھگڑا پیدا ہوا۔ شہزادہ محمد عظیم پٹنہ سے جو روپیہ ساتھ لے گیا تھا انھی سے اس کے باپ محمد معظم بہادر شاہ نے سپاہ و سامان فراہم کر کے اپنے بھائیوں کو شکست دی۔ تخت سلطنت پر جلوس کر کے بہادر شاہ نے اپنے بڑے لڑکے معز الدین کو جہاں دار شاہ اور محمد عظیم کو عظیم الشان بہادر کے خطابات عنایت کیے۔[2]

(صفحہ ۲۸۴ کا بقیہ حاشیہ)

دیوان اورنگ زیب نے اس کی تعلیم اور پرورش کی۔ پھر ہندستان آ کر مرشد قلی خان اورنگ زیب کی ملازمت میں رہا۔ اور اپنی لیاقتوں اور کارگزاریوں سے ترقی کر کے امرائے نامی میں شامل ہوا۔

[1] ماثر عالم گیری صفحہ ۴۷۰۔

[2] منتخب اللباب حصہ ۲ صفحہ ۵۹۹

(۱۵) پٹنہ کا عظیم آباد نام ہونا ۱۱۱۶-۱۵ھ (۱۷۰۴ء)

شہزادہ محمد عظیم نے اپنی صوبے داری کے زمانے میں قلعہ پٹنہ کو خوب آراستہ کیا اور شہر کو دہلی کا جواب بنانے کے ارادے سے از سرِ نو آباد کیا[۱]۔ مختلف طبقوں اور فرقوں کے باشندوں کے لیے جُدا جُدا محلّے بنائے۔ مغل پورہ، لودی کیٹرہ، دیوان محلہ بخشی محلّہ وغیرہ اب تک اسی کی یادگار ہیں۔ قلعے کے قریب اُمرائے دولت رہتے تھے۔ اس محلّے کا نام کیوان شکوہ رکھا گیا تھا۔ جو زحل کی نحوست سے تباہ ہوکر "کواکھوہ" ہوگیا۔ غربا اور مسافروں کے لیے بھی خیراتی مکان اور مسافر خانے بنوائے گئے تھے[۲]۔

---

[۱] اسی وقت شہر کا نام عظیم آباد ہوگیا جو اب تک زبان زد ہے۔ پچاس سال کے قریب ہوئے نواب مرزا خاں داغ دہلوی پٹنہ آئے تھے جس کا ذِکر انھوں نے فریادِ داغ میں کیا ہے۔ اور یہاں مشاعرے میں جو غزل پڑھی تھی اس کے مقطع میں شہر کا ذِکر عظیم آباد کے نام سے کیا ہے۔ ؎

کوئی چھینٹا پڑے تو داغ کلکتے چلے جائیں
عظیم آباد میں ہم منتظر ساون کے بیٹھے ہیں

[۲] سیر المتاخرین جلد صفحہ ، وغیرہ۔

باب شانزدہم

سلاطین مغلیہ کا آخری دور

(۱) سیّد حسین علی خان بہادر اور فرخ سیر

سنہ ۱۱۱۹ھ تا سنہ ۱۱۲۲ھ (سنہ ۱۷۰۷ء۔ ۱۷۱۱ء)

حسین علی خان جو فرخ سیر کی حکومت میں امیر الامراء کے خطاب سے مخاطب ہوا سادات بارہے تھا۔ شہزادہ محمد عظیم کی صوبے داری کے بعد بہادر شاہ کی سلطنت کے زمانے میں بھی یہ اپنے عہدے پر بحال و برقرار رہا۔ بہادر شاہ نے چار برس اور چند مہینے سلطنت کر کے محرم سنہ ۱۱۲۳ھ میں انتقال کیا اور اس کے بیٹوں میں پھر سلطنت کی وراثت کا جھگڑا پیدا ہوا۔ اسی معرکے میں عظیم الشان مع ہاتھی دریائے راوی میں ہلاک ہوا۔ اور اس کے بڑے بھائی معز الدین جہاں دار شاہ نے فتح مند ہو کر تخت سلطنت پر جلوس کیا اور دس مہینے حکومت کی۔ اس وقت بھی حسین علی خاں اپنے عہدے اور منصب پر قائم رہا۔ بعد کے حالات فرخ سیر کی بادشاہت کے سلسلے میں بیان ہوں گے۔

---

(۲) فرخ سیر کا عظیم آباد پٹنہ میں جلوس کرنا ۱۱۲۲ھ

شاہزادہ محمد عظیم عظیم آباد سے چلتے وقت اپنے بڑے بیٹے کریم الدین کو ساتھ لیتا گیا تھا۔ اور دوسرے بیٹے فرخ سیر کو اپنے حرم اور بعض سامان کے ساتھ راج محل میں بطور نائب چھوڑ گیا تھا۔ بہادر شاہ نے اپنے مرنے سے کچھ دن پہلے اعزالدولہ خان خانان بہادر کو بنگالے کی صوبے داری کے لیے نامزد کیا تھا اور اپنے پوتے فرخ سیر کو اپنے پاس طلب کیا تھا۔ فرخ سیر بنگالے سے عظیم آباد آکر نواح شہر (باغ جعفر خاں) میں مقیم ہوا اور بادشاہ کو خرچ راہ کی کمی اور موسم برسات کا عذر لکھ بھیجا۔ اسی زمانے میں حکیم محمد رفیع نے (جو علم نجوم سے بہرۂ افر رکھتا تھا) فرخ سیر کو سلطنت کا مژدہ سُنایا۔ اور بعض درویشوں نے بھی اسی سرزمین میں تخت نشین ہونے کی نوید دی اس لیے فرخ سیر نے یہاں سے نکلنا نہ چاہا۔

فرخ سیر اپنے اور بھائیوں کی بہ نسبت اپنے باپ عظیم الشان اور اپنے دادا بہادر شاہ کی نظر میں زیادہ قدر و منزلت نہ رکھتا تھا۔ اتفاق سے اس زمانے میں محمد رضا (مخاطب بہ رعایت خان) بہادر شاہ کی خفگی کے سبب دکن سے خفیہ صوبہ بہار آیا اور ایک جعلی فرمان بنا کر قلعہ رہتاس پر قابض ہو گیا اور اس علاقے سے مال گزاری جمع کر کے بادشاہ کو عرضی لکھی کہ شاہی متصدیوں کا کوئی بندوبست نہ رہنے کے سبب میں نے اس قلعے پر قبضہ کر رکھا ہے۔ بہادر شاہ اور عظیم الشان نے فرخ سیر کو رعایت خاں سے قلعہ چھین لینے کا حکم دیا۔ لیکن فرخ سیر کے پاس اس قلعے کے محاصرے کے لیے کافی لوازمات اور سامان موجود نہ تھے۔ اس حیص بیص کو دیکھ کر لاچین بیگ نامی ایک قلماق نے جس کو فرخ سیر نے ملازمت سے برطرف کیا تھا یہ ادعا کی کہ اگر یہ مشہور کر دیا جائے کہ بادشاہ کی طرف سے

رعایت خان کے لیے عفو جرائم اور رہتاس کی قلعہ داری کا فرمان مع خلعت و نشان آیا ہو تو امید ہو کہ میں ان چیزوں کو لے جانے کے بہانے سے رعایت خان کا کام تمام کر سکوں۔ اگر اس کو قتل کر کے میں زندہ واپس آیا تو خود انعام کا مستحق ہوں گا ورنہ میرے مارے جانے کی صورت میں اہل و عیال کی پرورش کا خیال کیا جائے۔

فرخ سیر اور اس کے ارکانِ دولت نے اس صلاح کے مطابق لاچین بیگ کو خلعت و نشان دے کر بعض جاں بازوں کے ساتھ رہتاس کی طرف روانہ کیا۔

پیام سلام کے بعد رعایت خان اس پر راضی ہوا کہ لاچین بیگ دو ہمراہیوں کے ساتھ قلعے کے دروازے پر آکر خلعت و نشان سپرد کرے۔ جب رعایت خاں استقبال کو قریب پہنچا لاچین بیگ نے اُزبکی چھرا نکال کر رعایت خان کے پیٹ میں ایسا مارا کہ ایک ہی وار میں کام تمام ہو گیا۔ رعایت خان کے بعض ہوا خواہوں نے لاچین بیگ کے چند زخم کاری لگائے لیکن ساتھیوں نے اس کو بچا لیا اور رعایت خان کا سر کاٹ کر فرخ سیر کے پاس روانہ کیا۔ فرّخ سیر نے بادشاہ سے لاچین بیگ کو بہادر دل خان کا خطاب اور منصب دلوایا اور اس واقعہ سے خود فرخ سیر کی قدر و اعزاز میں بھی اضافہ ہوا[۵۱]۔ اس کے بعد ہی بہادر شاہ کا انتقال ہوا، اور فرخ سیر نے تخت سلطنت کا جھگڑا طے ہونے کے قبل ہی اپنے باپ عظیم الشان کا خطبہ جاری کر کے خود بھی باپ کے پاس جانے کا تہیہ کیا۔ لیکن حکیم محمد رفیع منجم اور بعض "دنیا طلب[۵۲] درویشوں" نے منع کیا کہ تخت نشین ہو کر اپنا سکہ و خطبہ جاری کیے بغیر اس سرزمین سے باہر قدم نکالنا مسعود نہیں۔

اس زمانے میں نواب حسین علی خان صوبے دار عظیم آباد بعض پرگنات

---

۵۱ منتخب اللباب حصہ ۲ صفحہ ۷۰۹ و ۷۱۰۔

۵۲ مورخ خافی خان نے یہ الفاظ لکھے ہیں۔

کے انتظام کے لیے باہر گیا ہوا تھا۔ تخت سلطنت حاصل ہوئے بغیر صوبے میں عظیم الشان کا خطبہ پڑھا جانا حسین علی خان کو ناگوار معلوم ہوا۔ فرخ سیر نے صوبے میں حسین علی خان کا اقتدار دیکھ کر اس کو اپنا طرف دار بنا لینا ضروری سمجھا اس لیے تمام اختیار و مدار سلطنت اس کے ہاتھ میں دینے کا وعدہ کر کے اس کو اپنا حامی بنا لیا۔ اس کے بعد ہی عظیم الشان کے ہلاک ہونے اور جہاں دار شاہ کے بادشاہ ہونے کی خبر پہنچی[۵] جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

سیر المتاخرین سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں دار شاہ نے مرشد قلی خان اور حسین قلی خان کو حکم بھیجا کہ فرخ سیر کو مع اہل و عیال دہلی روانہ کرو۔ مرشد قلی خان نے دیکھا کہ اس جھگڑے میں پڑنا بدنامی سے خالی نہیں۔ اس لیے خفیہ فرخ سیر کو خبر کر دی کہ اپنی فکر کر لے۔ فرخ سیر بنگالے سے عظیم آباد آ کر باغ جعفر خان میں مقیم ہوا اور احمد بیگ (عرف غازی الدین خان بہادر) کے ذریعے سے حسین علی خان کو اپنے آنے کی خبر دی۔ حسین علی خان عظیم الشان کے بعض احسانات کو یاد کر کے ملازمت کو حاضر ہوا اور اس کو جہاں دار شاہ کے حکم سے آگاہ کیا۔ فرخ سیر نے کہا کہ میں تو آپ کے بھروسے پر یہاں آیا ہوں اس وقت پردے کے اندر سے عورتوں نے بھی الحاح وزاری شروع کی اور فرخ سیر کی کم سن بچی ملکہ زمانی بھی پاس آ کر کہنے لگی کہ جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ لیکن آپ نے اگر میرے باپ کی مدد نہ کی تو خلقِ خدا آپ کو کیا کہے گی۔ حسین علی خان نے جواب دیا کہ میرے پاس تو سوائے سر کے کوئی چیز نہیں جو بادشاہ ہند کے کام آئے۔ اس کی ضرورت ہو تو حاضر ہے۔ فرخ سیر نے یہ سنتے ہی اپنی تلوار حسین علی خان کی کمر سے باندھ دی۔ اسی وقت سے سامانِ جنگ درست

---

[۵] منتخب اللباب حصہ ۲ صفحہ ۷۱۱۔

ہونے لگا۔ فرخ سیر نے میر افضل کے باغ میں[1] دربار کر کے جلوس کیا اور رؤسا اور زمینداروں سے نذریں وصول کیں، اور فقراء اور درویشوں اور نجومیوں کو جاگیریں اور انعام عطا کیے۔

حسین علی خان نے تمام تاجروں، مہاجنوں اور متمول لوگوں کی ایک فہرست تیار کر کے ہر ایک پر نذرانہ تشخیص کیا۔ سرے پر انگریز اور ڈچ تاجروں کے نام تھے۔ انگریزی کمپنی نے ساڑھے چھ ہزار رُپے حسین علی خان کی نذر کیے۔ تب بائیس ہزار رُپے اور دے کر فرخ سیر سے چھٹکارا ہوا لیکن ڈچ کمپنی نے انکار کیا اور ان کا مال ضبط کر لیا گیا[2]۔

حسین علی خان نے اپنے منصوبے کی اطلاع دے کر اپنے بھائی سید عبداللہ خان صوبے دار الہ آباد کو بھی کمک کے لیے آمادہ کر لیا۔ اس کے بعد فرخ سیر جہاں دار شاہ کے مقابلے کو روانہ ہوا۔ بعد کے واقعات کو اس صوبے کی تاریخ سے کم تر تعلق ہے۔ صرف اس قدر بیان کر دینا کافی ہوگا کہ جہاں دار شاہ نے اوّل اپنے بیٹے اعزالدین کو مقابلے کے لیے متعین کیا اور اس کے شکست

---

[1] میر افضل کا باغ اس جگہ تھا جہاں اب انجینیرنگ کالج ہے۔ اس کے پورب جانب محلہ گولک پور میں ایک مسجد کے کتبے میں فرخ سیر کا اس مسجد میں نماز پڑھنا اس مصرعہ سے ظاہر ہے۔ "کرد فرخ سیر نماز ادا"

[2] DISTRICT GAZETTEER PATNA مطبوعہ ۱۹۲۴ء صفحہ ۲۶۔ منتخب اللباب حصہ ۲ صفحہ ۷۱۵ کے مطابق فرخ سیر نے تین لاکھ رُپے کی جنس پٹنہ کے تجار سے اُدھار خریدی اور شاہی خزانہ صوبہ بنگالے اور عظیم الشان کی جاگیر سے پچھتر لاکھ رُپے اس کے ہاتھ لگے تھے چھبیس لاکھ تو سید عبداللہ خان صوبے دار الہ آباد کے پاس پہنچے باقی کئی لاکھ رُپے سربلند خان نے دبا رکھے۔ اور شاید کچھ رقم جہاں دار شاہ تک پہنچی۔ ۱۲

کھانے پر خود مقاومت کو آمادہ ہوا۔ لیکن باوجود وافر فوج و سامان رکھنے کے گرفتار ہو کر ۲، محرم سنہ ۱۱۲۴ھ کو قتل کیا گیا۔ جہاں دار شاہ کی حکومت گیارہ مہینے کے اندر تمام ہو گئی۔

---

(۳) میر جملہ خان خانان قاضی عبداللہ تورانی

سنہ ۱۱۲۴ھ تا ۱۱۲۶ھ (۱۷۱۲-۱۷۱۴ء)

سید حسین علی خان بہادر نے فرخ سیر کی معیت میں عظیم آباد سے چلتے وقت اپنے بھانجے غیرت خان کو بطور نائب چھوڑا تھا۔ فرخ سیر کے بادشاہ ہونے پر سید عبداللہ خان "قطب الملک" اور سید حسین علی خان "امیر الامراء" کے خطاب سے مخاطب ہوئے اور تمام اختیار سلطنت ان دونوں کے قبضۂ اقتدار میں آگیا۔ اسی زمانے میں دار الحکومت پر قبضہ کرنے کے سلسلے میں عبداللہ تورانی قاضی جہاں گیر نگر نے بعض خفیہ کارروائیاں انجام دی تھیں جس کے صلے میں اس کو بھی "خان خانان میر جملہ" کا خطاب عطا ہوا۔ سادات بارہہ نے رفتہ رفتہ اس قدر پاؤں پھیلائے کہ خود بادشاہ کو کسی امر میں دست اندازی کی گنجائش باقی نہ رہی آخر بادشاہ اور امیر الامراء دونوں ایک دوسرے کی خرابی کے درپے ہوئے۔ میر جملہ بادشاہ کا طرف دار تھا اس سے بھی امیر الامراء کی اَن بن ہو گئی۔ بالآخر بڑی بے لطفی کے بعد یہ بات قرار پائی کہ میر جملہ صوبے دار مقرر ہو کر عظیم آباد بھیج دیا جائے اور امیر الامراء دکن کی طرف روانہ ہو۔ امیر الامراء نے یہ بھی دھمکی دی کہ میری غیبت میں بادشاہ نے میر جملہ کو اپنے پاس بلایا یا سید عبداللہ قطب الملک

کے ساتھ کوئی برا سلوک کیا تو بیس دن کے اندر مجھے دکن سے واپس آیا ہوا سمجھنا غرض قرارداد کے مطابق میر جملہ عظیم آباد آیا۔ اتفاقاً اس زمانے میں بادشاہ نے لطف اللہ خاں صادق[1] دیوان خالصہ کی تجویز سے دو صدی تا پنصدی منصب دار اور سات آٹھ ہزار سوار والاشاہی کی تقرری اور تا عطائے جاگیر مبلغ پچاس روپے ماہانہ نقد ادا کرنے کا حکم دیا تھا اور پھر ان کی تقرری کے بعد ہی برطرفی کا حکم صادر کیا۔ میر جملہ نے جن سواروں کو مقرر کیا تھا ان کی تنخواہ چڑھ گئی اور صوبے کا خزانہ بہت کچھ دھیر نامی زمیندار (جس کا ذکر ابھی آئے گا) پر فوج کشی کرنے میں صرف ہو گیا تھا۔ سواروں نے تقاضا شروع کیا اور میر جملہ کو اس طرح گھیرنے لگے کہ جان چھڑانی دشوار ہو گئی۔ آخر کچھ بن نہ پڑی تو روپوش ہو کر چپکا عظیم آباد سے دہلی بھاگ گیا۔ وہاں بادشاہ اور سادات بارہہ کے فسادات کے سبب متوحش افواہیں اڑی ہوئی تھیں۔ میر جملہ کے پہنچنے سے گمان ہوا کہ بادشاہ نے اس کو قطب الملک کے خلاف کسی قصد سے بلوایا ہے۔ ہر چند بادشاہ نے میر جملہ کو باریابی کا موقعہ نہ دیا بلکہ اس کو مغضوب اور کم منصب کر کے قطب الملک کی تسلی میں کوشاں ہوا اور خود میر جملہ نے اس طرح بھاگ کر آنے سے نادم ہو کر معذرت کی لیکن سوء ظن رفع نہ ہوا۔ آخر میر جملہ تبدیل ہو کر پنجاب بھیج دیا گیا اور عظیم آباد کی صوبے داری کو سربلند خاں کو دی گئی[2]۔

---

[1] شمس الدولہ نواب لطف اللہ خاں صادق کی نسل میں بعض لوگ محلہ نون گولہ شہر عظیم آباد (پٹنہ) میں اب تک موجود ہیں۔

[2] منتخب اللباب حصہ ۲ صفحہ ۷۴۸ - ۷۷۲ - ۷۹۹ تا ۸۰۱۔

(۴) سربلند خان ۱۱۲۷ھ تا ۱۱۳۰ھ (۱۵-۱۷۱۸ء)

قطب الملک کی رضامندی کے لیے میر جملہ کو تغیّر کر کے سربلند خان صوبے دار مقرر ہوا تھا لیکن تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو صوبے داری راس نہ آئی اور جاگیر کے تبادلہ خرچ کی کمی اور سپاہ کی تنخواہ کے تقاضے سے تنگ آکر اس نے اثاث البیت اور اسپ و فیل جماعہ داروں کے سپرد کر کے خود فقیرانہ زندگی بسر کرنے کا قصد کیا۔ لیکن قطب الملک نے اپنے پاس سے نقد و جنس دے کر اس کو کابل کی صوبے داری پر آمادہ کیا[۱]۔ صوبہ بہار میں اس کے زمانے کا قابلِ ذکر واقعہ دھیر زمیندار کی بغاوت ہے۔

---

(۵) دھیر زمیندار صوبہ عظیم آباد کی بغاوت اور قتل

دھیر نامی زمیندار کچھ عرصے سے اس صوبے میں سرکشی کرتا تھا اور چند بار شہزادہ اور صوبے داروں کی فوج سے مقابلہ کر کے ان کو زک بھی دے چکا تھا۔ میر جملہ نے اپنی صوبے داری میں اس پر فوج کشی کی لیکن صوبے کا تمام خزانہ صرف کرنے پر بھی اس کی زمینداری پر قبضہ نہ ہو سکا۔ سربلند خان کے آنے تک دھیر کی لوٹ مار سے صوبے کی تمام رعایا اور جاگیر داروں کا ناک میں دم آگیا تھا۔ سربلند خان نے ایک بڑی جمعیت فراہم کر کے دھیر کا مقابلہ کیا۔ طرفین سے بہت آدمیوں کے مارے جانے پر بالآخر دھیر فرار ہو کر جنگلوں میں جا چھپا اور اچانک کسی

---

[۱] منتخب اللباب حصہ ۲ صفحہ ۸۰۱۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خرقہ پوشی محض ڈھکوسلا ہو کیوں کہ سربلند خان نے کئی لاکھ روپے جہاں دار شاہ کے زمانے میں دبائے تھے جو نوٹ صفحہ ۲۵۹ میں مذکور ہے۔

شخص کے ہاتھ سے مارا گیا[۱]

---

(۶) نظام الملک کا نام زد ہونا ۳۱-۱۱۳۲ھ (۲۰-۱۷۱۹ء)

سید حسین علی خان اور سید عبد اللہ خان اور ان کے دیوان رتن چند نے رفتہ رفتہ موروثی امرا کو خارج کر کے اکثر عہدے سادات بارہ اور بقالوں کو تفویض کیے۔ دکن میں نظام الملک اپنے ذاتی اعزاز اور خودداری کے سبب آبرو بچائے ہوئے تھا اور اس کی نیکی اور اولوالعزمی کے سبب امرائے کبار مغلیہ اس کو اپنا پیر و مرشد سمجھتے تھے۔ سید عبد اللہ خان نے اس بنا پر کہ صوبہ عظیم آباد کے بعض زمیندار شورہ پشت تھے اور نظام الملک آصف خان بہادر فتح جنگ (قلیچ خان) نہایت ذی اقتدار امیر تھا۔ فرخ سیر کی طرف سے اس کو صوبہ بہار کی صوبے داری کے لیے نام زد کیا۔ نظام الملک نے بھی چار و ناچار قبول کیا[۲]۔ لیکن ابھی نظام الملک ادھر آنے کا تہیہ ہی کر رہا تھا کہ سلطنت کا سانحہ پیش آیا۔ جس کی کیفیت مختصراً یہ ہے کہ بادشاہ اور سادات بارہ کی مخالفت اس حد کو پہنچی کہ سادات بارہ نے مروت و پاسِ نمک اٹھا کر اپنے نام نہاد آقا کے استیصال کا قصد کیا۔ انھوں نے فرخ سیر کو نہایت ذلت و خواری کے ساتھ زنانہ محل سے گھسیٹوا کر کھول و محبوس کیا اور کچھ عرصے کے بعد وہ قید خانے ہی میں ہلاک ہوا۔ سید عبد اللہ خان اور حسین علی خان کے تسلط سے تختِ سلطنت بساطِ شطرنج بن گیا۔ چند مہینوں کے اندر یکے بعد دیگرے رفیع الدرجات اور رفیع الدولت پسران رفیع الشان

---

[۱] منتخب اللباب حصہ ۲ صفحہ ۷۶۸۔ دھیر ٹکاری کے راجا کا یہی نام تھا لیکن منتخب اللباب میں اس کے متعلق کوئی صراحت موجود نہیں غالباً ٹکاری کا راجا مراد ہے۔ [۲] منتخب اللباب حصہ ۲ صفحہ ۱-۷۴۰۔

بن بہادر شاہ تخت نشین کیے گئے۔ اور اسی اثنا میں متر سین ناگر (ملازم نیکو سیر) نے بعض امرا کو ملا کر نیکو سیر پسر اکبر بن عالمگیر کو اکبر آباد میں تخت نشین کر دیا۔ اور ان سب کم زور شاہانِ شطرنج کے بعد بالآخر ۱۱۳۲ھ میں روشن اختر پسر خجستہ اختر بن جہاں دار شاہ نے بادشاہ ہو کر ابو المظفر ناصر الدین محمد شاہ کا لقب اختیار کیا۔ سید حسین علی خاں کے مارے جانے پر سید عبد اللہ خان نے محمد شاہ کے علی الرغم محمد ابراہیم پسر رفیع الدولت کو تخت نشین کیا تھا لیکن وہ بھی مغلوب ہوا۔

فرخ سیر کی گرفتاری کے بعد ہی حسین علی خان نے نظام الملک کو قول و قرار سے مطمئن کر کے بجائے عظیم آباد کے مالوا کی صوبے داری پر راضی کیا تھا اس لیے نظام الملک اِدھر نہ آیا[1]

---

(۷) عقیدت خان ۱۱۳۳ھ تا ۱۱۳۶ھ (۲۴-۱۷۲۱ء)

۱۱۳۳ھ میں محمد شاہ بادشاہ نے پانچ لاکھ زرِ پیش کش لے کر عقیدت خان پسر امیر خان صوبے دار معزول ٹھٹھ کو عظیم آباد کا صوبے دار مقرر کیا۔[2] اس صوبے دار کے متعلق اس صوبے کا کوئی قابلِ تذکرہ واقعہ معلوم نہیں ہوتا۔

---

(۸) نواب فخر الدولہ ۱۱۳۷ھ تا ۱۱۴۲ھ (۳۰-۱۷۲۵ء)

عقیدت خان کے بعد نواب فخر الدولہ برادرِ حقیقی نواب روشن الدولہ[3]

---

[1] منتخب اللباب حصہ ۲ صفحہ ۸۱۰۔

[2] منتخب اللباب حصہ ۲ صفحہ ۹۴۸۔

ہوکر آیا۔ سیر المتاخرین (جلد ۲ صفحہ ۹۳) میں اس کی صوبے داری کا زمانہ تخمیناً ۱۱۴۲ھ کے قریب بتایا ہے اور لکھا ہے کہ "اس نے ایسی سختیاں کیں کہ تھوڑے ہی دنوں میں لوگ نالاں ہو گئے اور شیخ عبداللہ جو مدت سے عظیم آباد میں مرجع انام تھا اور گاہ گاہ بعض صوبے داروں کی نیابت بھی کر چکا تھا۔ تنگ آکر گنگا پار قلعہ سوانچ میں جہاں اس کے زر خریدہ مواضعات بھی تھے پناہ گزیں ہوا لیکن فخر الدولہ نے پیچھا نہ چھوڑا، اور شیخ موصوف وہاں سے نکل کر برہان الملک صوبے دار اودھ کی پناہ میں چلا گیا"۔ یہ ایذا رسانی شیخ موصوف تک محدود نہ تھی بلکہ شہر کے اور مشاہیر عظام بھی مورد بیداد ہوئے۔ انھی میں خواجہ معتصم برادر امیر الامراء بھی تھا جو مشائخ ہند کے طور پر فقیرانہ زندگی نہایت آسودگی سے بسر کرتا تھا آزردہ ہو کر شاہ جہاں آباد چلا گیا اور عند الملاقات امیر الامراء صمصام الدولہ کو سارا ماجرا کہہ سنایا۔ صمصام الدولہ نے برہم ہو کر فخر الدولہ کو برطرف کرایا اور صوبہ بہار کو بنگالے میں شامل کر کے یہاں کی صوبے داری کی سند موتمن الملک نواب شجاع الدولہ شجاع الدین محمد خان ناظم بنگالہ کے نام بھجوا دی"۔

صاحب سیر المتاخرین نے یہ نہیں بتایا ہے کہ فخر الدولہ نے شیخ عبداللہ اور خواجہ معتصم کے ساتھ کیا تعدی کی اور اس کے کیا اسباب تھے۔ ممکن ہے کہ خود ان لوگوں نے صوبے دار کی کارروائی میں دخل در معقولات کیا ہو۔

راقم نے اس صوبے دار کے زمانے کا ایک کتبہ پایا تھا جس کو راقم کی درخواست کے مطابق انسپکٹر جنرل پولیس بہار واڑیسہ نے تھانہ خواجہ کلاں کی دیوار پر نصب کرا دیا ہے اور بذریعے چٹھی نمبر ۹۳۶۳ مورخہ ۱۰ جون ۱۹۳۲ء راقم کو بھی اس کی اطلاع دے کر مشکور فرمایا۔ کتبے کی عبارت یہ ہے۔ لے

(حاشیہ صہ ۲۹۱ پر دیکھیے)

بندۂ نواب فخرالدولہ ممدوح زمان — آں کہ در نامش حسن را باعلی باشد قران

ساخت دارالعدل جائیکو بنا برحسب داد — در ہزار و یک صد و چل دو شمر تاریخ آن

داؤد خاں قریشی کے زمانے کے بعد یہ دوسرا دارالعدل ہے جو عظیم آباد میں قائم ہوا۔ اس سے نواب فخرالدولہ کی عدالت آرائی کا ثبوت ملتا ہے۔

شہر میں فخرالدولہ کی مسجد مشہور ہے لیکن اس کو اس صوبے دار سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ مسجد ایک بیگم نے ۱۲۰۲ھ میں (فخرالدولہ کے ساٹھ برس بعد) بنوائی۔ مرشد آباد کے نوابوں کے خاندان میں اس کی تولیت تھی شاید انھی میں کوئی فخرالدولہ ہوگا۔ گورمنٹ گزیٹیر اور دوسری تحریروں میں جو اس مسجد کو صوبے دار فخرالدولہ کی بنوائی ہوئی لکھ دیا ہے۔ مسجد کے کتبے کی عبارت کے مقابلے میں صحیح نہیں۔ اس کی مفصل کیفیت کتاب کے دوسرے حصّے میں لکھی ہے۔

بہر حال فخرالدولہ کو صوبہ بہار میں سلاطین مغلیہ کا آخری صوبے دار کہنا چاہیے کیوں کہ اس کے بعد صوبے داروں نے اپنی منصوبے بازی سے بہار و بنگالے کی حکومت کو ذاتی و موروثی ملک قرار دیا اور سلطنت مغلیہ میں بھی اتنا دم نہ تھا کہ ان کی روک تھام کرتی۔

(صفحہ ۲۹۰ کا حاشیہ):-

لہ کتاب MARTIN'S EASTERN INDIA صفحہ ۳۳ میں صرف اس قدر لکھا ہے کہ ۱۱۳۲ھ میں جو دارالعدل بنایا گیا تھا اس کی یادگار صرف ایک پتھر باقی ہے۔

باب ہفدہم

بہار کا بنگالے میں شامل ہونا اور صوبے داروں کی منصوبے بازی

(۱) شجاع الدولہ شجاع الدین محمد خان اسد جنگ
سنہ ۱۱۴۳ھ تا سنہ ۱۱۵۲ھ (سنہ ۳۱-۱۷۳۹ء)

شجاع الدولہ قوم افشار یعنی خراسانی ترکوں کی نسل سے تھا اور جعفر خان ملقب بہ نواب مرشد قلی خان ناظم بنگالہ (سنہ ۱۷۱۰ء تا سنہ ۱۷۲۵ء) کا داماد تھا۔ مرشد قلی خان نے اپنی نظامت میں شجاع الدولہ کو اڑیسہ کی صوبے داری دلوائی تھی۔ سنہ ۱۱۳۴ھ (سنہ ۱۷۲۳ء) کے قریب جب مرشد قلی خان کی زندگی کے دن آخر ہونے کو آئے تو اس نے اپنے نواسے علاء الدولہ سرفراز خان پسر شجاع الدولہ کو اپنا قائم مقام کرنا چاہا لیکن شجاع الدولہ بیٹے سے پہلے خود ہی حاکم بنگالہ ہونا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے عزیز و رفیق محمد علی وردی خان اور اس کے بھائی حاجی احمد کی صلاح سے خفیہ بندوبست کر کے دہلی سے اپنے نام سند صوبے داری منگوالی اور سنہ ۱۱۳۶ھ (سنہ ۱۷۲۶ء) میں مرشد قلی خان کے مرنے پر مرشد آباد آ کر مسند امارت پر جلوس کیا۔ سرفراز خان خود کو مرشد قلی خان کا ولی عہد جانتا تھا لیکن اپنی ماں

زینت النسا بیگم کی فہمائش سے باپ کی اطاعت پر طوعاً یا کرہاً راضی ہو گیا۔

جب فخر الدولہ معزول ہوا اور صوبہ بہار کی صوبے داری بھی شجاع الدولہ کو مل گئی تو اس نے اپنے لڑکوں میں سے (یعنی محمد تقی خاں جو کسی غیر معروف عورت کے بطن سے تھا اور سرفراز خان جو زینت النسا بنت مرشد قلی خاں کے بطن سے تھا) ایک کو نائب مقرر کر کے عظیم آباد بھیجنا چاہا لیکن ان کی ماں نے ان کا جدا ہونا گوارا نہ کیا۔ شجاع الدولہ نے محمد علی وردی خاں کو لائق سمجھ کر بہار کی صوبے داری کے لیے منتخب کیا اور دربار دہلی سے اس کے لیے سند و خطاب کی استدعا کی[۱]

---

(۳) نواب محمد علی وردی خان مہابت جنگ ۱۱۴۳ھ تا ۱۱۵۳ھ (۱۷۳۰-۱۷۴۰ء)

محمد علی وردی خان کے خاندان کے متعلق صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ اس کا باپ میرزا محمد شہزادہ محمد اعظم پسر اورنگ زیب کا بکاول تھا۔ میرزا محمد کے مرنے پر اس کے بڑے بیٹے حاجی احمد نے شہزادے کی بکاولی اور جواہر خانے کی داروغگی کا منصب پایا[۲]۔ لیکن شہزادے کے مارے جانے پر حاجی احمد اور علی وردی خان نے اڑیسہ آکر شجاع الدین محمد خان نائب ناظم اڑیسہ کی رفاقت اختیار کی چوں کہ ان کی ماں بھی قوم افشار سے تھی اور شجاع الدین محمد خان کی قرابت مند تھی[۳]۔ اس لیے شجاع الدین محمد خان نے ان کو اپنا مشیر خاص بنایا۔

---

[۱] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۹۴ و ۹۵ [۲] ریاض السلاطین صفحہ ۲۹۳۔

[۳] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۹۳۔

۱۱۴۲ھ میں جب صوبہ بہار بھی بنگالے میں شامل کر دیا گیا تو شجاع الدین محمد خان نے دربارِ دہلی سے علی وردی خان کے لیے سند صوبے داری بہار و عظیم آباد (مع اضافہ منصب پنج ہزاری و خطاب مہابت جنگ اور پالکی جھالردار و علم ونقارہ) حاصل کر کے خان موصوف کو اپنی طرف سے فوج دے کر عظیم آباد روانہ کیا۔[۱]

مہابت جنگ نے عظیم آباد آکر دربھنگہ کے پٹھانوں کو اپنی ملازمت میں رکھ لیا اور تھوڑی ہی مدت میں بتیا بھوج پور اور ٹکاری کے راجاؤں اور زمینداروں کو مطیع کر کے اپنی مہابت کی دھاک بٹھا دی۔ عبدالکریم خاں روہیلہ پٹھان کو جو ڈیڑھ ہزار پٹھانوں کا افسر اور خود بھی نہایت جری تھا اپنے گھر میں گھیر کر قتل کیا، اور بعض سرکشوں کو تدبیروں سے آپس میں لڑوا کر کمزور کر دیا۔ شجاع الدولہ کو بھی اطاعت سے راضی رکھا۔

---

(۳) مہابت جنگ کی فوج کشی اور سرفراز خان کا قتل

۱۱۵۳ھ مطابق ۱۷۴۰ء

۱۱۵۲ھ میں شجاع الدولہ ناظم بنگالہ نے انتقال کیا اور اس کا لڑکا علاء الدولہ سرفراز خاں مسند نشین ہوا۔ اس وقت مہابت جنگ نے اس کے باپ کے احسانات کو فراموش کر کے بنگالے کی حکومت کا حوصلہ پیدا کیا۔ مہابت جنگ کا بھائی حاجی احمد سرفراز خاں کے معتمدوں میں تھا اس نے خفیہ کارروائیوں سے سرفراز خاں کے خلاف لوگوں کو ابھارنا شروع کیا اور دونوں بھائیوں نے مل کر سرفراز خاں کی مخالفت کے لیے بہت سے حیلے اور اسباب ظاہری پیدا کر لیے۔ اس کے

---

[۱] ریاض السلاطین صفحہ ۲۹۳۔ [۲] ریاض السلاطین صفحہ ۳۰۸ و ۳۰۹۔

بعد مہابت جنگ نے بھوج پور کے سرکشوں کی تنبیہ کے بہانے سے عظیم آباد میں فوج جمع کرنی شروع کی اور دہلی میں اپنے قدیم آشنا موتمن الدولہ اسحاق خان (جو محمد شاہ بادشاہ کے مقربوں میں تھا) کی سازش سے نظامتِ بنگالہ (مع بہار و اڑیسہ) کی ایک سند اپنے نام اس شرط کے ساتھ منگوائی کہ بعد دخل یابی ایک کروڑ نقد اور تمام مال سرفراز خاں کا جو ضبطی آئے گا شاہی دربار کو بھیجا جائے گا۔[1] اس بندوبست کے بعد مہابت جنگ نے آخر ذیقعدہ ۱۱۵۲ھ میں اپنے بھتیجے اور داماد زین الدین احمد خان پسر حاجی احمد کو عظیم آباد میں اپنا قائم مقام اور نائب مقرر کیا اور خود شہر سے باہر وارث خاں کے تالاب کے پاس قیام کر کے مصطفیٰ خان و شمشیر خان و سردار خاں و عمر خاں و رحیم خاں و کرم خاں و سرانداز خاں و شیخ معصوم و شیخ جہاں یار و محمد ذوالفقار خاں و چھیدن ہزاری و بختی بہیلیہ و بختاور سنگھ وغیرہ سرداروں سے وفاداری کا عہد و پیمان لے کر مرشد آباد کی طرف کوچ کیا۔[2] بعد کے واقعات کو بنگالے کی تاریخ سے تعلق ہے۔ صرف اس قدر بیان کر دینا ضروری ہے کہ سرفراز خاں نے ہر چند صلح کی کوشش کی لیکن مہابت جنگ نے ایسی شرطیں نکالیں کہ صلح ناممکن تھی۔ پھر مہابت جنگ نے بجائے قرآن کے اینٹ کو غلاف میں رکھ کر قول و قسم سے سرفراز کے ایلچی کو یقین دلایا کہ سوائے صلح کے کوئی دوسرا منشا نہیں سرفراز خاں نے سادہ لوحی سے اس کا یقین کیا لیکن دوسرے ہی دن جنگ کی نوبت آئی اور سرفراز خاں مارا گیا۔[3] مہابت جنگ نے اس فتح کے بعد کروڑ روپے نقد اور اس کے علاوہ سرفراز کے ضبط شدہ مال سے ساٹھ ستر لاکھ کی

---

[1] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۱۱۵۔ [2] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۱۱۵ و ریاض السلاطین صفحہ ۳۱۰۔ [3] ریاض السلاطین صفحہ ۳۱۹۔

اشیاء از قسم جواہرات وفیل واسپ وظروف طلائی ونقرئی دربار دہلی کو ارسال کیں[۵۱]۔ اس کے بعد سے علی وردی خاں نے صوبہ بہار میں مستقل نائب مقرر کر کے خود بنگالے میں قیام کیا۔

---

(۴) نواب زین الدّین احمد خان ہیبت جنگ ۱۱۵۳ھ تا ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۰-۴۸ء)

مہابت جنگ نے دربار دہلی کو نقد وجنس بھیج کر اپنے اعزاز میں بھی اضافہ کرایا اور اپنے بھتیجے اور داماد زین الدین احمد خاں کے لیے سند صوبے داری عظیم آباد (مع منصب ہفت ہزاری وخطاب احترام الدولہ ہیبت جنگ) حاصل کی۔ ہیبت جنگ نے رائے چنتامن داس کو جو مہابت جنگ کا قدیم وفادار دیوان تھا اپنی سرکار میں لے لیا۔ اور نواب ہدایت علی خاں کو (مہابت جنگ نے بنگالے جاتے وقت سرس کنٹھ کا فوج دار مقرر کیا تھا) اپنے پاس بلوا کر فوج کا بخشی مقرر کیا۔ ہدایت علی خان نے اپنے قرابت مند عبد العلی خان کو سپہ سالاری دلوادی اور اپنے چھوٹے بھائی نثار مہدی خاں کو بھی معزز عہدے پر بحال کیا[۵۲]۔

---

(۵) بھوج پور کی بدامنی اور ہیبت جنگ کی فوج کشی

انھی دنوں میں بھوج پور کے زمیندار ہورل سنگھ اور ادونت سنگھ

---

۵۱ سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۱۲۲ - ۵۲ سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۱۲۶ -

کے علاقوں میں ظلم و تعدی کے سبب مسافروں کا گزرنا دشوار ہو گیا تھا۔
ہیبت جنگ نے ان مفسدوں کو زیر کرنے کے لیے عظیم آباد میں فوج جمع
کرنی شروع کی۔ اس وقت بعض خیر اندیشوں نے سمجھایا کہ جب ان زمینداروں
کو شکست ہوگی وہ عفو تقصیر کے لیے ہدایت علی خان کو اپنا شفیع بنائیں گے
اور مراسم سابقہ کے لحاظ سے ہدایت علی خان ان کی سفارش بھی ضرور کریں گے
اس وقت رعایت و مروّت میں تاوان جنگ وصول نہ ہو سکے گا۔ ہیبت جنگ
نے اس صلاح کے مطابق ہدایت علی خاں کو لطایف الحیل سے پرگنہ
سنوت اور رام گڑھ کے انتظام کے لیے روانہ کیا اور نثار مہدی کو اس کی جگہ
پر فوج کا بخشی مقرر کر کے بھوج پور پر چڑھائی کی۔ خفیف سی لڑائی کے بعد
بھوج پوریوں نے شکست کھائی [1]۔

---

(۶) روشن خان تراہی کا قتل

بھوج پور کی مہم حسب خواہ سر ہونے پر ضلع شاہ آباد (آرہ) کے نامی
پٹھان سردار روشن خاں تراہی نے ہیبت جنگ کو ان زمینداروں کے ساتھ
بعض رعایات ملحوظ رکھنے کی صلاح دی اور یہ بھی کہا کہ آپ ابھی کم سن اور
ناتجربے کار ہیں۔ اگر میری بات نہ مانیں گے تو خمیازہ اٹھائیں گے۔ ہیبت جنگ
کو یہ بات بہت بری لگی۔ خفیہ اپنے جماعہ دار میر قدرت اللہ اور حسن بیگ
خاں قلعہ دار مونگیر کو حکم دیا کہ دوسرے دن روشن خان آئے تو اس کا کام
تمام کر دینا۔ دوسرے دن عصر کے وقت روشن خان آیا تو ان دونوں نے

---

[1] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۱۳۲۔

اس کو قتل کر ڈالا۔ روشن خان اس قدر فربہ اور لحیم تھا کہ قتل ہونے پر بھی سنگ فرش کی طرح بیٹھا کا بیٹھا رہ گیا۔[1]

---

(۷) مرہٹوں کا نرغہ اور ہیبت جنگ کا بنگالے جانا

۱۱۵۵-۵۴ھ (۴۲-۱۷۴۱ء)

ابھی ہیبت جنگ بھوج پور سے تاوانِ جنگ پورا کرنے کی فکر میں تھا کہ ہدایت علی خان نے رام گڑھ سے اطلاع دی کہ بھاسکر پنڈت سپہ سالار رگھوجی بھونسلہ (مرہٹہ) چالیس ہزار سواروں کے ساتھ چھوٹا ناگ پور کی راہ سے آتا ہے۔ ہیبت جنگ نے وہ خط بجنسہ مہابت جنگ کے پاس بھیج دیا۔ اس کے بعد ہی یہ مرہٹے بھی بنگالے کی طرف پہنچ گئے۔ مہابت جنگ نے ہیبت جنگ کو عظیم آباد کی فوج لے کر کمک میں مرشد آباد بلایا۔ ہیبت جنگ کو بھوج پور کی مہم کے بعد سپاہ کی تنخواہ ادا کرنی اور صوبے کا انتظام نہایت ضروری تھا۔ نواب ہدایت علی خاں نے یہ کام اپنے ذمے لیا اور ہیبت جنگ صوبے کا انتظام خان مذکور کے سپرد کر کے خود چھ سات ہزار سپاہ کے ساتھ مرشد آباد چلا گیا۔ اور اس کے بعد ہی عبد العلی خاں بھی حتی المقدور سپاہ فراہم کر کے مہابت جنگ سے جا ملا۔[2]

---

(۸) محمد شاہ بادشاہ سے کمک کی درخواست

اسی زمانے میں مرید خان بہادر بنگالے کا خراج لینے دلی آیا تھا۔ مہابت جنگ

---

[1] سیر المتاخرین جلد صفحہ ۱۳۳۔ [2] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۱۴۳۔

نے اس کو عظیم آباد میں ٹھیرایا اور بادشاہ سے تا انفصال جنگ مرہٹہ خراج روانہ کرنے کی مہلت اور اس کے ساتھ شاہی کمک کی درخواست کی[1]۔ بادشاہ نے عمدۃ الملک صوبے دار الہ آباد سے واقعے کی تصدیق چاہی۔ اس کے بعد ابو المنصور خان بہادر صفدر جنگ صوبے دار اودھ کو کمک کے لیے تاکید کی اور بالاجی راؤ سپہ سالار پیشوا کو لکھا کہ تم خود چوتھ لیتے ہو پھر رگھوجی بھونسلہ کون ہوتا ہے اور کیوں بر سر فساد ہے[2]۔

---

(۹) عظیم آباد میں صفدر جنگ[3] کی آمد ۱۱۵۵ھ (۱۷۴۲ء)

حکم شاہی کے مطابق صفدر جنگ سولہ سترہ ہزار فوج لے کر جس میں اکثر نادر شاہ کی باقی ماندہ فوج کے مغل تھے عظیم آباد کی طرف روانہ ہوا۔ ہیبت جنگ نے اپنے نائب صوبے دار نواب ہدایت علی خان کو لکھا کہ مناسب طور پر صفدر جنگ

---

[1] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۱۰۴۔ [2] اورنگ زیب کے بعد مرہٹوں نے زور پکڑا تو اکثر علاقوں سے شاہی خراج کا چوتھائی حصہ وصول کرنے لگے۔ جہاں یہ رقم نہ ملی لوٹ اور غارت گری شروع کر دی۔ [3] ابو المنصور صفدر جنگ سعادت علی خان صوبے دار اودھ کا برادر زادہ اور اس کا قائم مقام تھا، اور چچا ہی کی لڑکی سے اس کی شادی بھی ہوئی تھی۔ نادر شاہ کی غارت گری کے بعد جب پھر امن ہوا تو دربار دہلی میں صفدر جنگ کا طوطی بولنے لگا۔ نظام الملک نے جب احمد شاہ کی وزارت سے معافی چاہی تو منصور خاں کو قلم دانِ وزارت اور خطاب صفدر جنگ عطا ہوا اصل نام مرزا مقیم تھا اور حالات ماثر الامرا اور تاریخِ اودھ میں دیکھنا چاہیے۔ ۱۲۔ صوبہ بہار آنے پر صفدر جنگ کو قلعہ رہتاس و چنار گڑھ کی حراست بھی بطور انعام مرحمت ہوئی تھی۔ سہسرام میں اس کی بنوائی ہوئی عمارتیں اب تک موجود ہیں۔

کا استقبال کرنا۔ ہدایت علی خان نے اپنے ساز و سامان کو صفدر جنگ کی آن بان کے مقابلے میں بے حقیقت تصور کرکے مرید خان بہادر کا وسیلہ ڈھونڈا۔ مرید خان پہلے سے صفدر جنگ سے ملاقات رکھتا تھا۔ اس نے صفدر جنگ سے ہدایت علی خان کے نام طمانیت کا خط لکھوایا۔ اس کے بعد ہدایت خان منیر سے استقبال کرکے صفدر جنگ کو عظیم آباد لے آیا۔ قلعے میں اترتے ہی صفدر جنگ نے حکم دیا کہ ہیبت جنگ کا سامان ہٹا دیا جائے۔ ہدایت علی خان نے تمام اثاثہ اٹھوا کر اپنے مکان کے قریب کسی جگہ رکھوایا۔ چند دنوں کے بعد صفدر جنگ بڑی شان و شوکت کے ساتھ قلعے سے برآمد ہوکر اپنے جد بزرگوار سعادت خان کے مقبرے پر فاتحہ کو آیا[1]۔

عظیم آباد میں صفدر جنگ نے ہیبت جنگ کے بعض منتخب ہاتھی اور چند ضرب بیش قیمت توپیں لے لیں اور ہدایت علی خان نے کچھ روک ٹوک نہ کی۔ ان حرکات کے سبب اور نیز اس سبب سے کہ صفدر جنگ کے آنے تک مہابت جنگ نے مرہٹوں کو پسپا کر دیا تھا۔ مہابت جنگ نے بادشاہ سے استدعا کی کہ صفدر جنگ کو واپس بلوا لیا جائے ورنہ اس سے بے لطفی کا اندیشہ ہے۔ محمد شاہ نے صفدر جنگ کی واپسی کا حکم صادر کیا لیکن اس کے قبل ہی صفدر جنگ کو خبر ہو گئی تھی اس لیے منیر کے قریب کشتیوں کا پل باندھ کر مع فوج ندی کے پار اتر گیا[2]۔

---

[1] سعادت خان کا مقبرہ محلہ ڈھول پورے سے کوئی سو قدم دکھن ہے۔ یہ جگہ کچی باغ کہلاتی ہے۔ یہ سعادت خان برہان الملک سعادت خان بانی شہر فیض آباد کے پدر تھے۔ صفدر جنگ کا یہاں آنا سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۱۵۰ میں بھی مذکور ہے۔

[2] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۱۵۱۔

(۱۰) بالاجی راؤ مرہٹہ کی آمد اور اہلِ شہر کا ہراس

ابھی صفدر جنگ کا ہنگامہ کم ہوا تھا کہ یکایک بالاجی راؤ بادشاہ کے حکم کے مطابق مہابت جنگ کی کمک کے سلسلے میں حدودِ بہار تک آپہنچا۔ عظیم آباد میں صفدر جنگ کو بعض ہاتھی اور توپ دے دینے کے سبب اور شاید اس سبب سے کہ مہابت جنگ نے خود سرفراز خاں کے ساتھ جو کچھ کیا تھا دوسروں سے بھی اپنے حق میں ایسی ہی توقع رکھتا ہوگا[1]۔ مہابت جنگ اور ہیبت جنگ دونوں ہدایت علی خاں سے مشکوک ہو گئے اور اس کو معزول کرنے کے قصد سے رائے چنتامن داس کو اپنا نائب مقرر کر کے عظیم آباد بھیجا لیکن رائے مذکور یہاں آکر چند ہی دنوں میں مرگ مفاجات سے مر گیا اس وقت عظیم آباد میں کوئی حاکم موجود نہ تھا۔ مرہٹوں کی آمد سے لوگ بہت متفکر ہوئے کیوں کہ ان مرہٹوں کا قاعدہ تھا کہ جدھر پہنچے پہلے زر و مال کا مطالبہ کیا اگر مل گیا خیریت رہی ورنہ لوٹ کر ملک تباہ کر دیا۔ زیادہ تر ہراس کا سبب یہ تھا کہ داؤدنگر (ضلع گیا) میں داؤد خاں قریشی کا پوتا احمد خان بالاجی کے پاس حاضر نہ ہونے کے جرم میں تباہ کر دیا گیا تھا اور اس کا قلعہ جلا کر خاک کر دیا گیا تھا اور بالآخر پچاس ہزار رُپے پیش کش دے کر اس نے جان چھڑائی تھی۔ ایسی حالت میں لوگوں نے ہدایت علی خان کی

---

[1] انگریز مورخوں کا بیشتر یہی خیال ہے دیکھو صفحہ ۸۲ HISTORY OF BENGAL BIHAR ORISSA UNDER BRITESH RULE غلام حسین خان نے اپنے والد ہدایت علی کی برأت اور مہابت جنگ و ہیبت جنگ کے بے جا شکوک و شبہات کا حال صفحہ ۱۵۲ سیر المتاخرین میں لکھا ہے ۱۲

کی طرف رجوع کی۔ اکثر لوگ اپنے اہل و عیال کو گنگا پار بھیجنے کا تہیہ کر رہے تھے۔ لیکن شاہ علیم اللہ[1] نے جو اہلِ معرفت سے تھے لوگوں کو اطمینان دلایا کہ کوئی آفت اس شہر تک نہ آئے گی۔ اتفاقاً گوبندجی نامی بنارس میں ایک مہاجن تھا جو بالاجی کے قرابت مندوں میں تھا اور نواب ہدایت علی خاں کا ممنون احسان تھا۔ اس نے خان موصوف کی استدعا پر بالاجی کو عظیم آباد کا رُخ کرنے سے باز رکھا۔ گوبندجی کے کہنے سے بالاجی نے ہدایت علی خاں کے پاس اپنی تحریر اور کچھ تحائف بھیج کر اطمینان دلایا اور خود بالا بالا عظیم آباد کی راہ کتراتا ہوا مونگیر و بھاگل پور ہو کر بنگالے چلا گیا۔[2]

(۱۱) ہیبت جنگ کی واپسی اور نواب ہدایت علی خان کا برطرف ہونا ۱۱۵۶ھ (۱۷۴۲ء)

بنگالے سے مرہٹوں[3] کے فرار کرنے کے بعد ہیبت جنگ بھی عظیم آباد

---

[1] شاہ علیم اللہ کا وطن دہلی تھا۔ ترک علائق کر کے فقیری اختیار کی اور بیس برس مفقود الخبر رہنے کے بعد اپنے بیٹے نواب ہدایت علی خاں سے ملنے کو عظیم آباد آئے۔ اور ۱۱۵۵ھ میں انتقال کیا۔ قبر محلہ نونگولہ سے متصل پورب جانب ہے۔ لوحِ مزار پر "مرقد اطہر سید شاہ علیم اللہ" اور "سال تاریخ وفاتش محو ذات" (۱۱۵۵) کندہ ہے۔ مفصل کیفیت کتاب کے دوسرے حصے میں درج کی گئی ہے

[2] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۱۵۲۔

[3] واضح ہو کہ رگھوجی بھونسلہ کی فوج ناگ پور سے اڑیسہ چھوٹا ناگ پور اور بنگالے کی طرف اچانک حملہ آور ہوئی تھی اور پیشوا مرہٹہ کی فوج بادشاہی حکم سے رگھوجی کی فوج کی مدافعت کو آئی تھی۔

واپس آیا۔ اور چند دنوں کے بعد ہدایت علی خان سے کہا کہ مہابت جنگ کو تمھاری جانب سے سوءِ ظن ہے اور مجھ کو ان کی استرضا لازم ہے اس لیے کچھ دنوں کے لیے تم علیحدہ ہو جاؤ۔ جب ان کا ظنہ دور ہو گا پھر بدستور کام کرنا۔ ہدایت علی خان نے طور بے طور دیکھ کر سفر کا تہیہ کیا اور رباغ رائے بال کشن وکیل ناظم میں نقارۂ کوچ بجا کر اودھ کی راہ لی اور صفدر جنگ کی رفاقت اختیار کی۔ اس کے بعد ہی نثار مہدی خان نے بھی آزردہ ہو کر ملازمت ترک کر دی۔[۵۱]

---

(۱۲) عظیم آباد کے حصار گلی کی مرمت ۱۱۵۶-۵۷ھ ۱۷۴۳-۴۴ء

مرہٹوں کے اچانک حملہ آور ہونے کا حال معلوم تھا، اس لیے ہیبت جنگ نے شہر کی پرانی فصیل کو از سرِ نو مرمت کرنے اور اس کے گرد خندق کھود کر مٹی سے دیوار اور پشتہ بنانے کا حکم دیا۔ بعض لوگوں نے حصار پر اور اس کے آس پاس مکان بنا لیے تھے۔ انھوں نے سخت واویلا شروع کی مگر ہیبت جنگ نے ایک نہ سُنی اور مکانوں کو منہدم کرا کے حصار اور خندق کو درست کرا لیا۔[۵۲] بعد میں جب مرہٹوں کا نرغہ ہوا تو وہ لوگ بھی جن کے گھر منہدم ہوئے تھے اسی حصار کے اندر پناہ گزیں ہو کر ہیبت جنگ کے مشکور ہوئے۔

---

[۵۱] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۱۵۶

[۵۲] GOVERNMENT GAYETTER PATNA مطبوعہ ۱۹۲۴ء صفحہ ۲۶ میں مرمت کا زمانہ ۱۷۴۱ء لکھا ہے۔ لیکن سیر المتاخرین کی رو سے ۱۱۵۶-۵۷ھ ہوتا ہے جو راقم کے خیال میں صحیح ہے۔ اس کے مطابق ۱۷۴۳ء ہونا چاہیے۔ ۱۲

(۱۳) مصطفےٰ خان ببر جنگ کی بغاوت ۱۱۵۸ھ (۴۵-۱۷۴۵ء)

مصطفےٰ خان، مہابت جنگ کے فوجی افسروں میں سب سے زیادہ ممتاز تھا۔ مہابت جنگ کے بنگالے پر قبضہ کرنے کے زمانے سے مرہٹوں کی یورش کے وقت تک اس نے بہت سے کارنمایاں کیے تھے لیکن آخر زمانے میں اس سے مہابت جنگ سے ناچاقی ہوگئی۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ مرہٹوں کے مقابلے کے وقت مہابت جنگ نے مہم کے حسب خواہ سر ہونے پر مصطفےٰ خان کو بہار کی صوبے داری دینے کا وعدہ کیا تھا۔ مہم کے سر ہونے پر مصطفےٰ خان نے ایفائے وعدے پر اصرار کیا تو مہابت جنگ لیت ولعل کرنے لگا۔ کیوں کہ ہیبت جنگ سے چھین کر مصطفےٰ خان کو صوبے داری دینا اس کو شاق تھا علاوہ اس کے چند بار یہ بھی ہوا کہ مہابت نے مصطفےٰ خان کے ذریعے سے زاید سپاہ بھرتی کرائی لیکن کام نکل جانے پر خلافِ وعدہ اس کو برطرف کر دیا جس سے پٹھانوں میں بد دلی پیدا ہوگئی۔ اسی کے ساتھ ہیبت جنگ کا روشن خاں تراہی کو ذرا سی بات پر قتل کرانا اور ایک روز مہابت جنگ کے دربار میں مصطفےٰ خان کی حاضری کے قبل کچھ غیر معمولی طور پر مشتبہ بند وبست وقوع میں آنا بھی مزید کدورت کا باعث ہوا اور مصطفےٰ خان کو گمان ہوا کہ مہابت جنگ اس کو قتل کرانے کی فکر میں ہے۔[۵۱]

بہرکیف مصطفےٰ خان نے دہلی جانے کا بہانہ کرکے اپنی اور سپاہ کی تنخواہ کے سترہ لاکھ روپے وصول کیے اور مرشد آباد سے روانہ ہوا۔ مہابت جنگ نے ہیبت جنگ کو لکھ بھیجا کہ مصطفےٰ خان سپاہ کثیر کے ساتھ ادھر جا رہا ہے تم اس سے مقابلے کی

---

۵۱ سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۱۶۳

تاب نہ لاسکوگے۔ لہذا گنگا پار ہو کر مرشد آباد چلے آؤ۔ پھر ہم تم مل کر مدافعت کی تدبیر کریں گے۔ ہیبت جنگ اس وقت ترہت کی طرف تھا۔ اس نے عظیم آباد آکر باغِ جعفر خان میں مجلس مشورت منعقد کی اور خود اس کی اور نثار مہدی خان کی صلاح سے یہ رائے قرار پائی کہ ملک کو چھوڑ کر بھاگ جانا سخت نامردی ہے اس لیے مقابلے کو تیار رہنا چاہیے۔ ہیبت جنگ نے باغِ جعفر خاں سے شہر تک تمام دمدمے پر توپیں چڑھوادیں اور اپنے فوجی افسروں اور تمام علاقے کے زمینداروں اور سرداروں کو جن میں عبد العلی خان بہادر۔ نثار مہدی خان۔ احمد خان قریشی۔ شیخ جہاں یار۔ شیخ حمید الدین۔ شیخ امیر اللہ۔ کرم خان۔ غلام علی جیلانی۔ خادم حسین خان۔ راجا کیرٹ سنگھ (راجا) رام نراین لال۔ راجا سندر سنگھ (ٹکاری) نام دار خان مع برادران سردار خان و کام گار خاں و رن ست خاں و بشن سنگھ (زمیندار سرس کٹنبہ) و توہد سنگھ (ترہت) و ہرب سنگھ (اروال) وغیرہ شامل تھے جمع کر کے چودہ پندرہ ہزار سپاہ سے مقابلے کا بندوبست کیا۔

اس اثنا میں مصطفیٰ خان نے مونگیر پہنچ کر قلعے کا محاصرہ کیا۔ حسن بیگ خاں قلعے دار نے حتی المقدور مدافعت کی اور عبد الرسول خاں (برادر مصطفیٰ خاں) کے سر پر قلعے کی دیوار سے ایک پتھر گروایا جس سے اس کا سر پھٹ کر مغز نکل پڑا۔ مصطفیٰ خان نے اس قلعے کا محاصرہ فضول سمجھ کر عظیم آباد کا عزم کیا۔ ادھر ہیبت جنگ نے اس کا مافی الضمیر دریافت کرنے کی غرض سے حاجی عالم کشمیری (المعروف بہ حاجی محمد خان) اور مولوی تاج الدین مدرس مدرسہ سیف خان وغیرہ کو مونگیر روانہ کیا اور مصطفیٰ خان کو یہ پیام دیا کہ تم نے مہابت جنگ سے ترک رفاقت کی ہے ہمارے تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں بطور مہمان خانہ افروز ہو اور بار برداری کے لیے جو انتظام ضروری ہوگا

یں مہیا کردوں گا۔ اور اگر مہابت جنگ سے رفع ملال چاہو تو میں بہ ذات خود اس میں کوشاں ہوں گا۔ اور اگر یہاں کی صوبے داری کے لیے کوئی سند حاصل ہوئی ہو تو دکھاؤ کہ میں خود اپنی راہ لوں۔

مصطفےٰ خان نے جواب دیا کہ نہ مجھے مہمان رہنا ہے اور نہ مہابت جنگ سے صفائی قلب کی حاجت ہے۔ عظیم آباد پر دخل کر لینا البتہ ضروری ہے۔ اور سند کے لیے جو پوچھتے ہو میرے پاس بھی ویسی ہی سند سمجھ لو جو سرفراز خان کے مقابلے کے وقت مہابت جنگ کے پاس تھی۔

اس جواب کے بعد ہیبت جنگ آمادہ جنگ ہو کر بیٹھا تھا کہ، اصفر ۱۱۵۸ھ کو مصطفےٰ خان فوج لے کر عظیم آباد میں دمدمے کے پاس نمودار ہوا اور فوج کے ایک دستے کو بلند خان روہیلہ کی سرداری میں چھوڑ کر باقی فوج سے ہیبت جنگ کے لشکر پر حملہ آور ہوا، اور کئی آدمیوں کو مقتول و مجروح کیا۔ راجا سندر سنگھ کا داماد بھی مارا گیا اور راجا کیرت سنگھ خود زخمی ہوا۔ ہیبت جنگ کے پاس میدان خالی دیکھ کر مصطفےٰ خان نے اپنے آدمیوں کو للکارا کہ ہیبت جنگ کو زندہ گرفتار کر لو۔ ہیبت جنگ متواتر عبدالعلی خان کو دمدمہ چھوڑ کر اپنی طرف بلاتا رہا لیکن وہ نہ آیا۔ اتفاق سے اسی ہنگامے میں مصطفےٰ خان کے فیل بان کو گولی لگی اور مصطفےٰ خان ہاتھی کے گریز کرنے کا اندیشہ کر کے اتر پڑا لیکن پٹھانوں نے اس کے زخمی ہونے کا گمان کیا اور میدان سے بھاگنے لگے۔ اسی طرح ہیبت جنگ کی فوج میں راجا سندر سنگھ و کیرت سنگھ وغیرہم نے ہیبت جنگ کی طرف نرغہ دیکھ کر اس کے مقتول ہونے کا گمان کر کے اپنی اپنی راہ لی اور جو بھاگ نہ سکے ادھر اُدھر جا چھپے۔ اس دن اسی قدر جنگ ہو کر رہ گئی اور طرفین سے بہت آدمی مقتول و مجروح ہوئے۔[1]

---

[1] اس جنگ میں غلام حسین خاں مولف سیرالمتاخرین خود بھی موجود تھے اس وقت ان کی عمر انیس ۱۹ سال کی تھی۔

اس کے بعد پانچ دن تک مصطفےٰ خان نے توپیں چلا کر یوں ہی سی چھیڑ چھاڑ جاری رکھی، لیکن چھٹے دن پھر آموں کے باغ سے برآمد ہو کر دمدمے کے قریب ہیبت جنگ سے ایک تیر کے فاصلے پر چلا آیا۔ اور دوسری طرف اس کا بیٹا مرتضیٰ خان بھی آمادۂ پیکار ہوا۔ اس یورش میں ہیبت جنگ کے اکثر آدمی مجروح ہوئے لیکن اتفاق سے ہیبت جنگ کی طرف فتح اللہ نامی ایک شخص ایسا مستقل مزاج اور بہادر نکلا کہ باوجود خود زخمی ہونے کے تفنگچیوں کی بندوقیں بھر بھر کر ان سے چلوائیں اور مصطفےٰ خان کے نشان بردار کو بے نشان کر دیا اس وقت طرفین سے میدان کارزار گرم تھا۔ عین ہنگامے میں مصطفےٰ خان کے داہنی آنکھ میں ایک گولی لگ کر بن گوش سے نکل گئی۔ پٹھانوں نے اس کو قریب الموت یا مُردہ سمجھ کر لاش کو اٹھا لیا اور اپنا تمام سامان اور عورتوں کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئے اور میٹھے پور کے تالاب کے پاس خیمہ زن ہوئے۔ یہاں مصطفےٰ خان کو ہوش آیا تو ساری سرگزشت معلوم ہوئی۔ ہیبت جنگ نے پٹھانوں کا تعاقب ضروری نہ سمجھا لیکن دُور دُور سے اپنی فوج کی جھلک دکھاتا رہا۔ مصطفےٰ خان نقارۂ کوچ بجا کر نوبت پور چلا گیا اور وہاں سے محب علی پور ہوتا ہوا حدود ضلع عظیم آباد سے نکل گیا۔[1]

ہیبت جنگ بھی پیچھے پیچھے محب علی پور تک گیا تھا کہ ادھر مہابت جنگ اس کی کمک کو بنگالے سے عظیم آباد پہنچا۔ ہیبت جنگ فوج کی نگرانی عبد العلی خان کے سپرد کر کے خود مہابت جنگ کی ملاقات کو عظیم آباد چلا آیا۔ جنگ کا اختتام حسب خواہ ہو چکا تھا۔ اس لیے مہابت جنگ چند دنوں کے بعد بنگالے واپس گیا۔

---

[1] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۱۶۶ تا ۱۷۶۔

(۱۴) گرڑھنی (ضلع آرہ) میں دوسری جنگ اور مصطفیٰ خاں کا مارا جانا ۱۱۵۸ھ

چند ہی مہینوں کے بعد برسات ختم ہونے پر مصطفیٰ خان نے دوبارہ چنار گڑھ میں فوج آراستہ کی۔ اور بابو اودونت سنگھ زمیندار جگدیش پور کے علاقے میں پہنچ کر پھر جنگ کا عزم کیا۔ اس کی خبر پاکر ہیبت جنگ بھی عظیم آباد سے مستعد ہوکر مقابلے کو روانہ ہوا۔ گڑھنی کے میدان میں دونوں فوجیں مقابل ہوگئیں۔ عین یورش میں کسی طرف سے ایک گولی آکر مصطفیٰ خان کے قلب کے پاس لگی اور اس کی روح پرواز کرگئی۔ پٹھانوں نے مضطرب ہوکر فرار اختیار کیا۔ ہیبت جنگ نے ہاشم قلی خاں داروغہ دیوان خانہ کو حکم دیا کہ مصطفیٰ خان کا سر کاٹ کر نیزے پر پھراؤ اس کے بعد اس کی لاش کو عظیم آباد بھجوایا۔ اور ہاتھی کے پاؤں میں باندھ کر گھسیٹوایا پھر کمر سے اس کے دو ٹکڑے کر کے ایک حصّہ پچھم دروازے پر اور دوسرا پورب دروازے پر لٹکا دیا گیا۔ کچھ مدّت کے بعد جب دونوں حصے بوسیدہ ہوگئے تو اٹھواکر دفن کیے گئے[۱]۔ افسوس ہے کہ چند سال کے اندر ہی خود ہیبت جنگ کی لاش کا بھی بجنسہ یہی حال ہوا۔

مرا بمرگ عدو جائے شادمانی نیست   کہ زندگانی ما نیز جاودانی نیست

---

[۱] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۱۷۵ و ۱۷۶۔

(۱۵) جنگ محب علی پور (ضلع عظیم آباد پٹنہ) ۱۱۵۹ھ (۱۷۴۵ء)

مصطفےٰ خاں کے مارے جانے پر اس کا بیٹا مرتضیٰ خاں اور باقی ماندہ پٹھان سہسرام کی طرف بھاگ کر چلے گئے تھے۔ انھوں نے رگھوجی بھونسلہ سے استعانت چاہی۔ رگھوجی تو ایسے موقعوں کی تاک ہی میں رہا کرتا تھا۔ فوراً بیس ہزار فوج لے کر لوٹ مار کرتا ہوا چڑھ آیا اور پٹھانوں کو رہا کر دیا۔

مہابت جنگ کو بھی مرہٹوں کے آنے کا حال معلوم ہو چکا تھا۔ وہ مرشد آباد سے سراج الدولہ (نواسہ) اور سعید احمد خاں صولت جنگ (داماد) اور میر جعفر خان (بہنوئی) اور شمشیر خان و سردار خان وغیرہ سرداروں کو ساتھ لے کر عظیم آباد ہوتا ہوا ہیبت جنگ کی معیت میں نوبت پور پہنچا۔ اب تک مرہٹوں کا کچھ پتا نہ تھا۔ آگے بڑھ کر محب علی پور میں اچانک مرہٹوں سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ رگھوجی کو گمان تک نہ تھا کہ مہابت جنگ کی فوج بنگالے سے اس قدر جلد یہاں تک پہنچ سکے گی۔ میر جعفر اور شمشیر خاں کی سپاہ نے اچانک رگھوجی کو گھیر لیا۔ لیکن مرہٹے مدافعت کر کے اس کو چھڑا لے گئے۔ بہر کیف مرہٹے اور ان کے ساتھی پٹھان منہزم ہو گئے۔

اس معرکے میں مہابت جنگ کی فوج میں شمشیر خان و سردار خاں وغیرہ پٹھاں سرداروں سے منافقت اور بددلی ظاہر ہوئی بلکہ گمان تھا کہ رگھوجی کا محصور ہو کر نکل جانا بھی انھی کی سہل انگاری کے سبب وقوع میں آیا۔[۱]

---

[۱] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۱۸۱ و ۱۸۲۔

(۱۶) پٹھانوں کی شورش اور ہیبت جنگ کا قتل

۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ء)

محب علی پور کی جنگ کے بعد بعض واقعات مرشد آباد اور بھگوان گولے میں ایسے ہوئے جن سے شمشیر خاں و سردار خاں و مراد شیر خاں وغیرہ پٹھانوں سے جواب تک مہابت جنگ کی ملازمت میں تھے نفاق کے آثار ظاہر ہوئے۔ ۱۱۵۹ھ میں سراج الدولہ کی شادی محمد ایرج خاں کی لڑکی سے ہوئی۔ اس وقت ان پٹھانوں سے ایسی ناچاقی ہوگئی تھی کہ مہابت جنگ نے اس تقریب کے زمانے میں فوج کو ہر وقت مسلح رہنے کا حکم دیا تھا۔ اس شادی کے بعد ہی شمشیر خاں اپنی اور سپاہ کی تنخواہ کے سات لاکھ روپے وصول کر کے اپنی جاگیر ضلع دربھنگہ میں چلا آیا۔ ہیبت جنگ نے اس کو نامی سردار جان کر یاکسی اور نیت سے مہابت جنگ کی صلاح سے نوکری کا پیام دیا۔ مگر شمشیر خاں ہیبت جنگ سے مطمئن نہ تھا۔ عبدالکریم خان اور روشن خاں تراہی کا مارا جانا معلوم تھا۔ اس لیے پہلے ملازمت پر رضامند نہ ہوا۔ تب ہیبت جنگ نے آقا عظیما اور محمد عسکر خاں وغیرہ خاص مصاحبوں کو بھیج کر عہد و پیمان سے اس کو اطمینان دلایا۔ آخر ذی الحجہ ۱۱۶۱ھ میں شمشیر خاں اور اس کا بھانجہ مراد شیر خاں اور عبدالرشید خاں اور بخشی بہیلیہ وغیرہ پٹھان سپاہیوں کو لے کر عظیم آباد کے سامنے گنگا کے اس پار خیمہ زن ہوئے۔ ان کو مزید اطمینان دلانے کی غرض سے ایک روز ہیبت جنگ

لہ تاریخ جدید صوبہ بہار و اڑیسہ صفحہ ۲۷۰ میں لکھا ہے کہ سراج الدولہ کی شادی ہیبت جنگ کی لڑکی سے ہوئی۔ یہ قبیح غلطی ہے۔ کیوں کہ ہیبت جنگ سراج الدولہ کا باپ تھا۔ اسی طرح صفحہ ۲۸۶ میں ہیبت جنگ کو سراج الدولہ کا چچا لکھ دیا ہے ۱۲

خود اپنے چھوٹے لڑکے کو ساتھ لے کر کشتی پر گنگا کے پار جا پہنچا شمشیر خاں لبِ آب سے استقبال کر کے اس کو خیمے میں لے گیا اور نذر پیش کر کے ہیبت جنگ کے اصرار پر مؤدّب بیٹھ گیا۔ اس وقت پٹھانوں نے پختو زبان میں شمشیر خاں سے ہیبت جنگ کے قتل کا ایما چاہا لیکن شمشیر خاں نے بات ٹال دی۔ ہیبت جنگ نے واپس آکر کشتی کے داروغہ کو پٹھانوں کے عبور کرانے کی ہدایت کی اور دوسرے روز شمشیر خاں پٹھانوں کے ساتھ عبور کر کے باغ جعفر خاں میں مقیم ہوا۔

اس کے بعد ہی ماہِ محرم ۱۱۶۱ھ کے آخری ہفتے میں یوم ملازمت مقرر ہوا۔ شمشیر خاں نے ہیبت جنگ کو کہلا دیا تھا کہ آپ کے رفقاء سے مجھے پورا اطمینان نہیں، اس لیے میری حاضری کے وقت یہ لوگ موجود نہ ہوں۔ ہیبت جنگ نے درباریوں کو منع کر دیا کہ اس دن کوئی نہ آئے روز معینہ سے پہلے سرفراز خاں اپنے ماتحتوں کے ساتھ ملازمت کو حاضر ہوا اور حسب دستور رخصت کا پان لے کر واپس گیا۔ دوسرے روز پھر ہیبت جنگ اپنی نو ساختہ عمارت چہل ستون[۱] میں مسند آرا ہوا۔ اس وقت محمد عسکر خاں۔ میر مرتضیٰ۔ میر بدر الدجیٰ۔ مُرلی دھر ہرکارہ رمضانی تحویل دار سلاح خانہ۔ سیتارام مشرف توپ خانہ دستی۔ میر عبداللہ صفوی۔ شاہ بندگی مجاور قدم رسول۔ مہتاب رائے کھتری۔ راجا رام نرائن دیوان اور چند متصدی و خدمت گار وغیرہ سب ملا کر پچاس ساٹھ آدمیوں سے زیادہ نہ تھے لیکن سوائے رمضانی تحویل دار کے کسی کے پاس تلوار نہ تھی۔

اب شمشیر خاں کی آمد آمد شروع ہوئی۔ سب سے پہلے ایک ہزار بہیلیوں نے آکر مجرا کیا اور رخصت کا پان لے کر واپس گئے۔ ان کے بعد مراد شیر خاں

---

۱ یہ عمارت مدرسے کی مسجد کے پچھم جانب تھی اب اس کا نشان باقی نہیں لیکن پورب جانب بعض عمارتوں کے آثار کسی قدر باقی رہ گئے ہیں۔

پان سو پٹھانوں کو لے کر حاضر ہوا اور ہر ایک کا نام بتا کر نذریں پیش کراتا رہا ہیبت جنگ پوچھتا جاتا تھا کہ بھائی شمشیر خاں کب آئیں گے اور لوگ جواب دیتے تھے کہ حضور وہ بھی اب حاضر ہوتا ہو۔ اتنے میں شمشیر خاں تین چار ہزار پٹھانوں کے ساتھ قلعے کے پاس کوتوالی چبوترے تک پہنچ گیا۔ اس وقت مراد شیر نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جلد پان لے کر رخصت ہو۔ شاید پہلے سے مشورہ ہو چکا تھا کہ عبدالرشید خاں ہیبت جنگ کے قتل میں سبقت کرے گا۔ اس وقت اس کے بدن میں لرزہ تھا۔ رخصت کا پان اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ ہیبت جنگ نے اس کو دوسرا پان دینے کے لیے نظر نیچی کر کے خاصدان کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس وقت عبدالرشید خاں نے کمر سے جمدھر نکال کر ہیبت جنگ کے پیٹ میں مارا۔ محمد عسکر خان وغیرہ نے "ہیں ہیں یہ کیا نمک حرامی ہو" شور و غل کیا۔ ہیبت جنگ اپنی تلوار کے قبضے پر ہاتھ ڈالا ہی چاہتا تھا کہ مراد شیر نے تیغ کا ایسا ہاتھ لگایا کہ شانے سے پہلو تک اُتر آئی۔ میر مرتضیٰ نے سینہ سپر ہو کر خود کو ہیبت جنگ پر گرا دیا۔ پٹھانوں نے اس کو پاش پاش کر دیا اور ہیبت جنگ کا سر کاٹ کر اس کے سینے پر رکھ دیا۔ میر محمد عسکر ہیبت جنگ کی تلوار لے کر لڑا اور اسی جگہ مقتول ہوا۔ جہناب رائے زخمی ہو کر اسی جگہ بیٹھ گیا اور ہیبت جنگ کی لاش کے ساتھ اٹھا۔ رمضانی تحویل دار اور سیتا رام بھی حق نمک ادا کر کے مارے گئے۔

مُرلی دھر ہرکارہ۔ میر بدرالدجی۔ راجا رام نراین اور میر عبداللہ نے اپنی شال کٹار اور کمربند وغیرہ دے کر جان بچائی۔ لیکن شاہ بندگی بے چارہ مارا گیا۔ اس کے بعد پٹھانوں نے ہیبت جنگ کی لاش کو پورب دروازے میں لٹکا دیا۔ پھر میر حیدر علی کوتوال کی سعی سے سید محمد اصفہانی نے لاش کے ٹکڑوں کو [illegible] جا کر کے بیگم پور کے مقبرے میں دفن کیا۔

ہیبت جنگ کے قتل کے بعد پٹھانوں نے عظیم آباد پر قبضہ کرلیا۔
مراد شیر چہل ستون میں رہنے لگا اور ہیبت جنگ کے زنانہ محل پر پہرہ بٹھا
دیا۔ حاجی احمد پدر ہیبت جنگ پٹھانوں کی قید میں آکر مرگیا اور اس کے مال
سے تقریباً ستر لاکھ روپے (نقد و جنس) پٹھانوں کے تصرف میں آئے۔ عبدالعلی
خان بہادر جو ہیبت جنگ کی فوج کا سپہ سالار تھا، میر عبدالرسول بلگرامی
کے مکان میں روپوش ہوا تھا۔ پٹھانوں نے اس کو بھی گرفتار کیا لیکن پھر کچھ
قول و قرار لے کر چھوڑ دیا۔ شمشیر خاں اپنی سپاہ کے ساتھ باغ جعفر خان میں
مقیم رہا۔[1]

---

(۱۷) جنگ رانی سرائے (ضلع عظیم آباد) ۱۱۶۲ھ (۱۷۴۸ء)

چند ہی دنوں میں ہیبت جنگ کے سانحہ کی خبر بنگالے میں مہابت جنگ
کو پہنچی اس نے اپنی فوج کو جو اس وقت مرہٹوں کے مقابلے کے لیے تیار
ہو رہی تھی سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اور ان سے جان نثاری کا وعدہ لے کر چوبیس ہزار
سپاہ کے ساتھ پٹھانوں سے انتقام لینے کو عظیم آباد کی طرف روانہ ہوا۔ جانوجی

(صفحہ ۳۱۹ کا نوٹ) یہ مقبرہ پٹنہ سٹی ریلوے اسٹیشن کے سامنے دکھن پچھم ایک وسیع چہار دیواری کے اندر اب تک قابلِ دید ہے۔

[1] پورا بیان سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۱۹۴ تا ۱۹۸ سے ماخوذ ہے۔ یہی روایت مختصر طور پر ریاض السلاطین صفحہ ۳۵۷ میں بھی مذکور ہے۔

پسر رگھوجی بھونسلہ اور اس کا مدار المہام میر حبیب[1] پٹھانوں سے سازباز رکھتا تھا۔
مہابت جنگ کے روانہ ہوتے ہی انھوں نے شمشیر خاں کی مدد کو عظیم آباد کا رُخ کیا اور راہ میں مہابت جنگ کی سپاہ سے چھیڑ چھاڑ اور بستیوں میں لوٹ مار کرتے ہوئے پیچھے پیچھے چلے آئے۔ مہابت جنگ کے آنے کی خبر پاکر شمشیر خاں نے ہیبت جنگ کی بیوی آمنہ بیگم (دختر مہابت جنگ) اور اس کی چھوٹی لڑکی کو کھلے رتھ میں بٹھا کر شہر میں تشہیر کرایا، اور اس کے بعد ان کو اپنے پاس قید رکھا۔ جب مہابت جنگ مونگیر کے قریب پہنچا راجا سندر سنگھ و پہلوان سنگھ وکامگار خاں وغیرہ بہار کے اکثر زمیندار اپنی جمعیت کے ساتھ مہابت جنگ کے ساتھ ہو لیے۔ مہابت جنگ باڑھ کے قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ پٹھانوں نے گنگا کے کنارے پر جس کے دو جانب پانی تھا توپ خانہ بنا رکھا ہے۔ مہابت جنگ نے ایک کوس اوپر چھم آکر کسی زمیندار کی مدد سے گنگا کو عبور کیا اور اچانک توپ خانے پر قبضہ کر کے پٹھانوں کو منتشر کر دیا اور شب کو یہیں قیام کر کے دوسرے دن آگے بڑھا۔ ادھر شمشیر خاں کو بھی پے در پے خبریں مل رہی تھیں۔ یہ بھی اپنی فوج آراستہ کر کے مقابلے کو بڑھا۔ اتفاقاً اسی وقت شمشیر خاں اور میر حبیب میں بگڑ گئی۔ شاید ان دونوں میں یہ معاہدہ ہوا تھا کہ ہیبت جنگ سے لڑنے میں جو فوجی مصارف ہوں میر حبیب پورا کرے اور بعد فتح شمشیر خاں بہار کا صوبے دار اور میر حبیب ناظم بنگالہ ہو۔ شمشیر خاں نے ستر لاکھ روپے کا مطالبہ کیا اور میر حبیب کو گھیر لیا۔
میر حبیب نے فی الفور دو لاکھ روپے کا تمسک لکھ دیا اس پر بھی چھٹکارا نہ ہوا۔ تب اس کے ایک رفیق مرزا صالح نے یکایک غل مچا دیا کہ مہابت جنگ کی فوج

---

[1] میر حبیب شجاع الدین محمد خان کے وقت میں اعلیٰ فوجی منصب رکھتا تھا۔ اس کے بعد مہابت جنگ کے خلاف مرہٹوں کا رفیق ہو گیا تھا۔

خیمے گاہ تک آگئی۔ اس وقت پٹھان گھبراکر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے اور میر جلیب ان کے نرغے سے نکل گیا[1]۔ بہر کیف باڑہ اور فتوحہ کے درمیان رانی سرائے[2] (بیکنٹھ پور) میں مہابت جنگ اور پٹھانوں میں مقابلہ ہوگیا اور طرفین سے توپیں چلنے لگیں۔ اتفاقاً پہلے ہی گولے میں سردار خاں کا سر اُڑ گیا۔ اس واقعے سے شمشیر خاں کا آدھا لشکر سراسیمہ و منتشر ہوگیا۔ پٹھانوں نے جنگ کو جلد ختم کرنے کے خیال سے یک بارگی یورش کردی اور مہابت جنگ کی فوج کو مصروف پیکار دیکھ کر دوسری طرف سے مرہٹوں نے اس کی خیمہ گاہ میں لوٹ مچادی۔ اس وقت سراج الدولہ نے جو مہابت جنگ کے قریب ہی دوسرے ہاتھی پر تھا گھبرا کر مہابت جنگ سے مرہٹوں کی مدافعت کے لیے کہا لیکن مہابت جنگ نے اس کو سمجھا دیا کہ اس وقت ہمارے حریف پٹھان ہیں مرہٹوں سے پھر سمجھ لیا جائے گا اور ساری فوج سے پٹھانوں پر حملہ کردیا۔ اس معرکہ میں میر محمد کاظم خان برادر میر جعفر خاں اور دوست محمد خان اپنے ہاتھی کو بڑھا کر مراد شیر خاں کے ہاتھی کے برابر لے گئے اور میر مذکور نے اس کے تختہ ہودج پر ہاتھ رکھ کر اندر گھسنا چاہا لیکن مراد شیر نے ایسا تیغا مارا کہ میر موصوف کی کئی انگلیاں کٹ گئیں۔ دوسری طرف سے دوست محمد خان اُچک کر ہودج میں چلا ہی گیا اور مراد شیر کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور میر محمد کاظم اور دوست محمد خان نے مل کر مراد شیر کا سر کاٹ ڈالا۔

اسی دارو گیر میں کسی طرح شمشیر خاں ہاتھی سے زمین پر اُتر آیا تھا حبیب بیگ نامی نے جو مہابت جنگ کا ملازم اور دلیر خاں پسر عمر خاں کی مصاحبت میں تھا موقع پاکر شمشیر خاں کا سر کاٹ ڈالا اور اس کو مہابت جنگ کے ہاتھی

---

[1] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۲۰۲ [2] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۲۰۳ میں رانی سرائے اور ریاض السلاطین صفحہ ۲۵۹ میں بیکنٹھ پور ہے۔ حقیقتاً دونوں مقام قریب ہیں۔

کے پانو میں ڈال دیا[1]

---

(۱۸) آمنہ بیگم زوجہ ہیبت جنگ کی رہائی

رانی سرائے کی جنگ میں پٹھان اور مرہٹوں نے مل کر پورا زور لگایا تھا لیکن مہابت جنگ نے اس معرکے میں دونوں کو فاش شکست دی۔ ان کے بھاگنے پر آمنہ بیگم زوجہ ہیبت جنگ جو مع اپنے لڑکے اور لڑکی کے نہایت ذلت کی حالت میں اسیر تھی آزاد ہو کر اپنے باپ مہابت جنگ سے آملی[2]۔

---

(۱۹) شمشیر خاں کے اہل و عیال کے ساتھ مہابت جنگ کا سلوک

فتح کے بعد مہابت جنگ نے شمشیر خاں کے مال و اسباب کی ضبطی کے لیے چند معتمدوں کو دربھنگہ روانہ کیا اور اس کے اہل و عیال کو بھی حاضر کرنے کی تاکید کی۔ اس اثنا میں شمشیر خاں کے اہل و عیال بتیا کے راجا کے پاس پناہ گزیں ہوئے تھے۔ راجا نے تین لاکھ روپے پیش کر کے امان چاہی لیکن مہابت جنگ نے ایک نہ مانی اور ان کو بلا کر چھوڑا۔ ان کے عظیم آباد آنے پر مہابت جنگ نہایت حسن و سلوک سے پیش آیا۔ ہیبت جنگ کے زنانہ مکان میں نہایت احترام سے ان کو اتارا، اور ہر شخص کو ان کی خاطر اور دل جوئی کرنے کی تاکید کی سراج الدولہ کو بھی حکم دیا کہ بغیر پردہ کرائے زنانہ مکان میں نہ جائے۔ تھوڑے دنوں کے

---

[1] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۲۰۵۔ [2] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۲۰۵

بعد شمشیر خان کی ایک کنواری لڑکی کی شادی اپنے خرچ سے شاہ محمد آفاق خاں نامی ایک سردار سے جو قاسم سلیمان افغان درویش کی نسل سے تھا (جس کی قبر قلعہ چنار گڑھ کے پچھم طرف ہے) کرادی اور چند مواضعات بطور جاگیر دے کر دربھنگہ جانے کی اجازت دے دی۔[1]

---

(۲۰) لالہ جانکی رام نائب صوبے دار عظیم آباد ۱۱۶۱ھ تا ۱۱۶۴ھ (۴۹-۱۷۵۱ء)

شہر اور صوبے میں امن ہونے پر مہابت جنگ شکار کھیلنے چند ہفتوں کے لیے عظیم آباد سے حاجی پور کی طرف گیا اور سعید احمد خاں صولت جنگ کو یہاں اپنا نائب چھوڑا۔ صولت جنگ کو توقع ہوئی کہ عظیم آباد کی صوبے داری مستقل طور پر میرے ہی سپرد رہے گی اور شاید مہابت جنگ کا بھی یہی منشا ہو لیکن سراج الدولہ بھی یہیں موجود تھا۔ نثار مہدی خاں نے اس کے ذہن نشین کر دیا کہ یہ تمھارے باپ کی جگہ ہے اور وراثتاً تم ہی اس کے مستحق ہو۔ سراج الدولہ مچل گیا کہ اگر مجھ کو یہ صوبہ نہ ملے گا تو زہر کھالوں گا۔ صولت جنگ بھی صوبے داری چھن جانے کے خیال سے آزردہ ہو کر ترک وطن کر کے شاہجہاں آباد جانے کو آمادہ ہوا۔ مہابت جنگ کو عجب کشمکش درپیش ہوئی۔ آخر اس نے فرط محبت سے عظیم آباد کی صوبے داری کے لیے سراج الدولہ کو نامزد کیا۔[2] اور اپنے قدیم وفادار ملازم راجا جانکی رام کو مرشد آباد سے بلوا کر نائب مقرر کیا[3] اور صولت جنگ کو کچھ سمجھا بجھا کر اپنے ساتھ مرشد آباد لے گیا۔

---

[1] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۲۰۶ - [2] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۲۰۹

[3] ریاض السلاطین ص ۳۶۰۔

اسی سال ۱۱۶۱ھ میں محمد شاہ بادشاہ نے انتقال کیا اور احمد شاہ بادشاہ ہوا۔

مرشد آباد واپس جانے کے بعد مہابت جنگ نے نواب سیف خان فوج دار پورنیہ کے مرنے پر اس کے بیٹے فخرالدین حسین خاں کے عوض صولت جنگ کو پورنیہ کا فوج دار مقرر کیا[1]۔

---

(۲۱) عظیم آباد میں سراج الدولہ کا ہنگامہ ۱۱۶۳ھ (۱۷۵۰ء)

سراج الدولہ نانا کے ساتھ مرشد آباد گیا تو نثار مہدی خاں بھی وہاں پہنچا۔ اس کی بے باکی سے اندیشہ ناک ہو کر مہابت جنگ نے اس کو سراج الدولہ کی رفاقت سے چھڑانا چاہا۔ نثار مہدی خاں نے اس رمز سے آگاہ ہوتے ہی سراج الدولہ کے دل نشین کر دیا کہ تمھارے نانا کو تمھاری جدائی گوارا نہیں اور چاہتا ہے کہ بچوں کی طرح تم کو تابع فرمان رکھے لیکن تم کچھ بچے نہیں کہ اس قسم کی اطاعت ضروری ہو۔ اپنے باپ کی جگہ عظیم آباد میں خود مختارانہ حکومت کرو۔ جانکی رام مفلوک الحال ملازم ہے اس کو نکال دینا کچھ بات نہیں اور اس کے بعد مہابت جنگ بھی تمھاری دل جوئی کے سوا کچھ نہ کرے گا۔ یہ نقش جما کر نثار مہدی خاں عظیم آباد چلا آیا اور سراج الدولہ بھی فرصت کا منتظر رہا۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد مہابت جنگ کے مدنی پور جانے پر سراج الدولہ کچھ حیلہ کر کے خفیہ عظیم آباد کی طرف روانہ ہوا۔ دوسرے ہی دن اس کے ارادے کا حال معلوم ہوا تو شہامت جنگ وغیرہ قرابت مندوں نے اس کو راہ سے واپس بلانے

---

[1] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۲۱۲۔

کی کوشش کی لیکن سراج الدولہ نے اپنی دُھن میں کسی کی نہ سُنی۔ مہابت جنگ
کو معلوم ہوا تو اس نے بذریعے خط اظہارِ محبت و دل جوئی کرکے اس کو واپس
آنے کی ترغیب دی لیکن سراج الدولہ نے جواب دیا کہ حضور میرے دشمنوں
کے ساتھ اس قدر شفقت رکھتے ہیں اور میرے چچا نو کو اس قلد منصب و اقتدار
دے رکھا ہو لیکن میرے لیے محض زبانی عنایات ہیں اب حضرت اِدھر
آنے کا قصد نہ کریں ورنہ یا میرا سر جناب کے ہاتھی کے زیرِ پا ہوگا یا جناب کا
سرِ مبارک میرے دامن ہیں۔ قاصد کو بھی تاکید کی کہ یہی پیام زبانی بھی کہنا۔
مہابت جنگ کو پیامِ زبانی پہنچا تو قاصد پر سخت غضب ناک ہوا کہ تجھ سے
یہ کیوں کر کہا گیا کہ سراج الدولہ کا سر میرے ہاتھی کے زیرِ پا ہوگا۔ اس کے بعد
سراج الدولہ کو دوسرا خط لکھا کہ تمھارا وہم بے جا ہو۔ میری تو آرزو ہو کہ ساری
حکومت و فرماں روائی تم کو ملے اور آخر میں دستِ خاص سے یہ رباعی حسبِ
حال تحریر کی۔

غافل کہ شہیدِ عشق فاضل تراز وست | غازی کہ بہ شہادت اندر تنگ و پوست
کیں کشتۂ دشمن است و آں کشتۂ دوست | فردائے قیامت ایں باں کے ماند

بہرکیف سراج الدولہ نے باڑہ پہنچ کر نثار مہدی خاں کو لکھا کہ میں تمھارے
بھروسے پر سلطنت چھوڑ کر آیا ہوں اب اپنے قول و قرار پر مستعد رہو۔ ہر چند
نثار مہدی خاں کو بعض خیر اندیشوں نے منع کیا اور سمجھایا کہ راجا جانکی رام
مہابت جنگ کا ملازم ہو۔ مہابت جنگ اور سراج الدولہ پھر مل جائیں گے
تم کیوں اپنے سر پر بلا لاتے ہو لیکن خان موصوف نے جواب دیا کہ میں وعدہ
کر چکا ہوں اور موت تو اپنے وقت پر آتی ہو اس کا اندیشہ کیا۔ اس کے بعد
سراج الدولہ کو باڑہ سے عظیم آباد لاکر باغ جعفر خاں میں ٹھہرایا اور تمام اطراف

سے زمینداروں اور جماعہ داروں کو متوقع مراعات کر کے طلب کیا۔ سراج الدولہ نے جانکی رام کو بھی حاضر ہونے کا حکم دیا۔ وہ سخت متفکر ہوا کہ یہ معاملہ ملک گیری کا ہے اگر حاضر ہو جائے تو مہابت جنگ کا مورد عتاب ہو اور اگر مقابلہ کرنے میں سراج الدولہ کو کوئی ضرب پہنچے جب بھی یہی نتیجہ ہو۔ آخر مصطفٰے اقلی خان کو (جو سراج الدولہ کا سسر ہوتا تھا) سراج الدولہ کے پاس اس کا مافی الضمیر دریافت کرنے کی غرض سے روانہ کیا۔ سراج الدولہ نے نادانی سے اپنا سارا منصوبہ ظاہر کر دیا اور مصطفٰے اقلی خان نے جانکی رام کو آگاہ کر دیا۔ جانکی رام نے حاضری کا عزم فسخ کر کے شہر میں پہرے پٹھا دیے۔ سراج الدولہ کو مہابت جنگ کا نواسہ ہونے کا غرہ تھا اس لیے اسی دن قلعہ عظیم آباد کو بہ زور لینے کا عزم کیا۔ نثار مہدی خاں نے دو دن اور ٹھیرنے کی صلاح دی تو سراج الدولہ نے کہا کہ مجھ کو یہاں بلا کر اب تم جی چراتے ہو۔ نثار مہدی خاں کو الزام سہنے کی تاب کہاں اس نے جواب دیا کہ حضور نے رخنہ اندازوں کو محرم راز بنا کر خود سب کام بگاڑ ڈالے اور جانکی رام کو ہوشیار کر دیا اس وقت ساٹھ ستر آدمی موجود ہیں اگر فوج کی فراہمی کا انتظار گوارا نہیں تو مجھ کو بھی جان دینے میں عذر نہیں۔ یہ کہہ کر انھی آدمیوں کے ساتھ سراج الدولہ کو بیگم پور میں اس کے باپ ہیبت جنگ کے مقبرے پر لے گیا اور وہاں سے اپنے گھوڑے پر سوار کرا کے قلعے کی طرف روانہ ہوا۔ اس وقت قلعے سے توپیں چلنے لگیں۔ نثار مہدی خاں رانی پور کے قریب پہرے والوں سے مقابلہ کر کے مع رفقا حصار شہر میں داخل ہو گیا اور سراج الدولہ کو بیچ میں لیے ہوئے حاجی گنج تک پہنچا۔ یہاں جانکی رام ہاتھی پر سوار توپ خانہ دستی کے ساتھ موجود تھا اور تین چار ہزار آدمی بھی اس کے گرد تھے۔ سراج الدولہ کے گروہ سے امانت خاں نیزہ لے کر گھوڑا بڑھاتا ہوا حاجی تاتار کی مسجد کے قریب اس لشکر پر جھپٹ پڑا۔

اور جمعیت کو پریشان کر دیا۔ لیکن یہ لوگ دُکانوں اور مکانوں میں چھپ چھپ کر بندوق چلانے لگے۔ اتفاقاً اس وقت کسی طرف سے ایک گولی آکر امانت خان کے لگی اور دفعتاً اس کی رُوح پرواز کر گئی۔ اس کے مرتے ہی اس کے بیٹے اور داماد اور بعض رفقا نے فرار کیا۔ مخالفوں نے بھی ان کو راہ دے دی اور نثار مہدی خاں کی ہمت افزائی کچھ کام نہ آئی تب نثار مہدی خان تلوار لے کر خود آگے بڑھا۔ اس وقت بعض دوستوں نے پھر سمجھا بجھا کر اُس کو باز رکھنا چاہا۔ لیکن اُس نے تیکھے پن سے جواب دیا کہ یہ وقت اس طرح کی دوستی و خیر خواہی جتانے کا نہیں جو مجھ کو عزیز رکھتا ہو چاہیے کہ میرے آگے چلے۔ اسی جگہ مہنت جسونت ناگر[1] (قرابت مند راجا دیا بہادر) کا پہرہ تھا اس نے پُکار کر کہا کہ میر صاحب آپ نے یہ کیا غضب کیا کہ میرے پہرے کی طرف چلے آئے مجھ کو رُسوا نہ کیجیے اور خود کو تہلکہ میں نہ ڈالیے۔ نثار مہدی خاں نے جواب دیا کہ اس وقت فضول باتیں نہ بناؤ ہم تم حریف ہیں کچھ تم اپنے ہُنر دکھاؤ کچھ میں اپنے جوہر دکھاؤں۔ ناچار مہنت مذکور پیادہ پا ہو کر سامنے آیا۔ نثار مہدی خان نے گردن پر تلوار ماری مگر اس وقت بھی سراج الدولہ اور اس کے مصاحبوں نے ذرا جرأت نہ کی برخلاف اس کے ناگر موصوف کی طرف سے مرزا امدار بیگ نے پشت کی جانب سے آکر ایک تلوار ایسی ماری کہ خان مرحوم کا پانو کٹ گیا اور اس کے گرتے ہی جسونت ناگر نے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس مشاہدے سے سراج الدولہ گلیوں میں گھُس کر کسی

---

[1] ناگر برہمنوں کی ایک قسم ہی جو بیشتر گجرات کی طرف رہتے ہیں۔ دیا رام اور چھبیلا رام ناگر دو بھائی شہزادہ عظیم الشان کی صوبے داری کے زمانے میں دیوانی کے عہدے پر مقرر تھے۔ فرخ سیر کی تخت نشینی کے جھگڑے میں چھبیلا رام نے کئی لاکھ رُپے فرخ سیر کو پٹنہ میں دلوائے۔ اور اس کے صلہ میں کڑہ جہان آباد کی فوج داری پائی۔ مآثر الامرا صفحہ ۲۲۹ - ۱۲

طرح مصطفیٰ قلی خان کے مکان پر پہنچا اور اس کے رفقاء نے بھی اسی طرح اپنی اپنی راہ لی۔ جسونت ناگر باوجود زخمی ہونے کے مہابت جنگ کے خیال سے اسی وقت مصطفیٰ قلی خاں کے گھر آیا اور اس سے سراج الدولہ کے صحیح وسلامت پہنچنے کی مُہری تحریر حاصل کی[1]۔

جانکی رام نے نثار مہدی خاں کا سر کٹوا کر پورب دروازے پر لٹکوایا لیکن تھوڑی دیر بعد بعض لوگوں کے کہنے سے تجہیز و تکفین کی اجازت دے دی۔ خان موصوف اور امانت خان و مرزا سنگی وغیرہ جو اس معرکے میں قتل ہوئے تھے محلّہ نون گولے میں شاہ علیم اللہ پدر نثار مہدی خاں کی قبر کے جوار میں مدفون ہوئے[2]۔

یہاں یہ واقعہ گزرا اور ادھر مہابت جنگ سراج الدولہ کی محبّت میں بے قرار ہو کر باڑہ تک پہنچ گیا۔ یہاں آکر سراج الدولہ کی خیریت معلوم ہوئی تو جان میں جان آئی۔ اپنے ایک مصاحب کو روانہ کیا کہ کسی طرح سراج الدولہ کو منا کر لے آئے اور خیمے کی قنات اٹھوا دی کہ دور ہی سے اس کی سواری پر نظر پڑے۔ سراج الدولہ آیا تو مہابت جنگ اس کو گلے لگا کر بہت خوش ہوا اور اس کو ساتھ لے کر عظیم آباد آیا اور یہاں جانکی رام سے معذرت کرائی اور اس کو بدستور بحال رکھ کر مرشد آباد واپس گیا[3]۔ اس کے بعد جانکی رام نے دو برس تک حکومت کر کے اجل طبعی سے جان دی۔

---

[1] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۲۲۸ و ۲۲۹ و ۲۳۰ میں مفصل کیفیت ہے۔ PATNA GAYETTEES ۱۹۲۳ء صفحہ ۲۰۷ میں محض مختصر ذکر ہے۔

[2] شاہ علیم اللہ کی قبر کے دکھن پورب متعدد قبریں ہیں جن میں بعض سنگِ مرمر اور سنگِ موسیٰ کی بنی ہوئی ہیں مگر ان پر کوئی کتبہ موجود نہیں لوگوں نے اس گورستان کو کوئیری کے ساتھ بندوبست کر دیا ہے اس سے اور بھی خراب ہو رہا ہے۔

[3] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۲۳۱۔

(۲۲) راجا رام نرائن کی صوبے داری ۱۱۶۶ھ تا ۱۱۷۶ھ (۶۳-۱۷۵۳ء)

راجا رام نرائن پسر رنگ لال مہابت جنگ کا پروردہ تھا اور اپنے باپ کی جگہ پر دیوان بھی رہ چکا تھا۔ جانکی رام کے مرنے پر مہابت جنگ نے اس کو عظیم آباد کا صوبے دار مقرر کیا[1]۔ مرلی دھر ہرکارہ بھی اس کی رفاقت میں کام کرنے لگا۔ مہابت جنگ کی زندگی تک راجا رام نرائن کی صوبے داری میں کوئی خرخشہ واقع نہ ہوا۔ بعد کے حالات کو سراج الدولہ۔ میر جعفر اور میر قاسم کی حکومت سے تعلق ہے اس لیے سلسلہ بہ سلسلہ بیان کیے جائیں گے۔

---

(۲۳) نواب سراج الدولہ کی حکومت ۷۰-۱۱۶۹ھ (۵۷-۱۷۵۶ء)

۹ جمادی الاول ۱۱۶۹ھ[2] کو مہابت جنگ نے مرض استسقا میں مبتلا ہو کر انتقال کیا اور اس کا نواسہ سراج الدولہ حکمران ہوا۔ مسند نشینی کے وقت اس کی عمر ستائیس سال تھی۔ نوجوان نواب نے دیرینہ اور ذی اقتدار ملازموں کو برطرف کر کے نااہل مصاحبوں کو اعلیٰ عہدوں پر سرفراز کیا۔ اس وقت تک قدیم دولت خواہوں نے فقط علیحدگی اختیار کی تھی۔ لیکن چند ہی دنوں میں سر دربار درشت گوئی استہزا اور تمسخر بھی ہونے لگا۔ کبھی میر جعفر کی حویلی کے سامنے توپ لگانے کا حکم ہوتا تھا، کبھی راجا دولبھ رام اور دوسرے افسروں کو ایک ادنیٰ المتصدی

---

[1] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۲۳۶۔ [2] ریاض السلاطین صفحہ ۳۶۲ میں ۹ رجب روز شنبہ ہے ممکن ہے وہی صحیح ہو۔ انگریزی تاریخوں کے مطابق سراج الدولہ کی مسند نشینی ۹ اپریل ۱۷۵۶ء کو واقع ہوئی۔

(موہن لال جو سراج الدولہ کا خاص دیوان مقرر ہوا تھا) کی اطاعت کا حکم ہوتا تھا۔[1]

بات کا نہ ختم ہو تلوار کے زخموں سے سوا کیجیے قتل مگر منھ سے کچھ ارشاد نہ ہو

غرض چار ہی دن میں دربار کا یہ حال ہو گیا کہ جو شخص سلام کو آتا تھا اپنی جان و آبرو سے ہاتھ دھو لیتا تھا۔ اور جو شخص جان و آبرو سلامت لے کر واپس جاتا تھا خدا کا شکریہ ادا کرتا تھا[2]۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سوائے چند سفلوں کے جنھوں نے مصاحبت میں اقتدار پایا تھا اکثر اراکین نظامت دشمن ہو گئے۔ سراج الدولہ نے اپنی خالہ گھسیٹی بیگم کی املاک ضبط کر لی تھی[3]۔ اور اسی زمانے میں شوکت جنگ پسر صولت جنگ سے پورنیہ کی حکومت چھین لینے کا قصد کیا تھا۔

گھسیٹی بیگم کی املاک کے محاسبہ میں راج بلبھ دیوان (جو اس کے شوہر شہامت جنگ کے وقت سے عہدے دار تھا) نظر بند کیا گیا تھا۔ اس کا بیٹا کشن بلبھ اپنے باپ کا مال لے کر مسٹر ڈریک (DRAKE) افسر اعلیٰ ایسٹ انڈیا کمپنی کی پناہ میں کلکتہ پہنچا۔ سراج الدولہ نے انگریزوں کو اپنے مخالفوں کا مددگار اور پشت پناہ سمجھ کر پورنیہ کا قصد ملتوی کیا اور پہلے کلکتہ کی طرف

---

[1] حقیقتاً اس زمانے میں سوسائٹی کا حال ناگفتہ بہ تھا۔ خود جگت سیٹھ میر جعفر اور اکثر عمائدین افترا پردازی اور خفیہ سازش میں لگے رہتے تھے۔ اخلاقی حالت بھی نہایت خراب ہو رہی تھی۔ اور انگریزوں کا بھی یہ حال تھا کہ کلائیو نے اُمین چند کی شرارت کے جواب میں فریب و جعل سازی کو روا رکھا۔

[2] ریاض السلاطین صفحہ ۳۶۴۔

[3] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۲۹۴ میں یہ بھی لکھا ہے کہ میر جعفر وغیرہ گھسیٹی بیگم کے معاملے میں سراج الدولہ کے ظلم کو دہ چند بڑھا کر انگریزوں سے کہتے تھے۔

متوجہ ہوا اور انگریزوں کو شکستِ فاش دے کر فورٹ ولیم پر قبضہ کر لیا[1]

---

(۲۴) شوکت جنگ کی شکست اور قتل ۱۱۷۰ھ

(۱۷۵۶ء)

کلکتے کی فتح کے بعد سراج الدولہ نے راس بہاری پسر راجا جانکی کی معرفت شوکت جنگ کو پروانہ بھیجا کہ پورنیہ کے پرگنات ہم نے اپنی خاص جاگیر میں لے لیے اس لیے راس بہاری کو وہاں کے انتظام پر مامور کر کے بھیجتا ہوں تم اس کو دخل دے دینا۔ شوکت جنگ کے باپ صولت جنگ نے مہابت جنگ کی زندگی کے آخری دنوں میں دربارِ دہلی میں وزیر الممالک کو ملا کر اپنے نام مہابت جنگ کی جانشینی اور بنگالہ و بہار و اڑیسہ کی صوبے داری کی سند کے لیے کوشش کی تھی لیکن صولت جنگ خود مہابت جنگ سے کچھ پہلے مرگیا۔ اس لیے اب وہ سند شوکت جنگ کو حاصل ہوئی تھی۔ شوکت جنگ نے سراج الدولہ کو لکھا کہ تم

---

[1] اسی لڑائی کے متعلق انگریزوں کا بیان ہے کہ ایک سو چھیالیس انگریز اٹھارہ فٹ لمبے اور چودہ فٹ چوڑے کمرے میں جس میں ہوا کے لیے صرف دو کھڑکیاں (سلاخ دار) تھیں بند کر دیے گئے اور صبح کو جب دروازہ کھولا گیا تو تیئس آدمیوں کے سوا سب مردہ پائے گئے۔ اسی کو بلیک ہول BLACK HOLE کہتے ہیں لیکن سیر المتاخرین اور ریاض السلاطین جو اس زمانے کے حالات کی نہایت مستند تاریخیں ہیں ان میں شمۃ بھی اس کا کوئی ذکر نہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انگریز بھاگ کر جہاز پر چلے گئے تھے اور سراج الدولہ پر محض اتہام رکھا گیا ہے۔ بہر حال اورمالی صاحب لکھتے ہیں کہ اس میں نواب کا کوئی قصور نہ تھا بلکہ اس کے کسی جماعہ دار نے ذاتی عداوت سے ایسا کیا واللہ اعلم۔ یہ واقعہ ۲۰ جون ۱۷۵۶ء کا بیان کیا جاتا ہے۔

خود اپنے لیے کوئی مقام تجویز کرکے مجھ سے اس کی سند طلب کرو اور دار الامارت کے خزانے و اسباب میرے آدمیوں کے سپرد کردو۔ سراج الدولہ نے اس کے جواب میں ایک فوج شوکت جنگ کے استیصال کے لیے روانہ کی اور عظیم آباد میں راجا رام نرائن کو بھی لکھا کہ بہار کی فوج لے کر فوراً کمک میں چلے آؤ۔ راجا مذکور عظیم آباد کی فوج اور زمینداروں کی جمعیت کے ساتھ سراج الدولہ کی فوج سے جاملا۔ ۲۱ محرم ۱۱۷۰ھ کو نیبھاری اور نواب گنج کے درمیان مقام بلڈی باڑی میں تھوڑی سی جنگ کے بعد شوکت جنگ مارا گیا اور اس کے سارے مال و اسباب پر راجا موہن لال (دیوان سراج الدولہ) نے قبضہ کیا۔[1] اس جنگ میں غلام حسین خاں مؤلف سیر المتاخرین بھی موجود تھے۔ اس وقت وہ شوکت جنگ کے ملازم تھے۔

باب ہزدہم

حکومت میں انگریزوں کا دخل و رسوخ

(۱) سراج الدولہ کی شکست اور ظالمانہ قتل ۱۱۷۰ھ (۱۷۵۸ء)

کرنل کلایو نے مدراس سے آکر کلکتے کی شکست کا بدلہ لیا۔ جنوری ۱۷۵۷ء کو

---

[1] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۲۷۸ تا ۲۸۵ و HISTORY OF BENGAL BIHAR ORISSA UNDER BRITISH RULE صفحہ ۱۱۰ و ۱۱۱۔

کلکتے پر پھر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا اور سراج الدولہ نے تاوان دینا قبول کر کے صلح کر لی۔ اس زمانے میں انگریز اور فرانیسی برسرِ جنگ تھے۔ اتفاقاً جین لا فرانیسی جس کو شاہ عالم نامے میں موسی لاس اور سیر المتاخرین میں موشیر لاس لکھا ہے) چندر نگر میں شکست کھا کر اپنی جماعت کے ساتھ سراج الدولہ کی پناہ میں آیا۔

کلایو نے سراج الدولہ کو لکھا کہ صلح نامہ کے مطابق آپ میرے دشمنوں دشمنوں کو پناہ نہیں دے سکتے۔ نواب نے جواب دیا کہ فرانیسی جماعت کو میں نے نوکر رکھا ہے اس میں دوستی اور دشمنی کا کوئی معاملہ نہیں۔ اس کے ساتھ ہی نواب نے مصلحتاً جین لا کو عظیم آباد جانے کا حکم دیا۔ لانڈ کور نے ہر چند نواب کو سمجھایا کہ آپ کے دربار دار انگریزوں کی سازش میں ہیں اور میرے چلے جانے پر آپ کو تباہ کر دیں گے۔ لیکن سراج الدلہ نے جواب دیا کہ عنقریب تم کو پھر بُلا لوں گا۔ لانڈ کور نے یہاں تک کہا کہ میرے چلے جانے پر پھر شاید میری آپ کی ملاقات نہ ہو۔ لیکن نواب نے پھر یہی جواب دیا کہ اس وقت تمھارے جانے میں مصلحت ہے۔ ناچار جین لا اپنی جماعت کے ساتھ عظیم آباد کی طرف روانہ ہوا[1]۔

سراج الدولہ نے میر جعفر علی کو فوج کی بخشی گری سے برطرف کیا تھا اور جگت سیٹھ بھی سراج الدولہ سے بیزار ہو رہا تھا اور کلایو بھی سراج الدولہ کے استیصال کی فکر میں تھا۔ ان سب نے مل کر سراج الدولہ کے خلاف خفیہ سازشیں شروع کیں۔ میر جعفر نے جگت سیٹھ کے کارپرداز امین چند کے ذریعے سے انگریزوں کو پونے دو کروڑ رُپے دینے کے وعدے پر اپنی عمارت کے

---

[1] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۲۹۲۔

لیے خفیہ عہد و پیماں کر لیا۔ اُمین چند نے دھمکی دی کہ اگر معاہدہ نامے میں میرے لیے تیس لاکھ رُپیہ نہ لکھے جائیں گے تو میں سراج الدولہ سے راز فاش کر دوں گا۔ کلایو نے اس کے جواب میں ایک جعلی دستاویز تیار کی اور اس میں اُمین چند کے لیے تیس لاکھ رُپیہ لکھ دیے۔ لیکن واٹسن نامی امیر بحر نے اس جعلی وثیقے پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ تب کلایو نے خود اپنے ہاتھ سے واٹسن کے جعلی دستخط بنا کر اُمین چند کو دستاویز دکھائی۔ اس کے بعد حسب قرار داد کلایو اپنی مختصر سی فوج لے کر سراج الدولہ کے استیصال کو پلاسی چلا آیا۔ بدنصیب نواب کے لشکر کے مقابلے میں اس کے مخالفوں کا گروہ محض حقیر تھا لیکن نواب کی فوج میر جعفر کی سازش میں تھی اور ان میں جو وفادار تھے ان کو خود سراج الدولہ نے میر جعفر اور بعض سرداروں کے فریب میں آ کر لڑنے سے باز رکھا۔ اور خود چند رفقا کو ساتھ لے کر میدانِ جنگ سے روانہ ہو گیا۔ کلایو جو سراجِ الدولہ سے ہراساں ہو رہا تھا اور میر جعفر پر بھی پورا بھروسہ نہ رکھتا تھا نہایت آسانی سے کامیاب ہوا[1]۔ انگریزی تاریخوں کے مطابق پلاسی کا واقعہ ۲۳ جون ۱۷۵۷ء کو پیش آیا۔

سراج الدولہ پلاسی سے نکل کر عظیم آباد کے قصد سے پورنیہ کی طرف آیا۔ راہ میں موضع بہرال میں دانا شاہ نامی ایک درویش صورت نے اس نادان کو مہمان رکھ کر دغا سے میر قاسم داماد میر جعفر کے حوالے کر دیا۔ میر قاسم نے اس کی جان بچانے کے فریب سے اس کی بیوی کے جواہرات و زیورات کا

---

[1] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۲۸۶ تا ۲۹۰۔ ریاض السلاطین صفحہ ۲۷۰ HISTORY OF BENGAL BIHAR ORISSA UNDER BRITISH RULE صفحہ ۱۱۴ تا ۱۲۳ سے پورا بیان ماخوذ ہے۔

صندوقچہ جس کی قیمت تخمینے سے باہر ہے چھین لیا اور سراج الدولہ کو گرفتار کر کے میرن پسر میر جعفر کے پاس مرشد آباد بھیج دیا۔ اس ظالم نے سراج الدولہ ہی کے خاندان کے پروردہ ملازم کے ہاتھوں اس کو قتل کرا کے اس کی لاش کی تشہیر کرائی۔ یہ واقعہ ۱۶ شوال ۱۱۷۰ھ مطابق ۴ جولائی ۱۷۵۷ء کا ہے۔ میرن نے سراج الدولہ کی ماں، خالہ، بھائی اور معصوم بچے کو بھی بے قصور قتل کیا۔ سراج الدولہ کے بعد مہابت جنگ کے خاندان کا چراغ گُل ہو گیا۔

در خاک سہ بخت آں گلِ دولت کہ باغِ ملک
باصد ہزار ناز بہ پرورد در برش

انصاف کا تقاضا ہے کہ جہاں سراج الدولہ کی بعض بُرائیاں معرضِ بیان میں آگئی ہیں اس کی خوبیاں بھی فراموش نہ کی جائیں۔ اس کے مخالفوں نے نمک حرامی، دغا، فریب، جعل سازی و بے مروّتی کی۔ لیکن سراج الدولہ کا کیرکٹر اس قسم کے کمینہ اوصاف سے پاک نظر آتا ہے۔

(۲) انگریزی فوج کا عظیم آباد آنا ۱۱۷۰ھ (۱۷۵۷ء)

پلاسی سے چلتے وقت سراج الدولہ نے جین لا فرانسیسی کو واپس بلا بھیجا تھا۔ لیکن اس کو خرچ راہ کے لیے راجا رام نرائن سے رُپیہ وصول کرنے میں دیر لگی اور اس عرصے میں سراج الدولہ کا کام تمام ہو گیا۔ جب لا مُنگور راج محل کے قریب پہنچا تو اس کو اس سانحہ کی اطلاع ہوئی۔ ناچار اس نے پھر عظیم آباد کی طرف معاودت کی۔ یہاں گمان تھا کہ راجا رام نرائن اپنے آقا کے انتقام کو آمادہ ہو گا۔ اسی اثنا میں کلائیو نے میجر آئر کوٹ (MAGOR EYRE COOTE) کو دو سو تیئس گورے اور پانچ سو دیسی سپاہیوں کے ساتھ جین لا کے تعاقب میں روانہ کیا۔ ۲۳ جولائی ۱۷۵۷ء میجر کوٹ دریا پور (مقام) پہنچا۔ دوسرے دن

پنڈارک آنے پر گوروں نے شراب نہ ملنے کے سبب آگے بڑھنے سے انکار
کیا۔ مجبوراً گوٹ نے انھیں وہیں چھوڑا اور دیسی سپاہیوں کو ساتھ لے کر
۱۶ جولائی کو عظیم آباد چلا آیا۔ بعد میں گورے بھی کشتی سے یہاں چلے آئے اور
بدمست ہو کر انگریزی کوٹھی میں حرکات ناشائستہ کرنے لگے۔ کوٹ نے تیس
گوروں کو ان کی شرارت پر خوب پٹوایا۔ اس پر تیسرے دن گوروں نے ہتھیار
ڈال دیے۔ مگر پھر کوٹ ان کو سمجھا بجھا کر جین لا کی تلاش میں قصبہ منیر تک لے
گیا۔ جین لا اس کے قبل ہی چھپرہ کی طرف چلا گیا تھا۔ اس لیے انگریزی فوج
کرمناسہ ندی تک جا کر پھر عظیم آباد واپس آئی۔[۱]

---

(۳) میر جعفر کی امارت سنہ ۱۱۷۰ھ تا ۱۱۷۴ھ (۵۷-۱۷۶۰ء)

پلاسی کے ہنگامے کے بعد ۸ رشوال سنہ ۱۱۷۰ھ (۲۹ جولائی ۱۷۵۷ء) کو میر جعفر
نے کلایو کے آنے پر منصور گنج میں اپنی حکومت کی منادی کرائی اور اپنے نام کے
ساتھ علی وردی خان کے تمام خطابات کا اضافہ کرکے مہری فرمان جاری کیے اور
اپنے بیٹے میر صادق علی خاں (عرف میرن) کو (جو شاہ خانم ہمشیرہ مہابت جنگ
کے بطن سے تھا) شہامت جنگ کے لقب سے مخاطب کیا۔[۲] اس نوابی کے
صلے میں انگریزی حکام نے میر جعفر سے کروروں ٹوپی نذر لیے خاص کر کلایو نے

---

[۱] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۲۹۹ HISTORY OF BENGAL, BIHAR ORISSA UNDER BRITISH RULE صفحہ ۱۲۲ GAZETTEER PATNA صفحہ ۲۹

[۲] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۲۹۹ و ۳۰۲۔

چالیس لاکھ رُپے سے زیادہ حاصل کیے۔

---

(۳) میر جعفر اور راجا رام نرائن نائب ناظم بہار

بنگالے میں حکومت قائم ہو جانے پر میر جعفر نے عظیم آباد میں راجا رام نرائن کو مطیع کرنے کے لیے دل جوئی کے خطوط لکھے۔ یہاں جین لا فرانسیسی کے بعد راجا سندر سنگھ (ٹکاری) اور اکثر زمیندار سراج الدولہ کے خون کا بدلا لینا چاہتے تھے۔ انھوں نے راجا رام نرائن کو اُبھارنا چاہا۔ لیکن اس نے زمانہ سازی ہی میں فائدہ دیکھا اور میر جعفر کو بناوٹ کی باتیں لکھتا رہا۔ اس عرصے میں میر جعفر کے عظیم آباد آنے کی خبر اُڑی۔ رام نرائن میر جعفر کی طرف سے مطمئن نہ تھا۔ اس لیے گینڈال کو اپنا وکیل بنا کر کلایو سے اپنی آبرو اور عدم محاسبہ کا اطمینان چاہا۔ لیکن میر جعفر سے خائف تھا اس لیے عیاری سے میر جعفر ہی کا معرفتی خط حاصل کیا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ وکیل مذکور نے خوشامد سے ایک معمولی معرفتی خط کی التجا کی، اور جب مسودہ درست کرنے کا حکم ہوا منشی کو ملا کر اپنے مطلب کا مضمون لکھوا لیا اور ایسے وقت میں دستخط کے لیے پیش کرایا کہ میر جعفر نشہ بنگ میں مدہوش تھا۔ اس خط کو لے کر رام نرائن نے کلایو سے ملاقات کی اور اپنی محافظت کا اطمینان حاصل کر لیا۔

میر جعفر نے ۱۷۵۸ء میں عظیم آباد آکر چند دن عیش و عشرت میں بسر کیے۔ اس کے بعد یہاں کی صوبے داری اپنے بھائی میر محمد کاظم کو دینے کا قصد کیا اور راجا رام نرائن سے صوبے کے مداخل کا محاسبہ چاہا۔ رام نرائن نے اسی دن کے لیے کلایو سے اپنی برائت کا وعدہ لیا تھا فوراً کلایو کے پاس پہنچا اور

اس نے میر جعفر کو ممانعت کی اور کہا کہ میں نے اس بارے میں خود تمھارے سفارشی خط کی بنا پر وعدہ کر لیا ہے۔ میر جعفر نے خط کو منگوا کر دیکھا تو خود نادم ہوا اور گینٹا مل اور منشی پر غصہ کرنے لگا اور یہ لوگ خود اسی پر الزام رکھنے لگے[۱]۔

---

(۵) بعض خیر و لاخیریت کا ذکر

عظیم آباد میں میر جعفر نے عمارت چہل ستون میں قیام کیا اور فقراء کو بلوا کر ان کو کھانے کھلوائے اور ایک ایک روپیہ صدقہ دیا۔ اس کے بعد رنگین کپڑے پہن کر جشن میں مصروف ہوا۔ ہولی کا زمانہ آ پہنچا تھا۔ خود بدولت نے گنگا کے پار ریت پہ خیمے نصب کرائے اور تین دن وہاں رہ کر رنگ ریزی و عبیر بیزی کے ساتھ سراپردے میں دل کھول کر ہولی کھیلی۔

چند دنوں کے بعد میر جعفر بہار ہو کر مرشد آباد روانہ ہوا۔ بہار میں مخدوم شرف الدین احمد منیری کے مزار اور بعض مزاروں کی زیارت کی۔ اس کے بعد یہاں کے تیل کے تلے ہوئے کھانے اور کباب جو تاڑی نوشوں کا گزک ہے اور میر جعفر کو بھی ان سے رغبت تھی فرمائش کر کے منگوائے اور لانے والوں کو انعام دے کر بڑے ذوق و شوق سے تناول کیے[۲]۔

میر جعفر نے نظامت کا کاروبار اپنے بیٹے میرن پر چھوڑ دیا تھا اور خود ناچ رنگ اور صحبتِ نسواں میں بسر کرتا تھا۔ میرن نے بھی باپ کے وتیرے اختیار کیے تھے۔ تھوڑے دنوں میں تمام نظم درہم و برہم ہو گیا اور سپاہ کی تنخواہ تک ادا نہ ہوئی۔ اس وقت عبد الہادی خاں جماعہ دار نے میر جعفر کے قتل کی

---

[۱] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۳۱۱ و ۳۱۲۔ [۲] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۳۱۵۔

سازش کی لیکن بھید کھل گیا اور عبد الہادی خان خود قتل کیا گیا[۵۱]

---

(۹) مرزا شمس الدین اور کلایو کے گدھے کا لطیفہ

مرزا شمس الدین میر جعفر کے قدیم یاروں میں تھا اور میر جعفر کی پریشانی کے زمانے میں مرزا نے اس پر بعض احسان کیے تھے یا شاید کچھ روپے قرض دلوائے تھے۔ اب میر جعفر کو امارت ملنے پر مرزا حقوق سابقہ کے معاوضے کا متوقع تھا لیکن دینا دلانا تو درکنار میر جعفر اس کو پاس پھٹکنے کا بھی روادار نہ ہوتا تھا۔ ایک روز مرزا نے کسی طرح خلوت میں بار پایا تو میر جعفر اس کی زبان بند رکھنے کو خود ہی کہنے لگا کہ مرزا صاحب میں نے آپ کے احسانات فراموش نہیں کیے۔ لیکن کیا کروں کہ انگریزوں کو زر موعود دینے اور دوسری ضروریات سے فراغت نہیں ہوئی۔ ذرا بکھیڑوں سے نجات ہو تو آپ کی خدمت کروں۔ مرزا دل جلا تو تھا ہی۔ کہنے لگا بس اب زیادہ بیان نہ فرمائیے مجھے رقت آتی ہے۔ افسوس کہ سراج الدولہ نے میرا گھر لوٹ کر بے خانماں کر دیا ورنہ اس وقت بھی میں آپ کی خدمت سے قاصر نہ ہوتا۔ اس وقت میر جعفر دونوں ہاتھوں میں کئی جواہر ہیں سمرنین اور گلے میں تین چار مالا مروارید پہنے ہوئے تھا جو سراج الدولہ کے مال سے ہاتھ لگے تھے۔ مرزا کہنے لگا، یہ سنگ ریزے بھی ایسے قیمتی نہیں کہ خود بدولت کے کام آئیں، ہاں اگر انھی ہاتھوں سے اس مخلص کے طمانچے لگائے جائیں تو اس کا دل خوش ہو۔

انھی دنوں میں کلایو بھی آیا ہوا تھا کسی نے میر جعفر سے لگا دی کہ مرزا نے کلایو کے آدمیوں سے ملنا لگا لیا ہے۔ میر جعفر نے مرزا کو بلوایا اور ڈانٹ کر کہنے لگا

---

[۵۱] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۳۱۸ و ۳۲۱۔

تم نہیں جانتے کہ کرنل کون ہے اور اس کا کیا رتبہ ہے۔ مرزا نے عرض کی حضور والا میری کیا مجال کہ کرنل کے آدمیوں سے مقابلہ کروں، میں تو روزانہ اس کے گدھے کو سلام کرتا ہوں۔ حاضرینِ دربار منھ پھیر کر مسکرانے لگے لیکن میر جعفر نے اپنی سادگی سے نہ سمجھا کہ اس گدھے سے خود بدولت ہی کی ذات مراد تھی۔

کرنل کے گدھے کا لطیفہ سیر المتاخرین کے علاوہ 'ٹیلس فرام انڈین ہسٹری' TALES FROME INDIAN HISTORY وغیرہ انگریزی تاریخوں میں بھی مذکور ہے۔

---

(۷) شہزادہ عالی گوہر اور جنگ عظیم آباد ۱۱۷۳ھ (۱۷۵۹ء)

۱۱۶۷ھ (۱۷۵۳ء) میں احمد شاہ بادشاہ دہلی نے انتقال کیا اور عالم گیر ثانی تخت نشین ہوا۔ بہار و بنگالے کی بدنظمیوں کے اخبار ادھر بھی پہنچتے رہتے تھے۔ محمد قلی خاں صوبے دار الہ آباد نے (جو صفدر جنگ کا بھتیجا تھا) شجاع الدولہ نواب وزیر اودھ سے بہار و بنگالے کی تسخیر کے لیے مشورہ کیا۔ شجاع الدولہ چاہتا تھا کہ محمد قلی خاں کسی طرح الہ آباد سے دفع ہو۔ اس نے صلاح دی کہ شہزادہ عالی گوہر ولی عہد عالم گیر ثانی کو متفق کر کے تم سبقت کرو پھر میں بھی آملوں گا۔

یہاں صوبہ بہار میں راجا سندر سنگھ و پہلوان سنگھ و کامگار خاں وغیرہ میر جعفر ناظم بنگالہ سے سراج الدولہ کے خون کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ انھوں نے بھی شہزادے کو بڑھاوا دیا۔ شہزادے نے اس موقعے کو غنیمت سمجھا اور نواب ہدایت علی خاں بہادر اسد جنگ، نواب منیر الدولہ بہادر نادر جنگ،

مدارالدولہ بہادر (پسر خواجہ موسیٰ خاں) فضل اللہ خان بہادر، ممتاز الدولہ و بہادر علی خان بہادر، نوبت خان وغیرہ چند ذی رُتبہ لوگوں کو ساتھ لے کر اعتمادالدولہ محمد قلی خان کی معیت میں ۱۲ رجب ۱۱۷۳ھ کو کرمناسہ ندی کو عبور کر کے جہان آباد ہوتا ہوا داؤد نگر میں وارد ہوا[1]۔

اتفاقاً اسی زمانے میں راجا سُندر سنگھ کو ایک سردار نے محض معمولی سی تکرار پر مار ڈالا تھا اس لیے وہ شہزادے کا ساتھ نہ دے سکا۔

شہزادے کے آنے سے راجا رام نرائن بہت گھبرایا۔ اس نے میر جعفر سے فوج لے کر آنے کی استدعا کی اور انگریزی فوج مقیم عظیم آباد کے افسر میجر کوٹ سے بھی مشورہ کیا۔ آخر یہ رائے قرار پائی کہ اگر انگریزی فوج آجائے تو شہزادے سے جنگ کی جائے ورنہ جیسا وقت پڑے مناسب کارروائی کی جائے۔

اس اثنا میں میر جعفر نے رام نرائن کو لکھا کہ غلام حسین خاں (مؤلف سیر المتاخرین) وغیرہ کو گرفتار کر لو۔ کیوں کہ انھی لوگوں نے نواب ہدایت علی خان کو ترغیب دے کر یہ فتنہ برپا کیا ہوگا۔ غلام حسین خاں نے اپنی برائت اور لاعلمی کا یقین دلا کر رام نرائن اور مرلی دھر ہرکارے سے اپنی سلامتی کا وعدہ لیا۔

بہر کیف شہزادہ آپہنچا تھا۔ شہر میں اس کی آن بان اور شان و شوکت کا شہرہ تھا۔ انگریزی فوج کا بھی اب تک کچھ پتا نہ تھا۔ رام نرائن نے مرعوب ہو کر اپنے مصاحب خاص محمد شاکر کی معرفت ایک سو ایک اشرفی شہزادے کے پاس مع عرض داشت روانہ کی اور حاضری کا قصد ظاہر کیا اور محمد قلی خان سے مل کر (شاید کچھ متوقع کر کے) اس کو اپنا طرف دار اور مداح بنا لیا اور اس نے

---

[1] شاہ عالم نامہ صفحہ ۱۷۔ جہان آباد سے غالباً بھوا جہان آباد مراد ہے۔

شہزادے سے یوم ملازمت مقرر کرایا۔

ہر چند غلام حسین خان نے متنبہ کیا کہ رام نرائن عیار ہے۔ جب حاضر ہو اس کو ساتھ لے کر فوراً شہر پر قبضہ کر لینا چاہیے لیکن ہدایت علی خان نے کہا کہ اب تک خاندان تیموریہ نے کسی سے دغا نہیں کی۔ اور محمد قلی خان کو یہ زعم تھا کہ میری تلوار کے آگے کسی کی عیاری کیا چلے گی۔

۹ ار رجب کو شہزادہ داؤد نگر سے روانہ ہوا اور قصبہ پھلواری کے قریب خیمہ زن ہو کر ہرن، مور و سرخاب کے شکار میں مشغول ہوا۔[1] اسی جگہ رام نرائن بھی شہزادے کے پاس حاضر ہوا۔ یہاں رسوم دربار کے مطابق وہ آداب و کورنش بجا لانی پڑی جو عمر بھر نہ دیکھی۔ رنگ فق، چہرہ اداس، لب خشک حیران رہ گیا۔ نذر کی اشرفیاں پیش کر کے خلعت (سر پیچ و جیغہ مرصع مع کلغی جو شہزادوں کے لیے مخصوص تھی) حاصل کیا لیکن شہزادے کے ساز و سامان کو اپنے گمان سے کم دیکھ کر دل میں پشیمان ہوا اور رکھانے کا حیلہ کر کے خیمہ گاہ سے واپس چلا آیا اور قلعے کے استحکام میں مصروف ہوا۔

چند دنوں کے بعد شہزادہ باغ جعفر خاں میں آکر ٹھیرا اور فوج و توپ خانے کو شہر سے دکھن جلے کی طرف رکھا۔ اس وقت تک رام نرائن ظاہراً مدارات کرتا رہا۔ اس عرصے میں میر جعفر نے اوّل قصد کیا کہ کچھ رُپے دے کر شہزادے کو جنگ سے باز رکھے لیکن اس کا سامان نہ ہو سکا۔[2] تب کلائیو سے مشورہ کر کے میرن اور کرنل کیلاڈ کو فوج لے کر بنگالے سے روانہ کیا۔ ان کے آنے کی خبر

---

[1] شاہ عالم نامہ صفحہ ۵۰۔

[2] HISTORY OF BENGAL BIHAR ORISSA UNDER BRITISH RULE صفحہ ۱۱۔

پاتے ہی رام نرائن نے تیور بدل دیے۔ محمد قلی خان کے آدمیوں کو جو صوبے کے کاغذات دیکھنے کو آئے تھے نکلوا دیا[۱] اور کہلا بھیجا کہ آپ کیا سمجھ کر تحکم کرتے ہیں بندہ ناظم بنگال کا ماتحت ہے کچھ آپ کا نوکر نہیں۔ اب تک جو کچھ کرتا رہا برسم مہمان داری کرتا تھا۔

یہ سنتے ہی شہزادے نے قلعہ عظیم آباد کی تسخیر کا حکم دیا۔ دوسرے ہی دن فوج نے محاصرہ کر لیا۔ رام نرائن نے قلعے سے گولہ باری شروع کی اور شہزادے کی فوج نے پوری مدافعت کی۔ لیکن محمد قلی خان کے سوء تدبیر کے سبب قلعہ مفتوح ہوتے ہوتے رہ گیا[۲]۔

سوء اتفاق سے عین معرکے کے وقت محمد قلی خان کو معلوم ہوا کہ شجاع الدولہ نے اس کی غیبت میں قلعہ الہ آباد پر قبضہ کر لیا ہے۔ ہر چند لوگ سمجھاتے رہے لیکن محمد قلی خان دوسرے ہی دن الہ آباد کی طرف روانہ ہو گیا اور شہزادے کو لڑائی بند کر دینی پڑی۔

اسی کے بعد جین لا فرانسیسی بھی شہزادے کے پاس حاضر ہوا۔ شہزادے نے اس کو نیمہ آستین اور اس کے ساتھیوں یعنی میر سیف اللہ و عبد اللہ بیگ وغیرہ کو دستار و جامہ محمودی چکندوزی دے کر رخصت کیا اور ان سے کہہ دیا کہ محمد قلی خان کے چلے جانے کے سبب فی الحال جنگ ملتوی رہے گی۔

محمد قلی خان کے جانے پر پہلوان سنگھ زمیندار کٹنبھ نے جنگ کا خرچ

سلہ[۱] شاہ عالم نامہ صفحہ ۵۷ کے مطابق ایک کروڑ اور چند لاکھ روپے راجا رام نرائن کے ذمے عاید ہوتے تھے۔ سلہ[۲] سیر المتاخرین میں مفصل کیفیت مذکور ہے۔ شاہ عالم نامے میں لکھا ہے کہ شہزادے کی طرف بعض لوگ راجا رام نرائن کی سازش میں آ گئے تھے۔

دینے کا وعدہ کرکے شہزادے کو روکنا چاہا لیکن اس کے معمولی زمیندار ہونے کے سبب شہزادے نے اس طرف التفاف نہ کیا اور کلایو کو لکھ بھیجا کہ ہمارے مصارف ادا کردو تو ہم یہاں سے ہٹ جائیں گے اور انگریزی تجارت کے لیے رعایتیں بھی ملحوظ رکھیں گے۔ شاید اسی زمانے میں عالمگیر ثانی نے بھی اپنے وزیر عماد الملک کے دباؤ سے کلایو کو لکھ بھیجا تھا کہ شہزادہ باغی نہ ہو جائے اس کی خبر لینا[۱]۔

کلایو نے بادشاہ اور شہزادہ دونوں کی خاطر ملحوظ رکھ کر شہزادے کے پاس خیر اللہ خاں اور چند اشخاص کی معرفت پانچ سو اشرفیاں بھیج دیں اور اس کے ساتھ ساتھ اس کو حدود بہار سے نکالنے کے لیے ایک فوج بھی روانہ کی۔

بہرکیف شہزادہ نواح عظیم آباد سے چل کر ۵ رشعبان کو موضع دھولی پہنچا۔ ۹ ر شعبان کو داؤدنگر واپس گیا، اور ۱۲ ر شعبان کو سہسرام ہوتا ہوا کرمناسہ ندی کے کنارے پر وارد ہوا۔ اسی جگہ شہزادے نے نوبت خاں کو اس دغا و فریب کی پاداش میں قتل کرایا[۲]۔

---

(۸) شہزادے کا بادشاہ ہونا اور رام نرائن اور انگریزوں کی شکست ۱۱۷۳ھ (۱۷۶۰ء)

شہزادہ کرمناسہ ندی تک پہنچا تھا کہ اس کو باپ (عالمگیر ثانی) کے مارے

---

[۱] HISTORY OF BENGAL BIHAR QUISSAONDER BRITISH ROLE صفحہ ۱۲۲۔

[۲] شاہ عالم نامہ صفحہ ۸۵۔

جانے کی خبر ملی۔ ولی عہد تو تھا ہی اب بادشاہ ہو کر اس نے شاہ عالم لقب اختیار کیا (ابوالمظفر جلال الدین سلطان عالی گوہر شاہ عالم ثانی) اور دربار کر کے امراء کو مناصب و خطابات سے سرفراز کیا۔ انھی دنوں میں مدار الدولہ کی سعی سے محمد بلند خان کو موضع سید آباد و بیتو پرگنہ سارن بطور التمغا مرحمت ہوا اور محمد بخشی خان کو پرگنہ تلاڑہ کی فوجداری عنایت ہوئی۔

۱۷ صفر ۱۱۷۳ھ کو کامگار خاں نے اپنے معتمد اللہ داد و نسا رام کو بھیج کر بادشاہ کو بہار و بنگالہ فتح کرنے کی ترغیب دی اور جنگ کے مصارف کا ذمہ لے کر عظیم آباد بُلایا۔ صوبہ بہار کے زمیندار جو میر جعفر اور میرن کی حرکات سے بیزار تھے بادشاہ کے ساتھ ہو گئے۔

اس وقت راجا رام نرائن کی فوج دھوا تالے کے قریب جمع تھی اور کپتان کاکرین جس کو کلائیو نے انگریزی فوج متعینہ عظیم آباد کا افسرِ اعلیٰ مقرر کیا تھا رام نرائن کی کمک میں موجود تھا۔ بادشاہ اور کامگار خاں کے پاس کئی ہزار سپاہ تھی جن میں اصالت خان بہادر و دلیر خاں بہادر بھی شامل تھے، بادشاہ نے اصالت خاں و دلیر خاں کو فوج کی ہراولی اور کامگار خاں کو ایلتمش اور ممتاز الدولہ و مدار الدولہ کو جرانغار و برانغار اور کھانڈی ساؤ کو طلایہ پر متعین کر کے یکم جمادی الثانی ۱۱۷۳ھ (۲۰ جنوری ۱۷۶۰ء) کو جنگ کا حکم دے دیا۔ کپتان کاکرین چاہتا تھا کہ جنگ کچھ دن اور ملتوی رہے۔ کیوں کہ میجر کیلاڈ اب تک بنگالے کی فوج لے کر نہیں پہنچا تھا۔ لیکن رام نرائن کی طرف سے یکایک غلام شاہ نے توپ چلا دی جس سے التوا کا موقع نہ رہا اور اس کے بعد ہی گھمسان لڑائی چھڑ گئی۔ انگریزوں نے گولیوں کی ایسی بوچھار کی کہ بادشاہی فوج کے نشان کے ہاتھی نے گریز کیا اور بعض لوگوں نے اصالت خاں و دلیر خاں کو واپس ہونے

کا اشارہ کیا۔ لیکن ان بہادروں نے جواب دیا کہ فیل کیا اگر آسمان بھی پھر جائے تو ہم لڑائی سے پیٹھ نہیں پھیرتے۔ آخر انھوں نے رام نرائن اور انگریزوں کے لشکر کو مغلوب کیا۔ لیکن خود بھی تیس سواروں کے ساتھ مارے گئے (سیر المتاخرین کے مطابق ان کی قبریں موضع فتوحہ اور بیکٹھ پور کے درمیان ہیں) عین معرکے میں کامگار خاں نے اپنا گھوڑا رام نرائن کے ہاتھی کے برابر بڑھا کر نیزے سے راجا مذکور کو سخت مجروح کیا بلکہ اپنی دانست میں اس کو مار ڈالا تھا لیکن اس نے تختۂ ہودج کی آڑ میں لیٹ کر کسی طرح جان بچائی۔ اثنائے جنگ میں رام نرائن نے ایک فیل مست شاہی فوج کی طرف چھوڑ دیا تھا۔ جس سے عاقل خاں و محراب خاں و لطف اللہ خاں و ہاشم علی خاں و میر مقیم وغیرہ کئی نامی سردار پامال ہو کر مر گئے۔ آخر بادشاہ نے خود خنجر و تیر سے اس ہاتھی کو ہلاک کیا۔

اس جنگ میں رام نرائن اور انگریزوں نے شکست فاش کھائی۔ انگریزی افسروں میں صرف ڈاکٹر فلرٹن بعض زخمیوں کو ساتھ لے کر صحیح و سلامت واپس ہوا۔ بادشاہ نے غلام شاہ و رحیم خاں و مرلی دھر وغیرہ کو جو گرفتار ہو کر آئے تھے ازراہ نوازش خلعت دے کر رہا کر دیا۔

سیر المتاخرین کے قول کے مطابق یہ جنگ دھوا تالے کے قریب ہوئی۔ ہسٹری آف بنگال بہار اینڈ اڑیسہ انڈر برٹش رول (HISTORY OF BENGAL BIHAR ORISSAUNDER BRITISHRULE) (صفحہ ۱۳۸) کے مطابق موضع محسن پور میں ہوئی اور پٹنہ گزیٹیر (PATNA GAYETTEER) ۱۹۲۴ء میں جگہ مذکور نہیں۔ شاہ عالم نامے میں بھی خاص جگہ مذکور نہیں۔ لیکن گڈھی دلہری میں بادشاہ کا قیام کرنا لکھا ہے۔

(۹) قلعہ عظیم آباد پر شاہ عالم کا دوسرا حملہ اور شکست

۱۱۷۳ھ (۱۷۶۰ء)

دھواتالا کی شاندار فتح کے بعد بادشاہ نے بنگالے کا رخ کیا۔ اس اثنا میں میرن اور میجر کیلاڈ کے ادھر آنے کی خبر بھی معلوم ہوئی۔ شاہ عالم نے میرن کو ملا لینے کی غرض سے کاظم بیگ کو بھیج کر میرن کو بہت کچھ جاہ و منصب کی توقع دلائی۔ لیکن غالباً انگریزوں کی موجودگی کے سبب یہ کوشش رائگاں ہوئی۔ میرن نے شاہ عالم کے پیام کے جواب میں کاظم بیگ پیغام بر کو قتل کر ڈالا[۱]۔

شاہ عالم تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ ۹ فروری ۱۷۶۰ء کو میرن اور میجر کیلاڈ کی فوج سے مقابلہ ہو گیا۔ پہلے ہی حملے میں میرن جس نے کبھی کوئی معرکہ نہ دیکھا تھا زخمی ہو کر بھاگ چلا تھا لیکن انگریزی توپوں نے شاہی فوج کو پسپا کیا۔ شاہ عالم پلٹ کر پھر بہار آیا اور تین دن یہاں قیام کر کے جنگل کی راہ سے مرشد آباد کی طرف روانہ ہوا۔ میرن کو بھی اس کی بھنک پہنچی۔ اس نے فوراً میر جعفر کو آگاہ کیا اور خود بھی دھیرج نرائن برادر راجا رام نرائن کو ساتھ لے کر مرشد آباد روانہ ہوا۔ اس اثنا میں مرہٹے بھی بنگالے کے قریب بادشاہ سے مل گئے تھے۔ لیکن مخالفوں کے بندوبست اور کثرت افواج کا حال معلوم کر کے یا کسی اور سبب سے شاہ عالم نے مرشد آباد پر چڑھائی نہ کی اور پھر بہار کی طرف معاودت کی[۲]۔

اس عرصے میں جین لا عظیم آباد میں وارد ہوا۔ انگریز اور میرن شاہ عالم کے

---

[۱] شاہ عالم نامہ صفحہ ۱۳۵۔

[۲] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۲۶۱۔ شاہ عالم نامہ صفحہ ۱۴۲۔

تعاقب میں بنگالے جا چکے تھے۔ اس لیے راجا رام نرائن نے متفکر ہو کر جعفر نامی ایک شخص کو جس کے مکان میں لا مذکور کرائے دار رہ چکا تھا اس کا مافی الضمیر دریافت کرنے کی غرض سے اس کے پاس بھیجا۔ لا موصوف نے تمام استفسار کے جواب میں یہ شعر پڑھا۔

از ما حذر کنید کہ ما دل شکستہ ایم　　خاکستر ایم و بر سر آتش نشستہ ایم

اور اپنا یہاں رہنا بے سود سمجھ کر بہار کی طرف چلا گیا۔ اسی وقت بادشاہ بھی بہار واپس آیا تھا، اس نے لا فرانیسی کو قلعہ عظیم آباد کا محاصرہ کرنے کا حکم دیا۔ راجا رام نرائن اور شتاب رائے نے حتی المقدور سپاہ فراہم کر کے مدافعت کی۔ لیکن جیمن لا اور زین العابدین خان نے پے در پے حملہ کر کے دیوار میں رخنہ کر دیا۔ بلکہ کامگار خاں کی فوج کے کچھ لوگ قلعے میں داخل بھی ہوئے اور طرفین کو یقین ہوا کہ اب یہ قلعہ مفتوح ہوا چاہتا ہے۔

اتفاقاً علی الصباح گنگا کے پار کچھ سپاہی نظر آئے۔ پہلے سے معلوم تھا کہ خادم حسین خاں فوجدار پورنیہ بادشاہ کی مدد کو آنے والا ہے۔ گنگا کے پار سپاہیوں کی جھلک دیکھ کر اہل قلعہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ لیکن بغور دیکھنے پر بعض لوگوں سے (جن میں غلام حسین خاں مؤلف سیر المتاخرین بھی تھے) معلوم کیا کہ انگریزی فوج ہے۔ انھوں نے اسی وقت ڈاکٹر فلرٹن کو اطلاع دی۔ اور ڈاکٹر موصوف نے کشتیوں کا بندوبست کر کے فوج کو عبور کرا دیا۔ اب معلوم ہوا کہ کپتان رینڈ فرلی ناکس (جس کی قبر باقی پور احاطۂ عدالت میں پورب جانب ہے) دو سو منتخب گورے اور ایک دیسی پلٹن اور دو توپیں ساتھ لے کر تیرہ دن میں بردوان سے یہاں آیا ہے۔ اس کے آنے سے اہل قلعہ اور انگریزوں کی جان میں جان آگئی۔

۲۹ اپریل ۱۷۶۰ء کو کپتان ناکس نے اچانک بادشاہ کی فوج پر حملہ کیا۔ بادشاہ محاصرہ چھوڑ کر کچھ دور ہٹ گیا اور تیسرے دن کامگار خاں کے ساتھ مان پور (ضلع گیا) کی طرف چلا گیا۔ مرہٹوں کی فوج بھی جو ہلسہ کے قریب تھی اپنی جگہ سے ہٹ گئی[1]۔

---

(۱۰) بیرپور کی جنگ اور خادم حسین خاں کی شکست
سنہ ۱۱۷۳ھ (سنہ ۱۷۶۰ء)

شاہ عالم کے جانے کے بعد ہی خادم حسین خاں فوجدار پورنیہ آٹھ دس ہزار آدمیوں کے ساتھ عظیم آباد کے سامنے گنگا کے پار آپہنچا۔ بادشاہ کے جانے کے بعد عظیم آباد میں انگریزوں کو کوئی خرخشہ نہ تھا۔ خادم حسین خاں کے آنے پر کپتان ناکس نے راجا رام نرائن سے کچھ فوج گنگا پار بھیجنے کو کہا اور شتاب رائے سے یہ مشورہ ہوا کہ انگریزی فوج تھوڑی ہے اس لیے بہتر ہے کہ بجائے جنگ کرنے کے شب خون مار کر خادم حسین خاں کو منہزم کر دیا جائے۔ رام نرائن کے جماعہ دار اپنی مختصر جماعت کو خادم حسین خاں کے لشکر کے مقابلے میں محض حقیر تصور کرتے تھے۔ انھوں نے شتاب رائے کو بھی کپتان ناکس کا ساتھ دینے سے منع کیا۔ لیکن شتاب رائے نے دو تین سو سوار فراہم کر کے کپتان کی معیت اختیار کی اور یہ دونوں ڈیڑھ دو ہزار فوج کے ساتھ آدھی رات گئے گنگا پار جا کر شب خون

---

[1] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۳۶۳۔ ریاض السلاطین صفحہ ۳۷۹ DISTRICT GAZETTEER PATNA سنہ ۱۹۲۴ء صفحہ ۳۰۔ مرہٹوں کا مقام ہلسہ میں رہنا ریاض السلاطین میں مذکور ہے۔

کے قصد سے خادم حسین خاں کی خیمہ گاہ کی طرف روانہ ہوئے لیکن اتفاق سے ہرکارہ راستہ بھول گیا۔ اس لیے شب خون کے ارادے سے باز آکر کپتان کو ایک جگہ ٹھیر جانا پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد خادم حسین خاں کا لشکر نمودار ہوا۔ ابھی صبح بھی نہ ہوئی تھی کہ اس لشکر کی یورش سے کپتان کی ین گاہ میں بھور ہوگئی۔ قریب تھا کہ انگریزی فوج میں سخت انتشار پیدا ہو لیکن کپتان ناکس اور شتاب رائے نے نہایت استقلال سے قدم جما کر توپوں سے گولہ باری شروع کرائی۔ خادم حسین خاں نے اپنے بخشی میر افضل کو یک بارگی پوری فوج سے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ جوں ہی سوار آگے بڑھے انگریزی فوج نے گولیوں کی بوچھاڑ سے ان کو مجروح اور نکما کر دیا۔ بالآخر خادم حسین خاں کی ناتجربے کار اور تھکی ماندی فوج اپنے پرانے حربوں سے انگریزی توپوں اور بندوقوں کا مقابلہ نہ کرسکی اور سوئے تدبیر کے سبب منہزم ہو کر بتیا کی طرف بھاگ گئی۔ اس کے چار سو آدمی مقتول ہوئے۔ اور تین ہاتھی اور چار ضرب توپیں بھی انگریزوں کے ہاتھ آئیں۔ شام کے قریب جب کپتان اور شتاب رائے واپس آئے تو پہلے کسی نے ان کی فتح کا یقین نہ کیا لیکن بعد کو واقعہ خود ہی ظاہر ہو گیا[1]۔ حقیقتاً اسی جنگ سے بادشاہ کا زوال اور انگریزوں کا عروج شروع ہوتا ہے۔

---

(۱۱) خادم حسین خاں کا تعاقب اور میرن کی موت

(سنہ ۱۱۷۳ھ سنہ ۱۷۶۰ء)

جس وقت خادم حسین خاں پورنیہ سے روانہ ہوا تھا میرن اور کرنل کیلاڈ

---

[1] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۳۶۶۔

بھی عظیم آباد کی طرف آرہا تھا۔ ان کے یہاں آنے سے پہلے ہی خادم حسین خاں شکست کھاکر اطراف ترہت میں روپوش تھا، اس لیے یہ دونوں خادم حسین خاں کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ اُونالی صاحب لکھتے ہیں کہ میرن کی فوج معرکے کے وقت ہمیشہ لڑنے والوں سے ایک میل پیچھے رہا کرتی تھی [۱]۔

بہرکیف انگریز اور میرن کے لشکر سے خائف ہوکر خادم حسین خاں نے فرار کی راہ تلاش کی لیکن بنی اسرائیل کے گروہ کی طرح سامنے گنڈک ندی اور عقب میں دشمن کی فوج تھی [۲]۔ بے سروسامانی میں ندی کو عبور کرنا محال تھا۔ اس لیے عالم حیص بیص میں خادم حسین خاں زندگی سے ہاتھ دھوکر سر بہ صحرا روانہ ہوا۔ پیچھے پیچھے میرن بھی تعاقب میں بڑھتا آتا تھا۔ اتفاق سے دو گھڑی رات گزرنے پر سخت بارش اور طوفان شروع ہوا۔ میرن نے بڑے خیمے کو چھوڑ کر ایک چھوٹی راؤٹی میں شب بسر کرنے کا تہیہ کیا۔ تھوڑی رات گزرنے پر بجلی گری اور میرن مع چند رفقاء کے ہلاک ہوا۔ سیرالمتاخرین میں مذکور ہے کہ میرن کے سر میں گُدی کی طرف پانچ چھ باریک سوراخ ہوگئے تھے اور تمام جسم نیلا ہوگیا تھا۔ قریب میں تلوار تھی اس میں بھی تین سوراخ تھے۔

میرن نے مرشد آباد سے چلتے وقت کسی معتمد کو خفیہ حکم دیا تھا کہ گھسیٹی بیگم اور آمنہ بیگم (سراج الدولہ کی خالہ اور ماں) کو جہاں گیر نگر سے مرشد آباد لے جانے کے حیلے سے کشتی پر بٹھاکر بیچ ندی میں غرق کر دینا۔ جب یہ عورتیں

---

[۱] BRITISH RULE HISTORY OF BENGAL

BIHAR ORISSAUNDER صفحہ ۱۳۰

[۲] ریاض السلاطین صفحہ ۳۷۸

کشتی پر سوار ہوئیں اور ان کو ڈبوئے جانے کا یقین ہوا تو گناہوں سے توبہ کر کے انھوں نے دُعا کی کہ خدا میرن سے بدلا لے (یا اس پر کڑکتی بجلی گرے) اتفاقاً اسی شب یا اس کے بعد ہی میرن پر بجلی گری۔

تبرس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دُعا کردن   اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید

میرن نے ایک فہرست میں ڈیڑھ دو سو آدمیوں کے نام لکھ رکھے تھے کہ خادم حسین خاں کے تعاقب کے بعد ان کو بھی ہلاک کرے۔ لیکن کاتب قدرت نے پہلے خود اسی کی زندگی کا دفتر تمام کر دیا[1]۔ کیلاڈ نے میرن کی موت کو مخفی رکھنے کے خیال سے اس کی آنتیں نکلوا کر دفن کرا دیں اور مجسمے کو ہاتھی پر رکھوا کر اس کی بیماری کا بہانہ کر کے بنگالے بھجوا دیا[2]۔

(۱۲) میر جعفر کی معزولی اور میر قاسم علی کی امارت

۱۱۷۴ھ تا ۱۱۷۷ھ (۱۷۶۱ - ۱۷۶۴ء)

میر جعفر کا امور نظامت سے غافل رہنا او پر مذکور ہو چکا ہے۔ میرن کے جوان مرنے سے تمام کاروبار اور بھی ابتر ہو گیا۔ اس وقت کلایو بھی ولایت چلا گیا تھا اور ہنری ونسٹرٹ (HENRY VANSETTART) انگریزی کمپنی کا افسرِ اعلیٰ تھا۔ میر جعفر نے اپنے داماد میر قاسم علی پسر میر مرتضیٰ حسین بن امتیاز خاں (خالص تخلص) کو جو مہابت جنگ کے وقت میں شہامت جنگ کی سرکار میں چند سواروں کا

---

[1] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۳۶۸ کے مطابق یہ واقعہ ۱۹ ذیقعد ۱۱۷۳ھ شب پنجشنبہ کا ہے۔ (۲ جولائی ۱۷۶۰ء) اس وقت میرن کی عمر اکیس سال تھی۔ ماثر الامرا میں اس واقعے کی تاریخ "بناگہ برق افتادہ بہ میرن" لکھی ہے۔ ۱۲

۱۱۷۴

[2] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۳۶۹۔

افسر تھا اور اسی زمانے سے ہر جگہ آمد و رفت اور رسوخ رکھتا تھا اور میر جعفر کے زمانے میں ضلع رنگ پور کا فوج دار مقرر ہوا تھا۔ بہ ضرورت چند بار صاحب موصوف کے پاس کلکتے بھیجا۔

میر قاسم نے میر جعفر کا کچا چٹھا صاحب موصوف سے بیان کر دیا۔ انگریزوں کو اس وقت تک میر جعفر سے نصف رقم موعود بھی وصول نہ ہوئی تھی اس لیے ان کو ایسے مشتاق امارت کی حاجت تھی جو باقی رقم فوراً ادا کر دے۔ میر قاسم گانٹھ کا پورا نکلا۔ انگریزوں نے میر جعفر سے جو قول و قرار کیے تھے ان کو بالائے طاق رکھ کر میر قاسم سے معاملات طے کر لیے، اور ۱۰ ربیع الثانی ۱۱۷۴ھ روز دوشنبہ کو میر جعفر کو معزول کر کے میر قاسم کو بہار و بنگالے و اڑیسہ کی مسند نظامت پر متمکن کیا۔ نئے نواب نے اپنے لیے نصیر الملک امتیاز الدولہ (میر قاسم علی) خان بہادر نصرت جنگ کا خطاب پسند کر کے بادشاہ سے اس کی درخواست کی اور اسی طرح اپنے قرابت مندوں اور مقربوں کو بھی خطابات سے سرفراز کیا۔ نظامت پر قابض ہوتے ہی میر قاسم نے میر جعفر اور میرن کے ملازموں۔ مصاحبوں حتیٰ کہ کنیزوں اور رنڈیوں سے بھی تمام زر و مال جو انھوں نے بطور انعام حاصل کیے تھے بہ تشدد واپس لیے اور اس لوٹ کھسوٹ سے ڈیڑھ برس کے اندر ہی کافی روپے فراہم کر کے سپاہ کی تنخواہ اور انگریزوں کی باقی ادا کر دی اور اپنے رفیق و وزیر نواب علی ابراہیم خاں کو نئی فوج کی بھرتی کے لیے مامور کیا اور گرگین (GREGORY) نامی ایک ارمنی کو سردار بنا کر یورپین اصول پر قواعد کی تعلیم شروع کرا دی۔[۵]

۵؎ سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۶۹۲ و HISTORY OF BENGAL BIHAR ORISSA UNDER BRITISH RULE صفحہ ۱۳۲ تا ۱۴۶ سے ماخوذ ہوا۔ حالات سلسلے وار لکھے جائیں گے۔

(۱۳) جنگِ سیوان (بہار) اور عظیم آباد میں شاہ عالم کی تخت نشینی ۱۱۷۴ھ (۱۷۶۱ء)

شاہ عالم کا مان پور (گیا) کی طرف جانا اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ اس وقت قلعہ عظیم آباد کے باہر اطراف گیا تک تمام علاقے بادشاہ کے قبضے میں تھے اور شاہی عملے قلعے کے دروازے تک آکر مال گزاری وصول کرتے تھے[۱]۔

۳۱ دسمبر ۱۷۶۰ء کو میجر کارنک انگریزی فوج متعینہ عظیم آباد کا افسر مقرر ہوکر آیا۔ اس نے بادشاہ کا مع فوج اس قدر قریب رہنا مخدوش جان کر جنگ کا تہیہ کیا اور ۱۵ جنوری ۱۷۶۱ء کو فوج آراستہ کرکے باغ جعفر خاں سے کوچ کیا۔ قصبہ بہار سے نو میل دکھن موضع سیوان[۲] کے قریب شاہ عالم کی فوج سے مقابلہ ہوا۔ بادشاہ کی خستہ حال فوج نے ہر چند بہادری دکھائی لیکن بالآخر منہزم ہوکر پس پا ہوئی اور جین لا فرانسیسی بھی انگریزوں کی قید میں آگیا۔ شاہ عالم نے پھر گیا کی طرف معاودت کی۔ اس وقت تک کامگار خاں شاہی فوج کا کفیل تھا۔ لیکن اس شکست کے بعد اس نے بھی ترک رفاقت کی۔ اسی اثنا میں شجاع الدولہ نواب وزیر نے اودھ سے بادشاہ کو عرض داشت بھیجی کہ یہاں آپ کے نام کا سکہ جاری ہو گیا جلد تشریف لائیے کہ امورِ سلطنت درست کر لیے جائیں۔ انگریز پہلے سے صلح کے جویا تھے اور راجا شتاب رائے کے ذریعے سے پیام بھی دے چکے تھے لیکن شاہ عالم نے کامگار خاں کے کہنے سے ٹال دیا تھا اب

---

[۱] صفحہ ۱۲۰ HISTORY OF BENGAL BIHAR & ORISSA

[۲] PATNA GAZETTEER ۱۹۲۶ء صفحہ ۳۲۔

شاہ عالم نے خود تتاب رائے کو بُلوا کر صلح کی گفتگو چھیڑی۔ انگریز جانتے تھے کہ احمد شاہ ابدالی اور تمام امرائے ہندستان شاہ عالم کو تخت سلطنت کا وارث تسلیم کر چکے ہیں اور اگرچہ بعض معرکوں میں بادشاہ نے شکست کھائی ہے لیکن امن اور فائدے کی صورت صلح میں ہے۔ انھی اسباب کی بنا پر میجر کارنک خود جاکر شاہ عالم کے پاس حاضر ہوا اور نہایت عزت اور احترام کے ساتھ بادشاہ کو عظیم آباد لے آیا۔ شاہی لشکر میٹھے پور کے تالاب کے قریب فرود ہوا اور انگریزی فوج باقی پور کی چھاؤنی میں ٹھیری۔ ۱۲ مارچ ۱۷۶۱ء کو گُل زار باغ کی انگریزی کوٹھی میں تخت نشینی کا انتظام ہوا[۵۱]۔ کھانے کی میز پر مسند بچھائی گئی۔ انگریز صف باندھ کر مودب کھڑے ہوئے اور شاہ عالم نے شاہانہ وضع سے جلوس کیا۔ میر قاسم ناظم بنگالہ نے بھی حاضر ہو کر ایک ہزار اشرفیاں نذر دیں۔ بادشاہ نے ہر ایک کو علیٰ قدر مرتبہ خلعت دیا۔ راجا رام نرائن اور راج بلبھ بھی شرف یاب ہوئے۔

رسومات کے بعد دوسرے کمرے میں جاکر بہار و بنگالہ و اڑیسہ کے کاغذات پیش ہوئے۔ تینوں صوبوں کا شاہی خراج مبلغ چوبیس لاکھ روپے سالانہ مقرر ہوا اور میر قاسم نواب ناظم نے بلا عذر یہ رقم سکاری۔ اس وقت اسی قدر معاملات طے کر کے شاہ عالم نے چند دن قلعے میں قیام کیا اور آخر ذیقعدہ ۱۱۷۴ھ کو اودھ کی طرف روانہ ہوا[۵۲]۔

---

[۵۱] یہ کوٹھی افیون گودام کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں اُتر پچھم جانب گنگا کے قریب وہ کمرہ جس میں شاہ عالم تخت نشین ہوا تھا اب تک موجود ہے۔ افیون گودام کی عمارتوں میں فی الحال سرکاری چھاپے خانہ اور مردے آفس وغیرہ ہے۔

[۵۲] پورا بیان سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۳۸۵ تا ۳۹۱۔ اور

HISTORY OF

(بقیہ حاشیہ ص ۳۵۷ پر)

(۱۴۲) رام نرائن جنرل کوٹ اور میر قاسم کا معاملہ

شاہ عالم کے جلنے پر میر قاسم نے راجا رام نرائن سے صوبے کے محاصل کا محاسبہ چاہا۔ رام نرائن حیلے حوالے کرنے لگا۔ اتفاقاً اسی زمانے میں (مئی ۱۷۶۱ء) جنرل آئر کوٹ (EYRE COOTE) انگریزی فوج کا سردار مقرر ہو کر عظیم آباد آیا تھا۔ رام نرائن نے محاسبہ سے بچنے کے لیے جنرل مذکور سے ارتباط پیدا کیا اور خفیہ میر قاسم کی شکایتوں سے اس کے کان بھرنے شروع کیے۔ یہاں تک کہ ایک دن جنرل کو یقین دلایا کہ نواب انگریزی لشکر پر چھاپہ مارنے کا قصد رکھتا ہے۔ نادان جنرل نے اس کو باور کر کے اپنی فوج آراستہ کی اور اچانک نواب کی خرگاہ میں چلا آیا۔ نواب اس وقت خواب راحت میں تھا اور اس کی فوج بھی غافل پڑی تھی۔ جنرل پر رام نرائن کی فتنہ انگیزی کا حال کھلا تو نہایت پشیمان ہوا اور اپنے ایک ماتحت کو معذرت کے لیے چھوڑ کر واپس گیا۔ میر قاسم کو جنرل کی یہ حرکت بہت بری لگی۔ اس نے کلکتے کی کونسل میں اس کی شکایت لکھ بھیجی کونسل نے جنرل کو واپس بلا لیا۔ اور میر قاسم کو لکھا کہ رام نرائن کے معاملے میں تم خود مختار ہو۔ اب میر قاسم نے جمع خرچ کا حساب طلب کر کے دیکھا تو بعض خیانتوں کا پتا چلا۔ رام نرائن نے سررشتہ کا محاسبہ کم کرنے کی

(صفحہ ۳۵۰ کا بقیہ حاشیہ)

PATNA GAYETTEER صفحہ ۴۰ تا ۱۳۱ اور BENGAL BIHAR ORISSA ۱۹۳۶ء صفحہ ۳۳ سے ماخوذ ہے۔ سیر المتاخرین میں مفصل طور پر مذکور ہے۔

۵۰ سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۳۹۲۔

غرض سے بعض متصدیوں کو روپوش کرا دیا۔ لیکن میر قاسم نے رام نرائن کے گھر سے سات لاکھ روپے نقد اور تخمیناً اسی قیمت کی جنس برآمد کر کے لے لی باقی رقم لوگوں کے گھروں میں چھپا دی گئی تھی ان کا کچھ پتا نہ ملا۔ مرلی دھر ہرکارہ منتارام مہاجن اور بعض معاملے دار بھی جو رام نرائن کے شریک تھے گرفتار ہو کر محبوس ہوئے۔ راجا شتاب رائے بھی لپیٹ میں آ گیا تھا۔ لیکن یہ بذات خاص جواب دہ نہ تھا اس لیے اس نے اپنی داشت سے آب رو قائم رکھی۔ انگریزوں نے بھی اس کے حقوق خدمات کے لحاظ سے اس کو نجات دلوائی اور اس کا معاملہ انگریزی کونسل کے فیصلے پر موقوف رکھا گیا۔ شتاب رائے عرصے تک کلکتے میں اپنے مقدمے کی پیروی میں پریشان رہا۔ آخر کونسل نے اس کو بے قصور قرار دیا لیکن میر قاسم کی حکومت سے نکل جانے پر مجبور کیا۔ میر قاسم نے شاہی سند منگوا کر رہتاس کی قلعے داری عظیم آباد کی دیوانی اور صمصام الدولہ کی جاگیر جو شتاب رائے کے انتظام میں تھی اپنے دخل میں لے لی[1]

---

(۱۵) صوبے کے جنوبی علاقوں اور بھوج پور کا انتظام

عظیم آباد میں خاطر خواہ بندوبست کر کے میر قاسم نے نوبت رائے کو نائب مقرر کیا اور خود جنوبی علاقوں میں کام گار خاں (نرہٹ سمائی) بنیاد سنگھ و فتح سنگھ (ٹکاری) اور بشن سنگھ زمیندار پلونجی کو مطیع کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ کام گار خاں پہاڑی علاقوں میں جا چھپا اور بشن سنگھ بھاگ کر بنارس چل دیا۔ بنیاد سنگھ و

---

[1] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۳۹۴۔

فتح سنگھ گرفتار ہوکر عظیم آباد میں محبوس کیے گئے۔ اس کے بعد بھوج پور کے راجا نے بھی اطاعت قبول کی۔ میر قاسم نے مدت مدید بعد ان علاقوں سے مال گزاری وصول کی۔[۵۱]

---

(۱۶) میر قاسم کی طرزِ حکومت اور حُسنِ تدبیر

ایک انگریز مورخ کا بیان ہے کہ میر قاسم کی دادرسی اور انصاف بہترین حکام اسلام کے رویہ کے مطابق تھا۔[۵۲] سیر المتاخرین کا بیان ہے کہ اگرچہ میر قاسم سپاہ بنگالے کی بے وفائی اور عام طور پر مشاہیر ملک کی بے اعتباری کو دیکھ کر اخذ مال اور قتل و قید میں بے باک تھا لیکن ملکی معاملات اور انفصال قضایا اور قدردانی علما میں بے نظیر تھا۔ ہفتے میں دو روز خود بر سرِ عدالت مدّعی و مدّعا علیہ کا اظہار سنتا تھا اور کسی کی مجال نہ تھی کہ رشوت لے کر کچھ جھوٹ سچ لگا سکے۔ تحقیقات کے بعد خود مقدمے کو فیصل کرتا تھا۔ اور حکم کی تعمیل کے لیے فوراً آسزاول تعینات کیے جاتے تھے۔[۵۳]

میر جعفر نے نام کی نوابی کو معراج سمجھا تھا لیکن میر قاسم باقاعدہ حکومت کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ہر طرف پورا بندوبست کر کے قلعہ مونگیر میں سکونت

---

۵۱ سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۳۹۶ تا ۳۹۸۔

۵۲ HISTORY OF BENGAL BIHAR ORISSA UNDER BRITISH RULE صفحہ ۱۰۵

۵۳ سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۳۹۹۔

اختیار کی اور گرگین ارمنی کی نگرانی میں توپ بندوق اور اسلحہ جنگ بنانے کے کارخانے قائم کیے[۱] اور باضابطہ فوج بھرتی کر کے ماہ بماہ تنخواہ ادا کی۔ اس کے بعد بادشاہ کو نذر بھیج کر اعلیٰ منصب وخطاب کی استدعا کی۔ ابتدائے ۱۱۷۶ھ میں شاہ عالم نے حسب درخواست منصب ہشت ہزاری اور خطاب "نواب عالی جاہ" عنایت کیا۔[۲]

---

(۱۷) بتیا سے نیپال کی طرف فوج کشی ۱۱۷۶ھ (۱۷۶۳ء)

عالی جاہ نے بتیا کے علاقے پر تسلط پایا تھا اور گرگین نے سُنا تھا کہ نیپال میں بڑی دولت ہے۔ اس نے بعض پادریوں سے جو اس طرف سے ہو آئے تھے کچھ حالات دریافت کر کے عالی جاہ کو نیپال پر فوج کشی کے لیے اُبھارا۔ عالی جاہ نے گرگین کو تھوڑی فوج کے ساتھ کوچ کا حکم دیا اور بتیا کے انتظام کا بہانہ کر کے خود بھی اس طرف روانہ ہوا۔ خود عالی جاہ نے بتیا میں قیام کیا۔ اور گرگین نیپال کی طرف روانہ ہوا۔ مقام مکوانی پور کے قریب پہنچ کر گرگین کے سپاہیوں نے گھاٹی سے گزرنا چاہا۔ گرکھے (GURKHAS) مزاحم ہوئے۔ لیکن سپاہیوں نے کسی طرح پہاڑ کی ایک چوٹی پر قبضہ کر لیا۔ گرکھوں نے رات کو ہجوم کر کے بطور شب خون حملہ کیا۔ طرفین سے تیر وبندوق چلنے لگی بالآخر گرگین خان کا لشکر منہزم ہو کر افتاں وخیزاں واپس آیا۔ اس شکست سے گرگین

---

[۱] اسی زمانے سے اب تک مونگیر میں لوہے کی چیزیں بنتی ہیں۔ اور بندوق بھی تیار کی جاتی ہے۔ [۲] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۷۰۱۔

ایسا پشیمان ہوا کہ عالی جاہ کو مُنھ دکھانا نہ چاہتا تھا۔ عالی جاہ کو حال معلوم ہوا تو نواب علی ابراہیم خاں کو بھیج کر اس کو بلوا لیا اور فوراً عظیم آباد کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔[1]

(۱۸) عالی جاہ اور انگریزوں کی مخالفت ۱۱۷۶ھ (۱۷۶۳ء)

عالی جاہ نے بیدار مغزی اور ہوشیاری سے اپنے سب کام بنا لیے اور تینوں صوبوں میں حکومت و صولت قائم کر لی لیکن انگریزوں سے اس کی نہ بنی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ انگریزی کمپنی کے ملازم نواب کو اپنا بندۂ بے دام بنائے رکھنا چاہتے تھے اور عالی جاہ کو اپنی جاہ و منصب کا خیال تھا۔ کمپنی کے علاوہ کمپنی کے ملازم انگریز بھی اپنا خاص تجارتی مال بلا محصول اِدھر اُدھر لے جاتے تھے۔ بتیا جانے سے پہلے عالی جاہ نے مونگیر میں ہنری ونسٹرٹ کمپنی کے افسرِ اعلیٰ سے عند الملاقات اس بات کی شکایت کی اور افسر مذکور نے وعدہ کیا کہ اس بارے میں مناسب حکم جاری کیا جائے گا۔ چناں چہ خود اس کا قول تھا "کہ شاید ہی کوئی دن گزرتا ہوگا کہ کمپنی کے ملازم محض ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر حیلہ نکال کر نواب کی حکومت کی پائمالی اور اس کے عملوں کو گرفتار کر کے اس کی توہین نہ کرتے ہوں۔"[2] بہرحال سٹرونسٹرٹ کی خواہش تھی کہ کسی طرح یہ معاملہ آپس کی رضامندی سے طے پا جائے لیکن کلکتے کی کونسل نے ناحق کمپنی کے ملازموں

---

[1] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۳۰۵۔

[2] HISTORY OF BENGAL BIHAR ORISSA UNDER BRITISH RULE صفحہ ۱۴۷۔

کی طرف داری کی۔ اِدھر عالی جاہ نے اپنے گماشتوں کو حکم دیا تھا کہ کونسل کا حکم آنے تک کسی حیلے سے کمپنی کے مال کے سوا اور مال کو روک رکھنا۔ عالی جاہ کے گماشتوں نے روک ٹوک شروع کی تو ELLIS نامی نے جو ۱۷۶۲ء سے پٹنہ کی کوٹھی کا افسر اعلیٰ تھا اور عالی جاہ سے ذاتی عناد رکھتا تھا اور عالی جاہ کے آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔ بتیا سے واپس ہوتے ہوئے عالی جاہ کو اس کا حال معلوم ہوا تو سخت جھلّایا اور اپنے آدمیوں کو انگریزی گماشتوں کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ خود گل نار باغ کے قریب گنگا کو عبور کر کے عظیم آباد آیا اور مسٹر الس سے ملاقات نہ کر کے سیدھا باغِ جعفر خاں میں آکر مقیم ہوا۔ اور نوبت رائے کو برطرف کر کے میر مہدی علی خاں کو عظیم آباد میں نائب مقرر کیا۔ اور خود مونگیر روانہ ہوا۔[1]

ونسٹرٹ اور وارن ہیسٹنگس نے (جو بعد میں گورنر جنرل ہوا) کونسل سے عالی جاہ کے حسب خواہ فیصلہ کرانے کی کوشش ضرور کی لیکن کونسل کا فیصلہ عالی جاہ کے خلاف ہوا اور کمپنی نے اپنے گماشتوں کی رہائی اور انگریز ملازموں کو محصول سے معاف رکھنے کے لیے بلیغ اصرار کیا۔ عالی جاہ نے آزردہ ہو کر سرے سے محصول ہی کو اٹھا دیا اور چوں کہ دیسی تاجر بھی محصول اٹھ جانے سے برابر منتفع ہوتے تھے۔ اس لیے انگریزوں کو یہ امر بھی نہایت شاق ہوا۔[2]

---

[1] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۴۰۵ و ۴۰۶۔

[2] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۴۰۸

HISTORY OF BENGAL BIHAR ORISSA UNDER BRITISH RULE صفحہ ۱۸۱

(۱۹) قلعہ عظیم آباد پر انگریزوں کا قبضہ کرنا اور اسی دن بے دخل ہونا ۱۱۷۶ھ (۱۷۶۳ء)

مسٹر الس نے چھیڑ نکال کر عالی جاہ کو لکھا کہ میرے سپاہی دیوان محلّے کی کھڑکی سے شہر میں جاکر چھپ جاتے ہیں اس لیے اس دروازے کو بند کرنا چاہیے۔ ہر چند عالی جاہ کی طرف سے اس کو کھلا رکھنے کے لیے معقول وجوہ پیش کی گئیں۔ لیکن الس اپنی بات پر اَڑ گیا۔ بالآخر عالی جاہ نے کھڑکی بند کرادی اور اس جگہ ایک چبوترہ بنواکر توپ چڑھادی۔[1] الس کو یہ نیا شگوفہ ہاتھ لگا۔ اس نے کونسل کو لکھ بھیجا کہ نواب جنگ کے لیے آمادہ ہے اس لیے مجھ کو بھی جنگ کی اجازت دی جائے۔ کونسل نے اس کی درخواست کے مطابق جنگ کی اجازت دے دی۔

انھی دنوں میں کونسل کی طرف سے گفتگو کے لیے دو انگریز مسٹر امیٹ اور ہے نامی عالی جاہ کے پاس مونگیر آئے تھے۔

ابھی کوئی گفتگو طے نہ پائی تھی کہ انگریزوں کی ایک کشتی جس میں اور سامان کے علاوہ پانچ سو بندوقیں کلکتے سے عظیم آباد بھیجی گئی تھیں مونگیر کے قریب پہنچی۔ بندوقیں بھیجنے سے انگریزوں کے ارادے کا حال کھُل گیا۔ عالی جاہ نے مسٹر امیٹ کو رخصت دے دی لیکن مسٹر ہے کو یہ کہہ کر روک لیا کہ جب تک انگریز میرے گماشتوں کو رہا نہ کریں گے تم نہیں جا سکتے۔ امیٹ نے چلتے وقت اِس کو

---

[1] شہر کا صدر راستہ پچھم دروازے سے تھا۔ دیوان محلّے کے موڑ پر جہاں سے سڑک دکھن کو مُڑ گئی ہے۔ ایک معمولی سا کٹہرے دار دروازہ لگا ہوا تھا۔ ۱۲

لکھ بھیجا کہ معاملہ دگرگوں ہو تم سے جو کچھ بن پڑے کرنا۔ اِس تو ایسے موقعے کی تاک ہی میں تھا اس نے ڈاکٹر فلرٹن کو جو حصار شہر کے اندر بخشی گھاٹ میں رہتا تھا فوراً اپنے پاس بُلالیا اور دوسرے ہی دن (۱۲ ذی الحجہ ۱۱۷۶ھ مطابق ۱۵ جون ۱۷۶۳ء) علی الصباح انگریزی فوج کی پانچ کمپنیاں اور تین دیسی پلٹنیں ساتھ لے کر اچانک محلہ نوذرکٹرہ (دیوان محلے کی کھڑکی کے قریب تھا) اور پچھم دروازے سے دھاوا کر کے قلعہ عظیم آباد پر قبضہ کر لیا۔[۱] میر مہدی نائب صوبے دار اور فوج متعینہ حصار قلعے نے توپ اور بندوقوں کی آواز سے بیدار ہو کر مقابلہ کیا لیکن جلدی میں کچھ بنائے نہ بنی اس لیے تھوڑی سی لڑائی کے بعد قلعہ چھوڑ کر مونگیر کی راہ لی۔ اس کی فوج نے میدان خالی پاکر شہر میں لوٹ مچادی اور دوپہر ہوتے ہوتے کتنے گھروں کو تباہ کر دیا۔ اس نے قلعے کے حصار پر توپیں لگا دیں۔ لیکن امین خان نامی میر مہدی کے جانے پر بھی عمارت چہل ستون میں بند ہو کر مدافعت پر آمادہ رہا۔ میر مہدی قلعے سے نکل کر فتوحہ تک پہنچا تھا کہ اس کو عالی جاہ کی فرستادہ فوج مل گئی۔ اس فوج کو ساتھ لے کر پھر عظیم آباد واپس آیا تو دیکھا کہ انگریزوں کی فوج کچھ تو لوٹ کھسوٹ میں لگی ہوئی اور کچھ شراب پی پی کر بداطواریاں کر رہی ہو۔ عالی جاہ کی فوج نے یکایک حملہ کر دیا اور سہ پہر ہوتے ہوتے تمام انگریزی فوج قلعے سے بھاگ کر اپنی کوٹھی میں چلی گئی۔ نواب کی فوج نے کوٹھی پر توپ چلانی شروع کی تو انگریزوں نے گُل زار باغ سے نکل کر باقی پور میں پناہ لی۔ لیکن یہاں بھی پیچھا نہ چھوٹا۔ آخر بھاگ کر چھپرہ کی طرف چلے گئے۔ سمرو[۲] نامی یورپین افسر نے

---

[۱] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۱۵۱۔

[۲] سمرو جرمن یا فرانسیسی نژاد تھا۔ اصل نام والٹر رینا ڈیا رینہارڈٹ تھا۔ ہندستان (بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶۵ پر)

جو اس وقت عالی جاہ کی طرف سے بکسر میں مقیم تھا ادھر جاکر مقام مانجھی کے قریب ان انگریزوں کو گرفتار کرلیا۔

(۲۰) میر جعفر کی دوبارہ مسند نشینی اور عالی جاہ اور انگریزوں کی جنگ ۱۱۷۷ھ (۱۷۶۳ء)

عالی جاہ اور انگریزوں کی مخالفت اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ طرفین کے لیے سوائے جنگ کے کوئی چارہ کار نہ تھا۔ عالی جاہ نے احکام جاری کیے کہ انگریز جہاں پائے جائیں قتل کیے جائیں۔ ایمیٹ مونگیر سے مرشدآباد آکر گرفتار ہوا، اور اس کا سر کاٹ کر عالی جاہ کے پاس بھیجا گیا۔ انگریزوں نے معزول شدہ نواب میرِ جعفر کو دوبارہ مسند نشین کیا اور عالی جاہ سے انتقام لینے کو ایک زبردست فوج تیار کی اور جنگ کر کے مرشدآباد پر قبضہ کرلیا۔ جب انگریزی فوج صوبہ بہار کی طرف بڑھی تو عالی جاہ نے راج محل کے قریب ادھوا نالہ[۵۲] نامی مقام میں

(صفحہ ۳۵۰ کا بقیہ حاشیہ)

آکر کبھی انگریزوں کے ساتھ اور کبھی ان کے خلاف فرانسیسیوں کی طرف سے لڑتا رہا۔ (انھیں) لوگوں نے سُمبرو SOMBRE کہنا شروع کیا جس کو ہندستانیوں نے سمرو کرلیا۔ اس وقت میرِ قاسم کی فوج کے ایک دستے کا افسر تھا۔ میرِ قاسم کی شکست کے بعد بادشاہِ دہلی کا ملازم ہوا۔ اور جاگیر حاصل کر کے نوابوں کی طرح زندگی بسر کی۔

۵۲۔ ادھوا نالہ راج محل کے جنوبی پہاڑوں سے جاری ہو کر گنگا میں ملا ہے۔ اس کے کنارے پر خاردار گھنے درختوں کا جنگل تھا۔ اور بجز ایک پُل کے دوسری راہ ادھر سے گزرنے کی نہ تھی۔ سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۷۲۳۔

جو سب سے زیادہ مستحکم اور محفوظ مقام تھا اپنی فوج متعین کر دی۔ یہاں عالی جاہ کی فوج کے ارمنی یا یوروپین ملازموں نے دغا کر کے شکست دلوا دی[۵۱]۔
اب انگریز کلکتے سے کٹوا تک قابض ہو گئے۔ عالی جاہ نے گھبرا کر مونگیر سے عظیم آباد کی راہ لی۔ اس کے چلے آنے پر قلعے دار مونگیر نے انگریزوں سے کچھ رُپے لے کر یہ قلعہ بھی ان کے حوالے کر دیا[۵۲]۔

من از بیگان گاں ہرگز نہ نالم — کہ بامن آں چہ کرد آں آشنا کرد

---

(۲۱) راجا رام نرائن اور جگت سیٹھ وغیرہ کا قتل ۱۱۷۷ھ
(۱۷۶۳ء)

عالی جاہ نے راجا رام نرائن، فتح سنگھ و بنیاد سنگھ وغیرہ کو پہلے سے قید کر رکھا تھا۔ انگریزوں سے مخالفت ہونے پر جگت سیٹھ، سروپ چند اور راج بلبھ وغیرہ جو خفیہ انگریزوں کی سازش میں تھے۔ اور ان میں سے بعضوں نے انگریزوں کے نام خطوط بھی لکھے تھے عالی جاہ کے حکم سے قید کر لیے گئے تھے۔ عالی جاہ نے مونگیر سے باڑھ کے قریب پہنچ کر راجا رام نرائن کے گلے میں ریت کا گھڑا بندھوا کر گنگا میں غرق کرا دیا۔ اور جگت سیٹھ، سروپ چند راجا راج بلبھ، فتح سنگھ و بنیاد سنگھ وغیرہ کو بھی قتل کرا دیا[۵۳]۔

---

۵۱ ریاض السلاطین صفحہ ۳۸۴

۵۲ سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۳۱ –

۵۳ سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۲۴۳ – و ریاض السلاطین صفحہ ۲۸۵

(۲۲) انگریز اسیروں کا قتل ۱۱۷۷ھ (۱۷۶۳ء)۔

جگت سیٹھ وغیرہ کے قتل ہونے تک عالی جاہ نے کسی مصلحت سے پٹنہ میں انگریز اسیروں کو رہنے دیا تھا۔ عظیم آباد پہنچ کر اس کو انگریزی فوج کے اِدھر آنے کا اندیشہ پیدا ہوا۔ اس وقت اس نے انگریز اسیروں کے قتل کا حکم دیا۔ ۵؍ اکتوبر ۱۷۶۳ء کو سمرو نے حاجی احمد کی حویلی[۱] میں ان قیدیوں کو نہایت بے رحمی سے بندوق کی گولیوں کا نشانہ بنایا۔ اور اسی طرح بعض انگریز جن میں مجروح اور مریض بھی تھے چہل ستون میں قتل کیے گئے۔ صرف ڈاکٹر فلرٹن (FULLERTON) سابق میں عالی جاہ کا معالج رہنے کی رعایت سے چھوڑ دیا گیا[۲]۔ دیسی سپاہیوں نے بے چارے قیدیوں کو قتل کرنا عار سمجھ کر اس کام سے انکار کیا۔ تب سمرو نے یہ کام خود اپنے ذمے لیا[۳]۔ مقتولوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ ادمالی صاحب نے اپنی تاریخ میں ان کی تعداد ۱۹۸ اشخاص تک بتائی ہے۔ لیکن ہسٹاریکل ریکارڈس کمیشن کے جلسے (دسمبر ۱۹۳۰ء) میں سر ایوان کاٹن۔ ایم۔ اے نے ایک مضمون پڑھا جس میں بیان کیا تھا کہ اکثر اشخاص کے نام غلطی سے شامل ہو گئے ہیں اور صرف باون اشخاص کا مارا جانا سرکاری

---

[۱] حاجی احمد برادر ہیبت جنگ کی حویلی محلہ گودڑھ میں اس جگہ تھی جہاں اب انگریزوں کا گورستان ہے۔ اس کی کچھ زمین پچھم جانب ہسپتال میں بھی شامل ہو گئی ہے۔ [۲] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۷۲۹۔ اور HISTORY OF BENGAL BIHAR ORISSA صفحہ ۱۵۳۔

[۳] HISTORY OF BENGAL BIHAR ORISSA UNDER BRITISH RULE صفحہ ۱۰

اور غیر سرکاری کاغذات سے ثابت ہوتا ہے۔

---

(۲۳) عالی جاہ کا صوبۂ بہار سے نکلنا ۱۱۷۷ھ (۱۷۶۳ء)

عالی جاہ کو انگریزی فوج بہ ماتحتی میجر اڈمس و میجر ناکس عظیم آباد کی طرف آنے کی خبر ملی تو اول ڈاکٹر فلرٹن کو بلوا کر صلح کی خواہش ظاہر کی لیکن ڈاکٹر مذکور نے صاف کہہ دیا کہ معاملہ اس حد کو پہنچ چکا ہے کہ صلح کی امید نہیں کی جا سکتی۔ اس کے بعد فلرٹن نے چند دن ولندیز کوٹھی[1] میں قیام کیا۔ اور خفیہ کشتی کا انتظام کر کے گنگا پار جا کر انگریزوں سے جا ملا۔

جب انگریز مونگیر سے عظیم آباد کی طرف روانہ ہوئے عالی جاہ نے باغِ جعفر خاں سے اُٹھ کر قصبہ پھلواری میں قیام کیا۔ انگریزی فوج کچھ اور قریب آئی تو عالی جاہ ہٹ کر بکرم چلا گیا۔ آخر ۲۸ اکتوبر ۱۷۶۳ء کو انگریزی فوج نے عظیم آباد پہنچ کر معروف گنج میں میر خلیل کی حویلی کے پاس گولہ باری شروع کی۔ قلعے کے اندر سے کچھ یوں سی مدافعت ہوتی رہی۔ بالآخر ۵ نومبر ۱۷۶۳ء کو قلعے کی دیوار میں رخنہ کر کے انگریزی فوج شہر میں داخل ہو گئی۔ میر ابو علی عالی جاہ کا چچا زاد بھائی چند ہزار سپاہ کے ساتھ قلعے کی محافظت کے لیے متعین تھا۔ انگریزوں کے پہنچتے ہی قلعہ چھوڑ کر اس بدحواسی سے بھاگا کہ اس کے اکثر سوار جلے میں غرق ہو کر ہلاک ہو گئے۔ عالی جاہ اس شکست سے مضطرب ہو کر بکرم سے مجیب علی پور اور مجیب علی پور سے تلوٹھو (رہتاس کے قریب)

---

[1] ولندیز سے ہالنڈز اور ڈچ مراد ہیں۔ ان کی کوٹھی محلہ تن گھاٹ سے متصل پچھم نہایت خوش نما بنی ہوئی تھی جو ولندیز کے پنٹے کے نام سے مشہور ہے۔ اب دریا اس کے بعض کھنڈر اب تک موجود ہیں۔

چلا گیا۔ لیکن یہاں بھی قدم نہ جما۔ آخر انگریزوں کے تعاقب سے خائف ہو کر کرم ناسہ ندی کے پار شجاع الدولہ نواب وزیر اودھ کی حدودِ سلطنت میں چلا گیا۔[1]

---

(۲۴) عالی جاہ۔ نواب وزیر اور بادشاہ کا متحد ہونا ۱۱۷۷ھ (۱۷۶۳ء)

انگریزوں سے ان بن ہونے پر مونگیر ہی سے عالی جاہ نے شجاع الدولہ نواب وزیر سے آس لگا کر خط کتابت شروع کی تھی لیکن شجاع الدولہ نے اس امر کو زیر تجویز رکھا تھا۔ اب خود بنارس پہنچ کر عالی جاہ نے اپنے خان سامان میر سلیمان کو یاد دہانی کے لیے روانہ کیا۔ اس وقت بادشاہ اور نواب وزیر دونوں الہ آباد کی طرف تھے۔ نامہ و پیام کے بعد عالی جاہ نے خود بھی ان سے ملاقات کی اور بعض قیمتی تحایف دے کر دونوں کو اپنا مددگار بنایا اور شجاع الدولہ کی ماں کو بھی بعض قیمتی زیورات جو لاکھ روپے سے کم کے نہ تھے۔ تحفتاً دے کر ماں بیٹے کا رشتہ قائم کیا۔ شجاع الدولہ نے انگریزوں سے بنگالہ و بہار کی حکومت منتزع کر کے عالی جاہ کو دینے کا وعدہ کیا لیکن اس وقت بندیل کھنڈ کی مہم درپیش تھی اس لیے پہلے اس کو سر کرنے کا عذر پیش کیا۔ اس مہم کے حسب خواہ سر ہونے پر شجاع الدولہ اور بادشاہ فوج لے کر عالی جاہ کے ساتھ بنارس آئے۔

---

[1] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۴۲۳ PATNA DISTRICT GAVETTEER ۱۹۲۶ء صفحہ ۳۴-۳۳ اور HISTORY OF BENGAL BIHAR ORISSA صفحہ ۱۵۵ میں بھی کسی قدر اختصار کے ساتھ مذکور ہے۔

اور یہ بات طے پائی کہ جنگ کے مصارف کے لیے گیارہ لاکھ رپے ماہوار عالی جاہ کو دینا ہوگا۔ قول وقرار کے بعد بادشاہ نواب وزیر اور عالی جاہ کا متحدہ لشکر بنارس سے صوبہ بہار کی طرف روانہ ہوا[1]

---

(۲۵) آخری جنگ عظیم آباد ۱۱۷۷ھ (۱۷۶۴ء)

میر جعفر اور انگریزوں کی فوج جو عالی جاہ کے تعاقب میں کرم ناسہ ندی تک گئی تھی، اس کے بنارس چلے جانے پر بکسر میں مقیم تھی۔ بادشاہ اور نواب وزیر کے آنے کی خبر پاکر میجر کارنک سخت ہراساں ہوا اور اپنی فوج لے کر بکسر سے عظیم آباد چلا آیا۔ بادشاہ اور نواب وزیر کی فوج جس کی تعداد چالیس ہزار سے کم نہ تھی اور اس میں پانچ ہزار کے قریب نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کی پس ماندہ فوج کے مغلیے بھی شامل تھے لوٹ کھسوٹ کرتی ہوئی قصبہ پھلواری تک چلی آئی یہاں متعدد کنوئیں ہونے پر بھی اتنی بڑی فوج کے لیے جو کئی میل تک پھیلی ہوئی تھی پانی کافی نہ ہوا۔ اس لیے نئے کنوئیں بنوانے کی حاجت ہوئی۔

اس لشکر کے حدود عظیم آباد میں داخل ہونے کے قبل تک لوگ انگریزوں سے بیزار ہوکر بادشاہ اور نواب وزیر کی خیر مناتے تھے لیکن اب ان کے لشکر کی دست برد سے تنگ آکر انگریزوں ہی کے حق میں دُعائے خیر کرنے لگے[2]

نوائے جو قہر خدا یاد دلایا مومن
شکوہ جور بتاں دل سے فراموش ہوا

---

[1] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۲۳۶ - [2] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۲۳۹ و ۲۴۰

اا رمضان ۱۱۷۷ھ (۱۳ مئی ۱۷۶۴ء) کو شجاع الدولہ نے میٹھے پور کے تالاب کے پاس فوج آراستہ کی۔ دوسری طرف میجر کارنک اور میر جعفر کی فوج کا ایک دستہ افضل خاں کے باغ کے قریب متعین تھا۔ اور باقی فوج حصار شہر کے قریب تھی۔ شجاع الدولہ نے موقع پاکر باقی پور سے باغ جعفر خاں تک پرے جما دیے۔ اور اس شدت سے حملہ کیا کہ تیسری یورش میں قریب تھا کہ انگریزوں کے قدم اکھڑ جاتے۔ مگر عالی جاہ نے باوجود اصرار کے ذرا بھی پیش قدمی نہ کی بلکہ سمرو کو بھی شجاع الدولہ کے پاس جانے نہ دیا[۱]۔ انگریزوں نے موقع پاکر اسی وقت قدم جما لیے اور شجاع الدولہ کو پس پا کیا۔ شاید اس جنگ میں شجاع الدولہ کو کوئی زخم بھی لگا تھا۔ اس کی اس نے چنداں پروا نہ کی لیکن عالی جاہ کی بزدلانہ حرکت اس کو سخت ناگوار ہوئی۔ جنگ کا کوئی قطعی فیصلہ نہ ہونے پایا تھا کہ شجاع الدولہ نے دسویں دن کوچ کر کے بکسر میں مقام کیا۔ اس وقت انگریزوں نے بھی تعاقب کا خیال نہ کیا۔ اس جنگ میں میر مہدی نے عالی جاہ کی رفاقت ترک کر کے انگریزوں کی معیت اختیار کی۔

---

(۲۶) بکسر کی جنگ ۱۱۷۷ھ (۱۷۶۴ء)

اگست ۱۷۶۴ء میں میجر ہکٹر منرو (جو بعد کو سر ہکٹر منرو ہوا) انگریزی فوج کا سردار ہو کر آیا۔ ۲۲ اکتوبر ۱۷۶۴ء کو اس نے بکسر میں شجاع الدولہ سے جنگ کر کے کرم ناسہ ندی تک پورے صوبہ بہار پر قبضہ کر لیا۔ اس معرکے میں انگریزی فوج

---

[۱] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۱۳۲۱۔

کے سات ہزار آدمیوں میں سے تقریباً ایک ہزار آدمی مجروح یا مقتول ہوئے[۱]
اس جنگ میں بادشاہ کو حقیقتاً عالی جاہ کے معاملے سے کوئی دلچسپی نہ تھی
اس لیے وہ انگریزوں سے صلح کرنے کو آمادہ تھا۔ مگر اس وقت شجاع الدولہ کی
مرضی کے بغیر صلح ممکن نہ تھی[۲]

---

(۲۷) عالی جاہ کی تباہی اور موت

بکسر کی شکست کے بعد شجاع الدولہ نے واپس جاکر عالی جاہ سے گیارہ لاکھ روپے ماہوار کے حساب سے مصارفِ جنگ کا مطالبہ کیا اور بادشاہ کی طرف سے بھی نظامت کے بقایا کا تقاضا شروع کیا اور سمرو کو بھی بہکا دیا کہ اپنی اور سپاہ کی تنخواہ طلب کرے۔ اس نمک حرام نے عالی جاہ کو گھیر لیا۔ روپے موجود نہ تھے۔ مجبوراً عالی جاہ نے محل سرا سے اشرفیاں وغیرہ منگوا کر اس سے جان چھڑائی اور کہا کہ فی الحال میں تم کو نوکر نہیں رکھ سکتا اس لیے اسلحہ وغیرہ سامان جو تم کو دیا گیا ہے حوالے کر دو۔ اس نے بے باکی سے جواب دیا کہ ہتھیار جس کے ہاتھ میں ہو اُسی کا ہے۔

نواب وزیر کا مطالبہ ادا نہ ہوا تھا اس لیے عالی جاہ کے وزیر علی ابراہیم خاں نے عالی جاہ کی تہی دستی کا عذر کر کے مہلت مانگی اور اجازت چاہی کہ عالی جاہ بنگالے جاکر روپے کا بندوبست کرے لیکن شجاع الدولہ نے ایک نہ مانی اور فوراً روپے ادا کر دینے کے لیے اصرار کیا۔ روپے موجود نہ تھے اس لیے عالی جاہ اور اس کے رفیقوں نے

---

[۱] DISTRICT GAZETTEER PATNA ۱۹۲۶ء صفحہ ۳۵۔ اور HISTORY OF BENGAL BIHAR ORISSA UNDER BRITISH RULE صفحہ ۱۵۷۔ [۲] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۲۴۲

گیروے کپڑے پہن کر درویشوں کی سی وضع بنائی۔ شجاع الدولہ کو معلوم ہوا تو اس نے خود آکر عالی جاہ کو کہہ سن کر اس کے کپڑے بدلوائے لیکن زر پر وصول ہونے کی کوئی صورت نہ ہوئی تھی اس لیے میر سلیمان وغیرہ عالی جاہ کے ملازموں کو ملا کر اس کا مال و اسباب اٹھوا لیا اور خود عالی جاہ کو بھی قید کر لیا۔ اور اس کے رفیقوں کے پاس جو کچھ تھا وہ بھی ضبط کر لیا۔[1]

جب شجاع الدولہ اور انگریزوں میں صلح کی گفتگو شروع ہوئی[2]۔ اس وقت انگریزوں نے چاہا کہ عالی جاہ کو ان کے حوالے کر دیا جائے لیکن شجاع الدولہ نے کسی مصلحت سے یا شاید اس سبب سے کہ اس کے قید رکھنے میں کوئی نفع نہ تھا، عالی جاہ کو ایک لنگڑے ہاتھی پر سوار کر کے رخصت کر دیا[3]۔ یہ غریب اِدھر اُدھر مارے پھرنے کے بعد شاہ جہان پور پہنچا۔ اس کی تندمزاجی یا ادبار کے سبب رفتہ رفتہ اس کے مصاحبوں نے بھی ترک رفاقت کی۔ بالآخر ۱۱۹۱ھ میں موضع کوتوالی (دہلی کے قریب کوئی غیر معروف مقام ہے) میں نہایت کس مپرسی اور بے سروسامانی کی حالت میں انتقال کیا۔[4]

---

[1] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۳۴۴ تا ۳۵۱ [2] چھپرے میں نواب منیر الدولہ اور مہاراجا شتاب رائے کی وساطت سے انگریزوں اور شجاع الدولہ اور بادشاہ کے درمیان یہ صلح طے پائی تھی۔

[3] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۳۵۷۔

[4] سیر المتاخرین جلد ۳ صفحہ ۸۹ موضع کوتوالی کا ذکر ماٰثر الامرا کے انگریزی ترجمے میں علی وردیجاں کے حالات کے سلسلے میں فٹ نوٹ میں مذکور ہے۔

(۲۸) میر جعفر کی وفات اور اس کے جانشینوں کا حال

۱۴ شعبان ۱۱۷۸ھ / ۶ جنوری ۱۷۶۵ء کو میر جعفر نے مرشد آباد میں انتقال کیا۔ اصحاب کونسل (کلکتہ) نے رُپئے لے کر اس کے مجہول النسب بیٹے میر پھلوری کو نجم الدولہ کے لقب کے ساتھ مسند نشین کیا۔ نوجوان ناظم بنگالہ و بہار و اڑیسہ کا وظیفہ چوّن لاکھ رُپئے سالانہ مقرر ہوا۔ اس نے خوش ہو کر کہا کہ اب خدا کے فضل سے میں جتنی طوائفوں کو چاہوں رکھ سکتا ہوں[۵۱]۔ نجم الدولہ کی طرف سے میر محمد رضا خاں مظفر جنگ نائب ناظم مقرر ہوا اور صوبہ بہار میں میر محمد کاظم خاں (برادر میر جعفر خاں) نائب ہو کر کام کرنے لگا۔ اور دھیرج نراین برادر راجا رام نراین اس کا دیوان مقرر کیا گیا۔ راجا شتاب رائے جو عالی جاہ کے وقت میں خارج البلد ہوا تھا۔ پھر اپنی سابق حیثیت سے عظیم آباد چلا آیا[۵۲]۔

۲۲ ذیقعد ۱۱۷۹ھ کو نجم الدولہ نے انتقال کیا اور انگریزوں نے اس کے بھائی سیف الدولہ کو اس کا جانشین کیا۔ ماہ ذی الحجہ ۱۱۸۳ھ میں سیف الدولہ نے بھی انتقال کیا[۵۳] اور اس کا چھوٹا بھائی مبارک الدولہ مسند نشین ہوا۔ میر جعفر کے وقت سے جو انگریزی تسلط شروع ہوا تھا یہاں تک بڑھا کہ ناظم بنگالہ کی حکومت بالاستقلال انگریزی حکومت ہو گئی اور ناظمان بنگالہ محض نام کی نوابی کو بھی غنیمت جان کر باعثِ فخر سمجھتے رہے۔

۵۱؎ HISTORY OF BENGAL BIHAR ORISSA UNDER BRITISH RULE صفحہ ۱۰۰۔

۵۲؎ سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۳۶۵۔ ۵۳؎ سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۴۰۷۔

باب نوزدہم

انگریزی حکومت بحیثیت دیوانی[1]

(۱) انگریزی کمپنی کو دیوانی ملنا اور لارڈ کلائیو کا بندوبست

۶۷-۱۷۶۵ء

۱۱۷۹ھ (۱۷۶۵ء) میں کلائیو لارڈ کلائیو ہو کر ہندستان واپس آیا۔ اس دفعہ کمپنی نے اس کو مدار المہام بنا کر تمام امور کی اصلاح کے لیے متعین کیا تھا۔ اس زمانے میں عظیم آباد کی انگریزی کوٹھی میں اور اسی طرح بنگالے میں بھی کمپنی کے ملازموں نے ناجائز ذریعوں سے روپے لے کر نظم میں فتور پیدا کر دیا تھا۔ پٹنہ کی کوٹھی کا افسر بھی اس قسم کی نازیبا حرکت کا مرتکب ہوا تھا۔ کلائیو کے آنے کی خبر سے ہراساں ہو کر اس نے خودکشی کر لی[2]۔ انگریزی انتظام کی خرابی اس حد کو پہنچی ہوئی تھی کہ سیر المتاخرین کا بیان ہے کہ حکام نے رعایا کے حالات پر کچھ توجہ نہ کی اور اپنے مقرر کیے ہوئے عاملوں کے ہاتھوں خلق کی ایذا رسانی اور تباہی

---

[1] دیوانی کے متعلق صوبے کی مال گزاری (ریونیو) کا محکمہ سپرد تھا اور نظامت کے متعلق حکومت کا نظم و نسق تھا۔

[2] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۳۶۶ DISTRICT GAZETTEER PATNA سنہ ۱۹۲۶ء صفحہ ۳۵۔

دبربادی کا تماشا دیکھا کیے۔[1]

کلا یو نے عظیم آباد آکر میر محمد کاظم نائب ناظم اور شتاب رائے اور دھیرج نرائن سے ملاقات کی اور ان تینوں کی صلاحیتوں کا موازنہ کر کے شتاب رائے کو ساتھ لے کر الہ آباد روانہ ہوا۔ اس وقت شاہ عالم الہ آباد ہی میں مقیم تھا۔ کلا یو نے شتاب رائے کی وساطت سے گفتگو طے کر کے بنگالہ و بہار و اڑیسہ کی دیوانی مبلغ چھبیس لاکھ روپے سالانہ پر لکھوالی۔ بادشاہ کو نواب ناظم اور صوبے داروں سے شاہی خراج بہ مشکل وصول ہوا کرتا تھا اور انگریزوں سے باقاعدہ وصولی کا اطمینان تھا۔ اس لیے یہ کام بہت جلد اور نہایت آسانی سے طے پاگیا۔ اس وقت بادشاہ نے شتاب رائے کو مہاراجا کا خطاب عنایت کیا۔ خواجہ اعتصام الدین نے اپنی کتاب "شگرف نامہ ولایت" میں لکھا ہے کہ شاہ عالم نے دیوانی عطا کرنے کے ساتھ کلا یو سے یہ وعدہ لیا تھا کہ ہندستان میں بادشاہت قائم کرنے میں انگریزی فوج امداد کرے گی۔ اور اگرچہ یہ شرط لکھی ہوئی تھی لیکن ہر ایک کو منظور تھی۔ چوں کہ فوجی امداد کمپنی کے لیے بعض قباحتوں سے خالی نہ تھی اس لیے یہ ضروری معلوم ہوا کہ بادشاہِ انگلینڈ سے اس کی منظوری لے لی جائے۔ شاہ عالم نے نواب منیر الدولہ اور راجا شتاب رائے کو کلا یو کے ساتھ کلکتے روانہ کیا اور ان دونوں نے بادشاہ کی جانب سے شاہِ انگلینڈ کے نام ایک خط کا مسودہ درست کیا اور کپتان سوئن ٹن (SUINTON) اس خط کو لے جانے کے لیے متعین ہوا اور اعتصام الدین بھی بادشاہ کی جانب سے ولایت جانے کو مقرر ہوا۔ یہ مشورہ کونسل کے خاص خاص ارکان

---

[1] HISTORY OF BENGAL BIHAR ORISSA UNDER BRITISH RULE صفحہ ۱۸۵

کے سوا اوروں سے مخفی رکھا گیا تھا۔ جہاز پر سوار ہونے کے ایک ہفتے بعد کپتان مذکور نے اعتصام الدین کو اطلاع دی کہ شاہ عالم کا خط کلایو نے اپنے پاس رکھ لیا ہے اور آیندہ سال وہ خط مع شاہی تحائف ساتھ لے کر خود ولایت آئے گا۔ اعتصام الدین یہ سُن کر سخت آزردہ ہوا۔ آخر ولایت پہنچ کر ڈیڑھ برس انتظار کرنے کے بعد کلایو وہاں پہنچا۔ لیکن شاہ جارج ثالث کے لیے جو شاہی تحفے ساتھ لے گیا تھا اس کو کلایو نے بجائے شاہ عالم کے خود اپنی طرف سے بادشاہ بیگم کے نذر کر دیا اور تحائف کے ساتھ لاکھ رُپے نقد بھی لے گیا تھا۔ اس کا بھی کلایو نے کوئی ذکر نہ کیا اور کپتان سوئن ٹن نے اعتصام الدین سے کہا کہ تمھارا خیال صحیح تھا۔ کلایو نے ہم لوگوں کو دھوکا دیا اور شاہی خط کا کچھ پتا نہ چلا۔ ایک مورخ نے لکھا ہے کہ "پلاسی کے ہیرو اور امین چند کے دوست (یعنی کلایو) کے وتیرے کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہ بیان بالکل قابلِ یقین معلوم ہوتا ہے۔"

---

(۲) صوبۂ بہار میں دیوانی کا نظم

لارڈ کلایو نے دیوانی حاصل کرنے پر میر محمد کاظم خاں کو معزول کر کے دھیرج نرائن برادرِ راجا رام نرائن کو نائب صوبے دار مقرر کیا اور میر محمد کاظم خاں کے لیے ایک لاکھ رُپے سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ انگریزوں کی طرف سے عظیم آباد پٹنہ میں مہاراجا شتاب رائے نائب دیوان ہوا اور کام کرنے کے لیے یہ دستور قرار پایا کہ قلعہ عظیم آباد کے صدر کمرے میں ایک مسند بردو گاہ دی گئی اور اس کے سامنے ایک کُرسی رکھی گئی۔ مسند پر شتاب رائے

اور دھیرج نراین کی نشست ہوتی تھی اور کرسی پر مسٹر مڈلٹن (افسر اعلیٰ کوٹھی عظیم آباد) اجلاس کرتا تھا۔ جو پروانے یا احکام صادر ہوتے تھے پہلے دھیرج نراین اس کے حاشیے پر دستخط کرتا تھا پھر اس کے پشت پر (نواب ناظم کی مہر کے نیچے) شتاب رائے "دیدہ شد" لکھ کر دستخط کرتا تھا اور آخر میں مسٹر مڈلٹن کے دستخط ہوتے تھے[1]۔ کچھ دنوں اسی طور پر کام جاری رہا لیکن دھیرج نراین کی غفلت شعاری اور شاید بعض خیانتوں کے سبب شتاب رائے اس سے برگشتہ خاطر ہو گیا۔ کلایو کو دھیرج نراین کی بدلیاقتی کا حال معلوم ہوا تو اس نے نواب مظفر جنگ محمد رضا خاں نائب ناظم کو محاسبہ کے لیے عظیم آباد بھجوایا۔ مظفر جنگ نے بعض خیانتوں کا پتا لگایا اور دھیرج نراین کو معزول کرا دیا۔ اتفاق سے دوسرے ہی سال مڈلٹن بھی تبدیل ہو گیا اور طامس رمبولڈ اس کا قائم مقام ہوا۔ اسی زمانے میں شاہ عالم نے نواب منیر الدولہ رضا قلی خان کو اپنا نائب بنا کر عظیم آباد بھیجا تھا۔ ۱۷۶۷ء میں لارڈ کلایو بھی ولایت چلا گیا اور ہنری ویرلسٹ اس کی جگہ پر کمپنی کا گورنر ہوا۔

---

(۳) کونسل کا انتظام ۱۷۶۸ء تا ۱۷۸۰ء

۱۷۶۸ء سے ۱۷۶۹ء تک مہاراجا شتاب رائے اور مسٹر رمبولڈ نے مل کر کونسل کا نظم جاری رکھا لیکن اسی سال رمبولڈ کے ولایت جانے پر جیمس الگزنڈر نامی اس کا قائم مقام ہوا۔

---

[1] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۱۷۴۔

(۴) قحط ۱۱۸۳ھ (۱۷۷۰ء)

مسٹر ربولڈ ہی کے زمانے میں بارش کی قلت کے سبب قحط کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا لیکن امید تھی کہ آیندہ بارش ہونے سے کچھ پیداوار ہو جائے گی۔ اگست ۱۷۶۹ء میں تھوڑی بارش ہو کر موقوف ہو گئی اور تمام زراعت خشک ہو کر رہ گئی۔ جنوری ۱۷۷۰ء میں غلّہ اس قدر کم یاب ہو گیا کہ روزانہ فاقے سے پچاس پچاس موتیں ہونے لگیں۔ شتاب رائے نے الکزنڈر افسر کلاں کو اس کی اطلاع دی اور صاحب موصوف نے خود بھی دیکھ کر گورنر کو حالات کی اطلاع دی اور ضلع میں احکام صادر کیے کہ مال گزاری میں بجائے ایک من کے پچیس سیر غلّہ وصول کیا جائے۔ شتاب رائے نے قحط زدوں کی امداد کے لیے دو لاکھ رُپے منظور کرنے کی تحریک کی تھی۔ اس زمانے میں مسٹر ویرلسٹ کے چلے جانے پر مسٹر جان کارٹر کمپنی کا گورنر تھا۔ اس کی حکومت نے یہ تو تسلیم کیا کہ قحط کی مدافعت ضروری ہے لیکن حکام کی تحریک پر عمل درآمد کے متعلق کوئی صاف حکم نہ دیا۔ آخر مہاراجا شتاب رائے نے اور حتی المقدور مقامی انگریزوں اور ولندیز (ڈچ) لوگوں نے فاقہ کشوں کی امداد کی اور کثیر خلقت کو فاقے کی موت سے بچایا[1]۔ داناپور میں بھی فوج کے افسروں اور فرانسیسی تاجروں نے چندے فراہم کیے اور اپنی جیب سے خیرات کی لیکن اس پر بھی فاقے سے روزانہ مرنے والوں کی تعداد خاص عظیم آباد پٹنہ میں ڈیڑھ سو نفوس تک پہنچ گئی تھی اور اطراف و نواح کا حال اس سے بدتر تھا۔ الکزنڈر نے کمپنی کے خرچ سے فاقہ کشوں کی امداد کے لیے تین سو اسّی رُپے روزانہ تقسیم

---

[1] سیر المتاخرین جلد ۲۔

کرنا شروع کیے۔ اس رقم میں سے سوڑپ شتاب رائے اپنے ہاتھ سے تقسیم کرتا تھا۔ حکام کی رپوٹ کے مطابق خاص شہر عظیم آباد میں اس قحط سے ایک لاکھ جانیں تلف ہوئیں[۵۰]

اس قحط کے متعلق لارڈ مہون (MAHON) کتاب رایز آف دی انڈین امپائر (صفحہ ۱۹۷) میں لکھتا ہو کہ پردہ نشین عورتیں اپنی اور اپنے بچوں کی جانیں بچانے کے لیے سرِ بازار بھیک مانگتی تھیں اور روزانہ سڑکوں پر ہزاروں نفوس مرتے تھے۔ جن کی لاشیں کتے، گیدڑ اور گدھ کھاجاتے تھے۔ ندی میں لاشوں کی کثرت سے مچھلی بھی کھانے کے لایق نہ رہی تھی اور بطیں بھی مردار کھانے کے سبب انسان کی خوراک کے لایق نہ تھیں۔ اکثر جگہوں کی نصف آبادی اور عام طور پر تمام علاقوں میں ایک تہائی آبادی اس قحط سے گم ہوگئی۔ قحط زدہ دیہاتوں سے شہر میں آتے تھے اور یہاں بھی خوراک نہ ملنے پر ان کی آہ وزاری نہایت دردانگیز تھی۔ اعلیٰ ذات کے برہمنوں کو ادنیٰ شودر کے ساتھ مل جل کر رہنے میں کوئی امتیاز باقی نہ رہا تھا۔"

---

(۵۱) نظامت کے متعلق کونسل کی تحقیقات ۱۷۷۰ء

۱۷۷۰ء میں گورنر اور کونسل نے تحقیقات شروع کی کہ کس کس طور پر کیا کیا مدین نظامت میں وصول ہوا کرتی ہیں۔ اس سلسلے میں ونسٹرٹ نے مرشد آباد میں بعض خیانتوں یا ناروا عمل درآمد کا پتا لگایا۔ کونسل نے بدگمان

---

[۵۰] HISTORY OF BENGAL BIHAR ORISSA UNDER BRITISH RULE صفحہ ۱۹۱-

ہو کر صوبہ بہار میں شتاب رائے کے انتظام کو بھی ایسا ہی قیاس کیا اور عظیم آباد پٹنہ میں ریونیو کونسل قائم کرنے کا حکم دیا۔ الگزنڈر کونسل کا صدر قرار پایا۔ اور رابرٹ پالک اور جان ونسٹرٹ ممبر ہوئے۔ شتاب رائے اپنے عہدے پر بحال رہا۔ لیکن مال گزاری وغیرہ کے معاملے میں اس کو کونسل کی متابعت کرنی پڑی۔ اس زمانے میں مال گزاری کی وصولی کے لیے مال گزار مقرر تھے۔ قاعدے کے مطابق پیداوار میں نصف رعایا کا حق ہوتا تھا لیکن مال گزاروں نے زیادتی اور زبردستی سے وصولی کے اتنے ابواب قائم کر لیے تھے کہ غریب رعیت کو بجائے نصف کے ایک چوتھائی بھی بہ مشکل ہاتھ آتی تھی۔ کونسل قائم ہوتے ہی رعایا نے شکایتیں پیش کیں۔ کونسل نے تحقیقات کے بعد ۵ نومبر ۱۷۷۰ء کو حکم دیا کہ مال گزار کے پٹے میں یہ شرط شامل کر دی جائے کہ فی من کم از کم ساڑھے سترہ سیر غلّہ رعایا کے لیے ضرور چھوڑ دینا ہوگا۔[۱]

---

(۶) دیوانی کا براہ راست انتظام اور مظفر جنگ اور شتاب رائے پر الزام (۱۷۷۱-۱۷۷۲ء)

۱۷۷۱ء میں رچرڈ بارول (R. BARUELL) کونسل کا صدر ہوا۔ پھر دوسرے سال ۱۷۷۲ء میں جان گراہم (J. GRAHAM) نامی مقرر ہوا۔ اسی سال (۱۷۷۲ء) کمپنی کے ناظموں نے ولایت سے احکام نافذ کیے کہ دیوان ہونے کی حیثیت سے کمپنی دیوانی کا سر رشتہ خود اپنے ہاتھ میں رکھے۔ حکم پاتے ہی گورنر کارٹر (CARTER) نے مرشد آباد میں نواب مظفر جنگ

---

[۱] DISTRICT GAZETTEER PATNA ۱۹۲۴ء مرتبہ اومیلی صفحہ ۲۷۔

محمد رضا خاں کو (جو چھ سال سے نائب ناظم تھا) اور عظیم آباد میں مہاراجا شتاب رائے کو برطرف کر دیا۔ اور ان پر خیانت کا الزام لگا کر محرم ۱۱۸۶ھ میں مظفر جنگ کو اور اس کے ایک مہینے کے بعد شتاب رائے کو کلکتہ طلب کیا۔ جان ونسٹرٹ نے ذاتی ارتباط کے سبب شتاب رائے کی حراست کے لیے ایک کمپنی سپاہیوں کی یہ کہہ کر ساتھ کر دی کہ یہ تمھاری محافظت کے لیے ہے۔ اس کے روانہ ہونے پر انگریزی حکم کا فارسی ترجمہ کرا کے اعلان کر دیا گیا کہ مہاراجا شتاب رائے برطرف کیا گیا اور اس کے عوض میں کمپنی کے حکام کام کریں گے۔

کلکتہ میں مقدمہ رو بہ کار ہونے پر شتاب رائے بے جرم ثابت ہوا اور انگریز اس معاملے میں بدسلوکی سے پیش آنے کے سبب خود پشیمان ہوئے۔ تلافیٔ مافات کے لیے راجا مذکور کو ایک اقرار نامہ لکھ کر دے دیا کہ جو کچھ الزام تھے محض غلط ثابت ہوئے اور اس کو خلعت فاخرہ دے کر پھر اس کے سابق عہدے پر بحال کیا۔ لیکن یہ سب اس وقت ہوا کہ رسوائی اور پریشانی اور کلکتہ کی آب و ہوا سے اس غریب کے دماغی اور جسمانی قویٰ بالکل خراب ہو چکے تھے۔ اور ضعف معدہ کے سبب راجا مذکور نہایت نحیف و لاغر ہو گیا تھا۔ پہلے جس قدر انگریزوں کا مداح تھا اب اسی قدر ان کا شاکی ہو گیا۔ اور آخر ایک سال کے اندر ہی ۱۱۸۷ھ میں مر گیا[۱]۔

شتاب رائے کے واپس آنے کے بعد ۱۱۸۸ھ میں مظفر جنگ بھی الزام سے بری ہو کر مرشد آباد واپس آیا۔

---

[۱] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۴۸۔

(۷) رائے رایان کلیان سنگھ نائب دیوان

مہاراجا شتاب رائے کے مرنے پر اس کا نوجوان بیٹا کلیان سنگھ رائے رایان کے لقب کے ساتھ پچاس ہزار رُپے سالانہ تنخواہ پر نائب دیوان مقرر ہوا اور راجا خیالی رام اس کا نائب ہوا۔

---

(۸) کونسل کا برخواست ہونا اور صوبہ بہار کا تعہد

۱۷۷۳ع میں جارج ہرسٹ اور طامس لین یکے بعد دیگرے پٹنہ کی ریونیو کونسل کے صدر مقرر ہوئے۔ اس کے بعد ۱۷۷۵ع میں رابرٹ پالک اور ۱۷۷۶ع میں اسحاق سیج اور ۱۷۷۷ع میں ایوان لا اور ۱۷۸۰ع میں ولیم میکسول کونسل کی صدارت پر مامور ہوئے۔ اس اثنا میں وارن ہٹنگس جو ۱۷۷۲ع تک گورنر تھا ۱۷۷۴ع میں گورنر جنرل کے عہدے پر ممتاز ہوا۔

گورنر جنرل مذکور کو عظیم آباد کی کونسل کا نظم کچھ تشفی بخش نظر نہ آیا اس لیے اس کے موقوف کردینے کا حکم دیا۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ سٹرینگ نامی افسر کا ایک محرر رشوت لے کر اکثر معاملات کو درہم وبرہم کردیتا تھا اور راجا کلیان سنگھ اور راجا خیالی رام نے اس کی شکایت گورنر جنرل کو لکھ بھیجی۔ ۹ فروری ۱۷۸۱ع کو عظیم آباد پٹنہ کی کونسل برخاست کردی گئی۔ اور بجائے اس کے ولیم میکسول ریونیو چیف کے عہدے پر مقرر ہوا۔ اور مسٹر لا عدالت دیوانی کا جج اور مسٹر بارلو فوج دار (مجسٹریٹ) اور مسٹر ریول[۱] کلکٹر محکمہ محصول وچنگی مقرر ہوا۔

---

[۱] چھپرہ میں ریول گنج اسی کا آباد کیا ہوا ہے۔

۱۹ اگست کو ولیم میکسول رونیو چیف نے انتقال کیا۔ اس لیے دو مہینے تک جیمس لنڈزے نامی اس کی جگہ پر کام کرتا رہا۔ اور اس کے بعد ولیم آگسٹس بروک نامی رونیو چیف ہو کر پٹنہ آیا۔

راجا خیالی رام نے راجا کلیان سنگھ کو آمادہ کیا کہ صوبہ بہار کا تعہد اپنے نام لکھوا لیا جائے۔ خیالی رام کلیان سنگھ کا خط لے کر کلکتہ پہنچا اور وارن ہٹنگس سے مل کر مبلغ انتیس لاکھ اکیس ہزار ایک سو سات رُپے سالانہ پر صوبہ بہار کا تعہد لکھوا لیا۔ اس کے قبل تک انگریزوں کو مال گزاری کے اٹھائیس لاکھ رُپے سالانہ وصول ہوتے تھے اس لیے گورنر جنرل نے اس بندوبست کو بخوشی منظور فرمایا۔ اس معاملے میں کلیان سنگھ اور خیالی رام دونوں شریک تھے تعہد تو بہت آسانی سے لکھوا لیا گیا۔ لیکن علاقوں کا بندوبست دشواری سے خالی نہ تھا۔ ہر چند عامل بھی مقرر کیے گئے اور بہتیرے زمینداروں کے ساتھ بھی بندوبست کیا گیا لیکن بروقت مال گزاری وصول نہ ہوئی۔

---

(۹) راجا چیت سنگھ والیٔ بنارس کی بغاوت[۱]

سوئے اتفاق سے اسی سال ۱۷۸۱ء میں راجا چیت سنگھ نے بغاوت کی۔ اس وقت وارن ہیسٹنگس اپنی میم کو عظیم آباد پٹنہ میں چھوڑ کر خود بنارس گیا

۱؎ راجا چیت سنگھ کو راجا ٹکاری کے خاندان سے گہرے تعلقات تھے۔ علاوہ اس کے انگریزی حکام مال گزاری کے معاملے میں سختی کا برتاؤ کرتے تھے اور وارن ہیسٹنگز راجا چیت سنگھ سے بعض رقمیں وصول کرنا چاہتا تھا۔ اور اس زمانے میں سارے ہند میں ایک ہلچل مچی ہوئی تھی اس لیے صوبہ بہار کے نادار زمیندار چیت سنگھ کے ہمدرد تھے۔

ہوا تھا۔ چیت سنگھ کے کارندے خفیہ صوبہ بہار میں بغاوت پھیلانے کی کوشش کررہے تھے۔ ضلع عظیم آباد پٹنہ کے اکثر زمین دار جن کے ذمے مال گزاری باقی رہ گئی تھی اس ہنگامے میں شریک ہونے کو تیار ہو گئے۔ انھی میں راجا اقبال علی خاں[۱] پسر نواب کامگار خاں باقی مال گزاری کی علت میں گرفتار تھا۔ عظیم آباد سے کسی طرح نکل کر اس نے چند ہزار سپاہ فراہم کی اور اپنے علاقوں کے ارد گرد تمام غدر پھیلا دیا۔ اس بدامنی اور غارت گری نے کلیان سنگھ اور خیالی رام کی امیدوں کا خاتمہ کر دیا۔ تعہد کے مطابق دوسری قسط وصول نہ ہونے پر حکام نے رپوٹ کی کہ کلیان سنگھ ذی حیثیت شخص ہے اس سے قسط وصول ہو جائے گی۔ لیکن خیالی رام سے اندیشہ ہے کہ علاقوں میں غارت گری کرکے اس کا الزام چیت سنگھ کے سر رکھے۔ حکام اعلیٰ نے کلیان سنگھ کا اقتدار ملحوظ رکھ کر اس پر صرف تقاضا جاری رکھنے کی ہدایت کی۔ لیکن خیالی رام کی محبوسی کا حکم دیا۔ ۲۱ نومبر ۱۷۸۱ء کو میجر ہارڈی نے سپاہ بھیج کر خیالی رام کے گھر پر پہرے بٹھا دیے۔ اور پھر ۲ جنوری ۱۷۸۲ء کو اس کو گھر میں بھی رہنے نہ دیا۔ اور حویلی بیگمان[۲] میں لاکر نظر بند رکھا۔ کلیان سنگھ نے کسی طرح بندوبست کرکے پچاس ہزار روپے فی الفور ادا کیے اور حکام نے رفتہ رفتہ علاقوں کو واپس لینا شروع کیا۔[۳]

---

[۱] ریجنلڈ ہینڈ کی کتاب میں اقبال علی خاں کو اکبر علی خاں لکھ دیا ہے۔ لیکن اقبال علی خاں صحیح نام ہے۔ [۲] حویلی بیگمان بخشی محلے سے اُتر اور گنگا سے دکھن ہے۔ پرانی عمارتوں میں اب صرف گنگا کے کنارے ایک مستحکم پشتے کا کھنڈر باقی ہے۔ [۳] اسی سلسلے میں بھوج پور کے راجا بکرماجیت سنگھ کو زمینداری سے بے دخل کرکے انگریزوں نے سزاول بٹھا دیے اور نراین سنگھ راجا سرس و کٹنبھ کو زمین داری سے بے دخل کرکے نظر بند کر دیا۔ اور راجا نندکور نے پینتیس ہزار روپے مالکانہ کے گورمنٹ سے طلب کیے تھے۔ اس میں سے ستائیس ہزار روپے (بقیہ نوٹ صفحہ ۳۸۶ پر)

(۱۰) ولندیز (ڈچ) کے کارخانے کی ضبطی ۱۷۸۱ء

۱۷۸۱ء میں انگریز ہندستان میں فرانسیسی۔ ڈچ۔ مرہٹہ اور حیدر علی سے برسرِ جنگ تھے۔ اسی سلسلے میں گورنر جنرل نے ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کی جائداد ضبط کر لینے کا حکم صادر کیا۔ عظیم آباد پٹنہ میں ولندیز (ڈچ) کی نہایت شان دار کوٹھی گنگا کے کنارے موجود تھی جس میں توپیں بھی لگی رہتی تھیں اور کسی قدر سپاہ بھی تھی۔ مسٹر میکسول ریونیو چیف نے حکم پاتے ہی مسٹر ہٹیلی کو اس کوٹھی پر قبضہ کر لینے کے لیے متعین کیا۔

۱۰ جولائی ۱۷۸۱ء کو میجر ہارڈی افسر فوجی نے اس کوٹھی کو دخل میں لاکر ریونیو چیف کے حوالے کر دیا۔ ڈچ کمپنی کے اعلیٰ افسروں سے مچلکا لکھوا کر ریونیو چیف نے ان کو آزاد کر دیا لیکن کمپنی کے اور ملازم قید کر لیے گئے۔ ولندیز کمپنی انگریزی کمپنی کو دس ہزار روپے سالانہ نذرانہ دے کر تجارت کے لیے افیون خریدا کرتی تھی۔ کوٹھی کی ضبطی کے وقت کمبل نامی انگریز ٹھیکے دار کے چھیانوے ہزار روپے افیون کی قیمت کی بابت ڈچ کمپنی کے ذمے باقی تھے۔ ضبطی کے بعد یہ رقم انگریزوں نے ادا کی اور کوٹھی کے مکانات بھی ٹھیکے دار مذکور کے مصرف کے لیے چھوڑ دیے گئے۔ اس وقت سے ولندیز کی تجارت مستقل طور پر بند ہو گئی۔ اگرچہ اس قوم کے لوگ اس کے بعد بھی چند سال تک عظیم آباد پٹنہ میں مقیم تھے۔ اور شاید ۸ر اکتوبر ۱۷۸۱ء کو بعض شرائط پر

(صفحہ ۳۸۵ کا بقیہ نوٹ ملاحظہ ہو)

ریونیو چیف نے واجب الادا تسلیم کیے تھے لیکن بالآخر ریونیو کمیٹی نے تمام دعوے کو رد و باطل کر دیا۔

کلیان سنگھ نے ٹکاری کے راجا جیت سنگھ اور ترہت کے راجا مادھو سنگھ کے ساتھ بھی یہی کیا تھا۔

ان کی کوٹھی بھی اس کے قبضے میں دے دی گئی تھی[۱۵]

---

(۱۱) سکّہ و خزانہ (۱۷۸۱ - ۱۷۸۶ء)

ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے ابتدائی زمانے میں ہندستان کے اور شہروں کی طرح صوبہ بہار کے شہروں اور قصبوں میں بھی سلطانِ دہلی کے سِکّے رائج تھے۔ لیکن عام طور پر بازاروں میں خرید و فروخت خرمہرہ یعنی کوڑیوں کے ذریعے سے ہوتی تھی یا گورکھ پوری پیسوں سے جو ٹھیکریوں کی طرح موٹے موٹے تانبے کے ٹکڑے بغیر کسی مہر سنہ یا نقش و نگار کے ہوتے تھے۔ دیہات والے ان پیسوں کو لوہیا بھی کہتے تھے۔

وزنی ہونے کے سبب ایک باربرداری کے بیل پر پندرہ بیس رُپے سے زیادہ کی کوڑیاں لے جانا دشوار ہوتا تھا۔ اور گورکھ پوری پیسے بھی قریب قریب اسی طرح بوجھل ہوتے تھے۔

۱۷۸۱ء میں انگریزی حکومت نے نئے سکّے جاری کرنے کا اعلان کیا۔ اور مندرجہ ذیل تانبے کے سِکّے جاری کیے:۔

۱۔ مدسیر جو ڈبل پیسے (یعنی ٹکا) ہی کی طرح تھے اور رُپے کے بتّیس ہوتے تھے۔ ایک مدسیر ایک سو ساٹھ کوڑیوں کے برابر ہوتا تھا۔

۲۔ فلوس جو معمولی رائج الوقت پیسے کے برابر تھے اور رُپے کے چوسٹھ ہوتے تھے۔

---

[۱۵] اس زمانے میں انگریزوں نے فرانسیسیوں کی جایداد کے متعلق بھی تحقیقات کی لیکن صوبہ بہار میں فرانسیسیوں کی کوئی جایداد پائی نہ گئی (دیکھو صفحہ ۳ ارلی برٹش ایڈمنسٹرشن آف بہار)

۳۔ نیم فلوس جیسا کہ نام سے بھی ظاہر ہے، ادھیلہ کے طور پر تھے۔

۴۔ پاؤ فلوس جو بیس کوڑیوں کے برابر ہوتے تھے۔ اور رُپے کے دو سو چھپن ہوتے تھے۔

سرکاری خزانے میں جو حویلی بیگمان میں خواجہ کلاں گھاٹ اور بخشی گھاٹ کے درمیان واقع تھا، یہ سکے فروخت کے لیے موجود رہتے تھے۔ کلکتہ کی ٹکسال کے سرکاری رُپے اسی رُپے کا سیر مقرر تھا۔ اور ایک من پیسوں کی قیمت اسی رُپے تھی۔

رجنلڈ ہینڈ کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ مدو سیر اور فلوس زیادہ رائج ہوئے۔ لیکن نیم فلوس اور پاؤ فلوس کو رعایا نے زیادہ رائج ہونے نہ دیا۔ ۱۱رمئی ۱۷۸۶ء کو مسٹر بروک روینو چیف نے رپورٹ کی کہ صرّاف اور عوام چھوٹے پیسوں کو لینے سے قطعی انکار کرتے ہیں۔

---

(۱۲) غلّہ اور اجناس کا نرخ (۱۷۸۱ء)

اب سے ڈیڑھ سو برس پہلے صوبہ بہار میں غلّوں کا کیا نرخ تھا، اس کی کیفیت بھی دل چسپی سے خالی نہیں۔ اس لیے رجنلڈ ہینڈ[1] کی تحریر سے

---

[1] رجنلڈ ہینڈ (R. HAND) آرہ میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ ان کی کتاب میں ۱۷۸۱ء سے ۱۷۸۶ء تک کے حالات سرکاری کاغذات سے مستنبط ہیں اور اس کا نام ہے (EARLY BRITISH ADMINISTRATLSN OF BIHAR. 1781-1785) ۷۴۶ھ (۱۳۴۵ء) کے قریب ابن بطوطہ بنگالے آیا تھا۔ اس نے اپنے سفرنامے میں جو نرخ لکھا ہے ۱۸۷۱ء کے نرخ سے بھی ارزاں ہے۔ مثلاً ایک بھیڑ کی قیمت (بقیہ نوٹ صفحہ ۳۸۹ پر)

۸۱-۱۸۸۲ء کا نرخ مختصراً اس مقام پر نقل کیا جاتا ہی:۔

۱؎ چاول باسمتی اکتیس سیر سے چھتیس سیر تک فی رُپیہ۔

۲؎ چاول معمولی (از قسم سیلہ وغیرہ) سینتیس سیر سے ایک من اٹھارہ سیر تک فی رُپیہ۔

۳؎ چاول سُرخ ایک من انیس سیر سے ایک من بائیس سیر تک فی رُپیہ۔

۴؎ گندم ایک من سولہ سیر سے ایک من بائیس سیر تک فی رُپیہ۔

۵؎ جو تین من پانچ سیر سے تین من سات سیر تک فی رُپیہ۔

۶؎ جنیرا دو من پانچ سیر فی رُپیہ۔

۷؎ ارہر ڈھائی من فی رُپیہ۔

۸؎ دال ارہر ایک من انیس سیر سے ایک من بائیس سیر تک فی رُپیہ۔

۹؎ کھساری چار من ڈیڑھ سیر سے چار من ساڑھے سات سیر تک فی رُپیہ۔

۱۰؎ دال کھساری تین من چھتیس سیر فی رُپیہ۔

۱۱؎ کابلی مٹر دو من چھبیس سیر سے تین من چار سیر تک فی رُپیہ۔

۱۲؎ چنے۔ ڈھائی من سے دو من چوبیس سیر تک فی رُپیہ۔

۱۳؎ ماش۔ دو من ڈھائی سیر سے دو من چھبیس سیر تک فی رُپیہ۔

۱۴؎ مُونگ ایک من پونے چھ سیر سے ایک من سوا آٹھ سیر تک فی رُپیہ۔

۱۵؎ مسور دو من پونے ستائیس سیر فی رُپیہ۔

۱۶؎ دال مسور۔ ایک من پونے تیس سیر فی رُپیہ۔

(صفحہ ۳۸۸ کا بقیہ نوٹ ملاحظہ ہو)

صرف چار آنے بتاتا ہی۔ اور یہ کہ ایک متوسط درجے کا آدمی اہل وعیال کے ساتھ دس بارہ رُپیہ میں نہایت آرام سے ایک سال تک بسر کر سکتا تھا۔

۱۷ تیسی (السی)، ایک من بتیس سیر فی رُپیہ۔

۱۸ سرسوں۔ ڈیڑھ من سے ایک من سوا بائیس سیر تک فی رُپیہ۔

۱۹ ارنڈی۔ ایک من پینتیس سیر فی رُپیہ۔

۲۰ نیل۔ ایک من نو سیر فی رُپیہ۔

۲۱ پوستہ۔ ایک من چھو سیر فی رُپیہ۔

۲۲ نمک۔ فی من دو رُپے دو آنے سے دو رُپے پانچ آنے تک۔

---

(۱۳) ترہت میں نیل کی باقاعدہ کاشت ۱۷۸۲ء

بہار و بنگالے میں نیل کے پودے (INDIGOFERA TINCTORIA) سے رنگ بنانا قدیم زمانے سے رائج تھا۔ لیکن ۱۷۸۲ء کے پہلے کسی نے تجارتی طور پر اس کام کو نہ کیا تھا۔ ۱۷۸۲ء میں مسٹر گرانڈ مظفرپور کا کلکٹر ہو کر آیا تو اس نے تجارتی طور پر نیل کی کاشت اور رنگ بنانے کی تحریک کی۔ تھوڑی ہی مدت میں حکام ضلع کی ہمت افزائی سے بہتیرے انگریزوں نے اضلاع ترہت سارن، چمپارن اور دربھنگہ میں کوٹھیاں بنا کر باقاعدہ تجارت شروع کر دی۔ غریب کاشت کاروں نے نیل کی گرم بازاری دیکھ کر اپنی زمینوں کا آٹھواں حصہ اسی کاشت کے لیے وقف کر دیا۔ اور چند سال کے اندر نیل والے انگریزوں کی ستر اسی بڑی بڑی کوٹھیاں قائم ہو گئیں اور تخمیناً تین لاکھ بیگہ زمین میں نیل کی کاشت ہونے لگی۔ اس زمانے میں یورپ میں نیل کا رنگ بہار و بنگالے سے پہنچتا تھا اور اندازہ کیا گیا ہے کہ تقریباً دو لاکھ من نیل صوبہ بہار سے ہر سال روانہ ہوتی تھی جس کی قیمت فی من دو سو رُپے سے

زیادہ ہوتی تھی۔ ہندستان کی اس تجارت کو دیکھ کر امریکہ والوں نے بھی نیل بنا کر یورپ بھیجنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ پچاس برس کے اندر یورپ میں ضرورت سے زیادہ نیل پہنچنے لگا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ نرخ کم ہونے لگا۔ اور ہندستان کے تجار کو بجائے غیر معمولی منافع کے نقصان کی صورت نظر آنے لگی۔ اس خسارے کو دیکھ کر بعض نیل والے صاحبوں نے نیشکر کی کاشت شروع کی اور شکر بنانے کے کارخانے کھولے لیکن اس میں بھی ان کو بہت کامیابی نہ ہوئی۔

اتفاق سے ۱۸۸۰ء کے لگ بھگ بیر (BAYER) نامی جرمنی کے باشندے نے الکترے سے نیل کا رنگ نکالنا ایجاد کیا۔ ابتدا میں یہ رنگ نیل سے گراں فروخت ہوتا تھا لیکن رفتہ رفتہ ان کی تجارت کو ایسی ترقی ہوئی کہ نیل والوں کو کارخانے بند کر دینے پڑے۔ اور ۱۸۹۷ء سے تو ہندستان کے بازاروں میں جرمنی کے رنگ کے سوا دوسرا رنگ دکھائی نہ دیتا تھا۔ ۱۹۱۳ء میں صوبہ بہار میں گویا نیل کی کاشت قریب موقوف ہو گئی۔ اور اس وقت نیل کی قیمت سوسوا سو روپے فی من سے زیادہ نہ تھی۔

نیل والے انگریز جن کو ترہت کے رہنے والے نیل والا یا نیلہا کہتے تھے حکام ضلع کی پشت پناہی کے بھروسے پر کسانوں اور عوام سے نہایت سختی اور فرعونیت کا سلوک کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض کوٹھیوں کے سامنے سے اگر کوئی شریف ہندستانی گزرنا چاہتا تو اس کو خواہ مخواہ نیل والے صاحب کو سلام کرنا اور اپنی سواری سے اتر کر گزرنا ہوتا تھا۔ اس لیے لوگ ان سے سخت بیزار تھے۔ اور جب ان کے کارخانے بند ہوئے تو کسی کو بھی افسوس نہ ہوا بلکہ ۱۹۱۷ء میں بعض لوگوں نے ان کے خلاف صدائے احتجاج بلند

کرنے پر کمر باندھی۔

۱۹۱۴ء میں یورپ کی جنگِ عظیم شروع ہونے پر جرمن کے رنگ کی تجارت بند ہوگئی۔ اس وقت اگر صوبہ بہار کے لوگ نیل کے کارخانے جاری کرتے تو بہت منافع حاصل کرسکتے تھے کیوں کہ اس وقت نیل میں چارگونہ اور پانچ گونہ منافع ہوسکتا تھا لیکن کسی نے اس طرف توجہ نہ کی انگریزوں نے جرمنوں سے رنگ بنانے کا نسخہ اور ترکیب معلوم کرکے یہ تجارت اپنے ہاتھ میں لینے کا قصد کیا ہے تاہم اگر حکومت کی طرف سے ولایتی رنگ کی فروخت کم کرنے کی تدبیر کی جائے اور بہار و بنگالے میں پھر نیل کی کاشت شروع ہو تو ملک کی بہبودی کی اُمید ہے۔

---

(۱۴) تعہد ٹوٹنے پر علاقوں کا بندوبست ۱۷۸۳ء

۱۷۸۳ء میں جان شور مہتمم بندوبست نے پٹنہ آکر تمام علاقوں کو جو راجا کلیان سنگھ اور خیالی رام کا تعہد ٹوٹ جانے پر واپس لیے گئے تھے، اس دفعہ تین سال کے لیے متفرق لوگوں کے ساتھ بندوبست کردیا۔ یہ وہی سر جان شور ہیں جو بعد کو ۱۷۹۳ء سے ۱۷۹۸ء تک گورنر جنرل کے عہدے پر ممتاز رہے۔ اور کسی شاعر نے ان کے زمانے میں کلکتہ کے حالات کے بیان میں یہ شعر کہا تھا۔

آب شور و زمیں سراسر شور
شور فرماں روائے کلکتہ

---

(۱۵) قحط کے آثار اور گولہ گھر کی تعمیر ۱۷۸۴ء

۱۷۷۰ء کے قحط کی یاد ابھی بھولی نہ تھی کہ ۱۷۸۳ء میں بارش کی قلت کے سبب پھر قحط کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ اس زمانے میں سر جان شور سٹلمنٹ افسر تھے۔ انھوں نے غلّے کی درآمد و برآمد کے محصول کو اٹھا دیا اور ضلع سارن و ترہت سے غلّہ باہر لے جانا ممنوع تھا، اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ اور کونسل میں رپوٹ کی کہ قحط کے انسداد کے لیے غلّہ رکھنے کی ایک کوٹھی بنوانے کی ضرورت ہے۔ اسی رپوٹ کی منظوری پر ۱۷۸۴ء میں گولہ گھر تیار ہوا جو اوندھے ہوئے پیالے کی صورت کی ایک عجیب و غریب عمارت باقی پور میں موجود ہے۔ اس میں غلّہ رکھنے کی کبھی نوبت نہ آئی۔ فی الحال شہر میں شارع عام پر فاصلے کے نشان کے لیے جو پتھر لگے ہوئے ہیں، ان میں میلوں کا شمار اسی گولہ گھر سے دکھایا گیا ہے۔ مشہور ہے کہ ۱۸۵۴ء میں مہاراجا جنگ بہادر والیٔ نیپال نے اپنے ٹٹو کو گولہ گھر کے زینوں سے سرے تک پہنچا دیا۔

---

(۱۶) ضلع بہار مقرر ہونا ۱۷۸۷ء

سوریوں کی سلطنت کے زمانے تک قصبہ بہار ہی اس صوبے کا صدر مقام تھا۔ اکبر کے زمانے میں سرکار بہار مقرر ہوئی۔ اس میں اضلاع پلاموں، گیا، ہزاری باغ اور مونگیر کے بعض حصص بھی شامل تھے۔ ۱۷۸۷ء میں حکام انگریزی نے ضلع بہار قرار دیا جس کے حدود کم و بیش سرکار بہار

کے مطابق تھے۔ لیکن ضلع کا صدر مقام بجائے بہار کے گیا قرار پایا۔ اور طامس لا نامی اس ضلع کا پہلا کلکٹر مقرر ہوا۔ اس وقت باقی پور اور شہر پٹنہ کو چھوڑ کر تمام علاقے گیا کے مجسٹریٹ کے تحت میں تھے۔ اور ان علاقوں کے مقدمات گیا ہی میں فیصل ہوتے تھے۔

سنہ ۱۷۹۸ء میں بہار و فتوحہ میں ڈکیتی اور چوری کے سانحے بہ کثرت وقوع میں آئے۔ اور گیا کا مجسٹریٹ دوری کے سبب بروقت ضروری انسداد نہ کرسکتا تھا۔ بعض داروغہ بھی چوروں سے ساز باز رکھتے تھے۔ ان وجوہ سے سنہ ۱۷۹۸ء میں فتوحہ گیا کے محکمۂ فوج داری سے علیحدہ کر کے خاص پٹنہ کی فوج داری میں شامل کر دیا گیا۔

سنہ ۱۷۹۹ء میں کمپنی نے حکومت کا نظم و نسق نواب ناظم بنگالہ سے لے لیا تھا۔ پٹنہ میں اوّل اوّل فرنس گرانڈ (FRANCIS GRAND) بجائے فوج دار کے مجسٹریٹ مقرر ہوا لیکن یہ بعض بدکرداریوں کے سبب برطرف کیا گیا۔ اور سنہ ۱۷۹۲ء میں ہنری ڈگلس HENRY DOUGLAS اس کی جگہ پر مقرر ہوا۔ اسی زمانے سے لفظ فوج دار متروک ہوا۔ اور بجائے اس کے لفظ مجسٹریٹ رائج ہوا۔

---

(۱۷) صوبہ بہار میں زمین داریاں اور بندوبست دوامی سنہ ۱۷۹۰ء کا حال

انگریزی حکومت نے زمین داریوں کے بندوبست اور سرکاری مال گزاری کی تشخیص کے متعلق قدیم بادشاہی ضابطے کے خلاف جو اصول ایجاد کیے وہ

خاص بہار و بنگالے کے حالات پر مبنی ہیں۔ اور چوں کہ بہار و بنگالے کی آبادی میں فی صد چند آدمیوں کے سوا تمام نفوس ایسے ہیں جن کی اوقات زمین داری اور کاشت کاری پر منحصر ہے، اس لیے اس بیان میں کسی قدر تفصیل ضروری معلوم ہوتی ہے۔

زمانۂ قدیم سے یہ دستور چلا آتا تھا کہ ملک کی تمام زمینیں بادشاہ کی ملک سمجھی جاتی تھیں۔ اور بادشاہ کو ان کی پیداوار میں ایک جز یا اس کے عوض نقد وصول کر لینے کا حق حاصل تھا[1]۔ یہی حقیت اکثر ملکی یا فوجی ضرورتوں کے لیے یا مذہبی امور یا خیرات کے کاموں کے لیے شاہی فرمان کے ذریعے جاگیردار یا التمغادار وغیرہ کے نام حسب ضرورت منتقل کر دی جاتی تھی جس کی کیفیت مندرجہ ذیل اصطلاحوں سے ظاہر ہوگی:۔

جمع طومار بادشاہی و جمع طومار تخصیص (یعنی اقسام جاگیر خالصہ شاہی اور غیر خالصہ جس میں اور اقسام جاگیر شامل تھیں)

۱۔ جاگیر سرکار عالی (جو نظامت کے اخراجات اور محکمۂ دیوانی و فوجداری کے جاری رکھنے کے لیے ضروری تھی)۔

۲۔ جاگیر بندہائے عالی بارگاہ (اس کو دیوانی سے تعلق تھا)

۳۔ جاگیر امیر الامرا (سپہ سالار اور فوجی مصارف کے متعلق تھی)

۴۔ جاگیر فوج داران (فوج دار اپنے علاقے میں بہ طور مجسٹریٹ کے ہوتے تھے)

۵۔ جاگیر منصب داران (منصب داروں کو اپنے علاقے میں امن قائم

---

[1] یونانیوں کے بیان سے پایا جاتا ہے کہ راجا چندر گپت کے زمانے میں پیداوار کی ایک چوتھائی حکومت کو وصول ہوتی تھی جو پاٹلی پتر کا انتظام اور چندر گپت کے حالات میں مذکور ہے۔

رکھنے کے لیے سوار و پیادے رکھنا ہوتا تھا۔

ع۶ مدد معاش (مذہبی کاموں کے لیے آمدنی وقف کی جاتی تھی)

ع۷ سالیانہ داران (کسی قابلیت یا کارگزاری کے سبب بہ طور وظیفہ کوئی رقم مقرر کردی جاتی ہو)

ع۸ زمین داران (کاشت کاروں سے مال گزاری وصول کرکے شاہی خزانے میں داخل کرنے والوں کے لیے جو محنتانہ یا اجرت یا کمیشن مقرر تھا تھا۔ اس کی تعداد عموماً اصل مال میں دس فی صد سے پندرہ فی صد تک ہوتی تھی)

ع۹ التمغا (اکثر درویشوں، پیروں، عالموں، شیوخ طریقت اور سجادہ نشینوں کو خانقاہ کے مصارف یا کسی تعلیمی خرچ کے لیے یا حاجت مندوں کی حاجت روائی کے لیے جاگیریں ہوتی تھیں)

ع۱۰ روزینہ داران (مذہبی کام کرنے والوں کے خرچ کے لیے جو رقم مقرر ہوتی تھی)

ع۱۱ نوارہ (جنگی کشتیوں کو نوارہ کہتے تھے۔ ان کے فراہم رکھنے کے لیے بھی خرچ کی ایک ضروری مد قائم کرلی گئی تھی)

ع۱۲ احشام عملہ (کسی افسر یا حاکم کے اعزاز و وقار کے لیے ظاہری شان و شوکت کے ساز و سامان مراد ہیں)

ع۱۳ کھیدا (جنگلوں میں ہاتھیوں کو پکڑنے کے لیے جو اہتمام ہوتا ہے اس کو کھیدا کہتے ہیں)

(واضح ہو کہ تیول بھی ایک طور کی جاگیر ہی کو کہتے تھے جو شہزادوں کے خرچ کے لیے دی جاتی تھی)

زمینوں کی پیداوار میں حکومت کا جو حصّہ ہوتا ہے اسی کو سرکاری مال کہتے ہیں۔ قدیم زمانے میں یہ مالیہ بجائے نقدی کے جنس کی صورت میں بھی ادا کیا جاتا تھا۔ لیکن مال گزاری کی رقم وقتاً فوقتاً حکومت کی طرف سے مقرر ہوتی تھی۔
اِدھر چار صدیوں کے اندر بہار و بنگالے میں اس طور کا شاہی بندوبست اوّل اوّل اکبر کے زمانے میں ۱۵۸۲ء کے قریب راجا ٹوڈرمل دیوان نے کیا[51]
دوسرا بندوبست جو غالباً ترمیمی تھا، شہزادہ شجاع کی صوبے داری کے زمانے میں ۱۶۵۸ء کے قریب واقع ہوا اور تیسرا بندوبست نواب مرشد قلی خاں کی صوبے داری میں اورنگ زیب کی وفات کے بعد ۱۷۲۲ء میں وقوع میں آیا۔ ملاحظہ ہو۔ (EARLY REVENUE HISTORY OF BENGAL AND FIFTH REPORT BY F.D. ASCOLI M.A.)

لیکن اس بیان سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ایک بندوبست سے دوسرے بندوبست کے درمیان اس بارے میں کوئی کارروائی عمل میں نہ آئی ہوگی کیوں کہ مغلیہ سلطنت قائم ہونے پر اکبر کے زمانے میں ۱۵۷۹ء میں شاہی دیوان[52] کا عہدہ قرار پا چکا تھا۔ اور بادشاہی دیوانی کی طرح ہر حاکم صوبہ کے ساتھ بھی دیوان مقرر ہوتا تھا۔

---

[51] واضح ہو کہ اکبر سے بہت پہلے شیر شاہ نے زمین کی اقسام و مال گزاری کے متعلق بہت سے آئین بنائے تھے جو اکبر کے زمانے میں بھی جاری رہے اور بعض صورتوں میں اب تک جاری ہیں۔

[52] دیوان کا خاص کام یہ ہوتا تھا کہ اوّل ہر قسم کی آمدنی وصول کر کے شاہی خزانے میں داخل کرے اور زمینوں کے بندوبست پیداوار اور مال گزاری اور خراج شاہی وغیرہ کا معقول انتظام رکھے اور تمام جاگیریں اور انعام وغیرہ جو شاہی حکم سے دیے جاتے تھے۔ یا جو مصارف شاہی حکم سے ہوتے تھے ان کے متعلق تمام کارروائی اور جمع و خرچ کا نظم رکھے۔

زمین کی پیداوار میں شاہی حصّہ یا "مال گزاری" کو اصل کاشت کار سے وصول کر کے شاہی خزانے میں داخل کرنے والے زمین دار ہوتے تھے۔ سلاطین مغلیہ کے عہد میں ان کی قانونی حیثیت کمیشن ایجنٹ یا ٹھیکے دار کی سی تھی۔ جو مواضعات ان کے ساتھ بندوبست کیے جاتے تھے اس میں سے شاہی مال گزاری دینے کے بعد تخمیناً آٹھواں حصّہ ان کا محنتانہ ہوتا تھا لیکن درحقیقت یہ لوگ اس سے بہت زیادہ رقم حاصل کر لیتے تھے۔ جب تک شاہی خزانے میں مال گزاری قسط بہ قسط وصول ہوتی رہتی تھی، اس وقت تک حکومت کی طرف سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ ہوتی تھی بلکہ ایک مدت تک زمین دار رہنے کے بعد یہ لوگ اپنے حقوق کو مستقل یا موروثی قرار دے کر منتقل کرنے کا مجاز سمجھتے تھے۔ لیکن حکومت نے حقِ زمین داری کو موروثی یا مستقل حقیقت قرار نہ دیا تھا اور وقت پر مال گزاری ادا نہ کرنے پر اکثر زمین داریاں چھین لی جاتی تھیں۔ مثلاً ترہت کا علاقہ دربھنگہ کے راجا کے ساتھ ایک لاکھ روپے سالانہ سرکاری مال پر بندوبست کیا گیا تھا۔ راجا مذکور نے شاید کچھ فاضل رقم رعایا سے لے کر دبالی یا اسی قسم کا کوئی شبہ ہونے پر نواب علی وردی خان نے راجا مذکور کو بجائے زمین دار کے محض مال گزار بنا دیا۔ اور چند مواضعات اس کے لیے چھوڑ کر سرکاری مال گزاری پر دو فی صد اس کا حق المحنت مقرر کر دیا۔ اسی طرح عالی جاہ میر قاسم علی خاں نے بھی کئی زمین داریاں چھین لی تھیں۔

بہر حال حکومت کی باگ انگریزوں کے ہاتھ میں آنے سے پہلے ہی سلطنت مغلیہ کے اصول نظم و نسق درہم و برہم ہو چکے تھے۔

۱۷۶۵ء کے بعد انگریزوں نے اوّل سالانہ بندوبست کیا لیکن کچھ

مفید ثابت نہ ہوا۔ زمین دار آیندہ سال کی توقع نہ رکھتے تھے۔ اس لیے ایک سال کی مدت میں جس قدر ممکن تھا حاصل کر لینا چاہتے تھے۔ اور کاشت کار بھی جانتے تھے کہ شاید آیندہ سال نئے زمین دار سے سروکار رہے۔ اس لیے بے پروائی کرتے تھے اکثر بندوبست ایسے لوگوں کے ساتھ کیا گیا جن کو پہلے سے زمین داری و کاشت کاری کا ذاتی تجربہ نہ تھا۔ اور تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت کو مال گزاری وصول کرنے میں دقتیں پیش آئیں۔ اور حاجت کا تقاضا تھا کہ مال گزاری وقت پر وصول ہوا کرے۔ یک سالہ بندوبست سے کام نہ چلنے پر پنج سالہ بندوبست شروع کیا گیا۔ کچھ دن مرشدآباد اور پٹنہ کی کونسلوں کے ذریعے نظم جاری رہا اور مال گزار و عامل مقرر کر کے انتظام جاری رکھنے کی کوششیں عمل میں آئیں لیکن بالاخر ۱۷۸۶ء میں کورٹ آف ڈائرکٹرز نے دہ سالہ بندوبست کرنے کی ہدایت کی اور یہ بھی حکم دیا کہ دہ سالہ بندوبست کر کے مال گزاری کی رقم مستقل طور پر قرار رکھی جائے۔

لارڈ کارنوالس نے ۱۷۹۰ء تک یک سالہ[1] بندوبست جاری رکھا اور اس کے بعد دہ سالہ بندوبست مقرر کر دیا۔ یہی دہ سالہ بندوبست ۱۷۹۳ء سے بندوبست دوامی قرار پایا۔ بندوبست دوامی کی تجویز میں انگلینڈ کے وزیر اعظم ولیم پٹ کی رائے کو خاص طور پر دخل تھا۔ جس وقت لارڈ کارنوالس کی تحریک انگلینڈ میں ڈائرکٹروں کے پاس پہنچی ان لوگوں کو بہار و بنگالے کے حالات کا اس قدر تجربہ نہ تھا کہ اس مسئلے میں کوئی صحیح رائے قائم کرتے۔ مزید برآں سر جان شور کی صلاح بندوبست دوامی کے خلاف تھی اور ان کی صلاح کو اکثر ڈائرکٹر بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ آخر مسٹر ڈنڈاس "

---

[1] بعض صورتوں میں سہ سالہ و پنج سالہ۔

صدر نے یہ تحریک کی کہ اس اہم مسئلے میں وزیر اعظم سے صلاح لینی چاہیے۔ وزیر اعظم نے دس دن تک اس مسئلے پر ہر پہلو سے غور و خوض کرکے بندوبست دوامی کی منظوری کی صلاح دی۔

اس ملک میں اب تک یہ مسئلہ زیر بحث ہے کہ بندوبست دوامی گورنمنٹ اور پبلک کے حق میں مفید ہے یا مضر۔ اس میں شک نہیں کہ بندوبست دوامی سے گورنمنٹ نے اپنے مال میں اضافہ کرنے کے متعلق اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس بندوبست کی بدولت زمینداروں نے گورنمنٹ کی بہت کچھ حمایت کی جس سے گورنمنٹ کو استقلال حاصل کرنے میں مدد ملی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اس دوامی بندوبست نے ہزاروں زمین داروں کو ناکارہ بنا رکھا ہے۔ اور کاشت کاروں کو بھی کوئی خاص فائدہ نہ پہنچا اور راقم کے خیال میں بندوبست دوامی سے زمینوں کی آبادی میں کوئی خاص ترقی نہ ہوئی۔

سلطنت مغلیہ کے آخری زمانے میں صوبے داروں نے زمین کے مال کے علاوہ آمدنی کے اور بھی ابواب قائم کر لیے تھے [1] اول اول نواب مرشد قلی خاں نے ابواب وصول کیے جو علی وردی خاں اور میر جعفر خاں کے زمانے تک قائم رہے۔ میر قاسم نے اس پر کیفیات اور توفیر کا اضافہ کیا۔ کیفیات سے سابق ابواب میں اضافہ مراد ہے۔ اور توفیر سے کسی نئی آمدنی پہ تشخیص مراد ہے۔ انگریزی حکومت میں ایک نئی چیز انکم ٹیکس ہے۔ ہزار روپے سے زیادہ سالانہ آمدنی پر دو پائی فی روپیہ کے حساب

---

[1] آج تک اکثر زمین دار یا ان کے ملازم رعایا سے اتنی قسم کے ابواب ناجائز وصول کرتے ہیں کہ ان کی فہرست کو ایک دفتر چاہیے۔

سے گورنمنٹ وصول کرلیتی ہے۔ چاہے وہ آمدنی نوکری سے حاصل ہو یا تجارت وغیرہ سے۔ ابتدا میں یہ ٹیکس خاص ضرورت سے عائد کیا گیا تھا۔ لیکن اب اس کے موقوف ہونے کی امید نہیں۔ حالاں کہ راقم کے علم میں کوئی شخص اس کو خوشی سے ادا نہیں کرتا۔

بہرکیف بندوبست دوامی کا حکم صادر ہونے پر ضلع بہار میں حسب ذیل پرگنات بندوبست کردیے گئے۔

(۱) پرگنہ راج گیر بنام یحییٰ علی خان برادر نواب علی ابراہیم خان۔

(۲) پرگنہ بسوک و بھیم پور بنام کریم قلی خاں وغیرہ ورثا نواب منیر الدولہ (۱۷۸۱ء میں یہ پرگنے نواب موصوف کی جاگیر میں تھے)

(۳) پرگنہ تلاڑھا بنام میر محمد باقر علی خاں (جو نواب سراج الدولہ کی بہن کی اولاد سے تھے)

(۴) حصص پرگنہ شاہ جہان پور و بھیم پور بنام شیخ فیض اللہ مورثِ اعلیٰ چودھری ظہور صاحب ساکن اسلام پور (سابق میں یہ بھی نواب منیر الدولہ کی جاگیر میں تھا)

(۵) پرگنہ اوکڑی دسنوت بنام راجا مترجیت سنگھ۔

(۶) پرگنہ مسوڑھا بنام راجا جسونت سنگھ (ساکن دھرہرہ)

(۷) پرگنہ بیکٹ پور بنام بالو اُدونت سنگھ۔

(۸) پرگنہ غیاث پور چند شخصوں کے نام بندوبست ہوا تھا۔ لیکن دو تین برس کے اندر واپس لیا گیا۔ اس میں اکثر التمغا اور جاگیریں وغیرہ تھیں۔

ا۔ ڈیڑھ ہزار سے زیادہ آمدنی پر چار پائی فی روپیہ اور اسی طور پر ٹیکس کی رقم میں اضافہ ہوتا ہے جس سے آمدنی کا ایک حصہ گورنمنٹ کے خزانے میں پہنچ جاتا ہے۔

(۹) پرگنہ سانڈہ ۱۷۹۲ء میں دوبارہ بعض زمین داروں کے ساتھ بندوبست کیا گیا۔ اس پر بھی نصف کے قریب علاقے جو جاگیرداروں اور التمغادارون کے قبضے میں تھے بندوبست سے چھوٹ گئے۔

---

(۱۸) پراونشیل کورٹ آف اپیل ۱۷۹۳ء

۱۷۹۳ء میں پٹنہ میں اور اسی طرح ڈھاکے میں پراونشیل کورٹ آف اپیل یعنی حکام صوبے کے فیصلوں کے خلاف درخواستوں کی سماعت کے لیے عدالتیں قائم ہوئیں لیکن ۱۸۳۳ء میں یہ عدالتیں بند کر دی گئیں۔

---

(۱۹) ترہٹ وچمپارن کی طرف انگریز اور گورکھوں کا معاملہ ۱۷۸۹ء تا ۱۸۱۶ء

میر قاسم کا نیپال پر فوج کشی کرنا مذکور ہو چکا ہے اس کے دو برس بعد گورکھوں نے مکوان پور کے زمین دار کو مغلوب کرکے رفتہ رفتہ ترائی کے اکثر علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ اور ان کے راجا پرتھوی نرائن نے ضلع چمپارن میں بائیس مواضعات پر دخل جمایا۔ اس کے چند سال بعد گورکھوں کی چڑھائی سے خائف ہو کر کاٹھ مانڈو کے نوار راجا نے انگریزوں سے مدد چاہی۔ انگریزوں نے میجر کنلاخ (MAJOR KINLOCH) کے تحت میں ایک مختصر فوج روانہ کی لیکن اس سے کوئی خاطر خواہ نتیجہ پیدا نہ ہوا۔ بلکہ گورکھوں نے کاٹھ مانڈو پٹن اور بھٹ گانو وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ اور

نیپالیوں کو شہنشاہ چین کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ گورکھوں نے بودھ مذہب کی بعض چیزوں کی توہین بھی کی تھی۔ اس لیے شاہِ چین نے گورکھوں کے مقابلے کے لیے بارہ ہزار سپاہ روانہ کی۔ سنہ ۱۷۹۲ء میں چین کی فوج باوجود راہ کی صعوبت اور بُعد کے۔ کاٹھمانڈو سے بارہ کوس پر پہنچ گئی۔ اس وقت گورکھوں نے مجبوراً شاہ چین کے ماتحت رہنا قبول کر کے صلح کر لی۔ لیکن انگریزوں سے بھی ایک تجارتی معاہدہ کر لیا۔ انگریز قبل سے تجارتی عہد و پیمان کے خواہاں تھے۔ چناں چہ سنہ ۱۷۸۱ء میں وارن ہیسٹنگس نے مکوان پور کے راجا کا علاقہ اور چمپارن کے بائیس مواضعات گورکھوں کے تحت میں ہونا تسلیم کر لیا تھا۔ اور ایک فیل بطور نذرانہ ہر سال لینا قبول کر کے صلح کی تھی۔

سنہ ۱۸۰۱ء میں گورکھوں اور انگریزوں کے درمیان ایک اور معاہدہ مقام داناپور میں قرار پایا۔ جس کی شرطوں کے مطابق کاٹھمانڈو میں انگریزی سفیر (رزیڈنٹ) متعین ہوا۔ اور انگریزوں کی سرحد میں ڈاکہ دینے والوں اور بدمعاشوں کی گرفتاری کے متعلق قانونی عمل درآمد طے پایا۔ اور انگریزوں نے ایک ہاتھی سالانہ نذرانہ لینا اٹھا دیا۔ لیکن گورکھوں نے تمام شرائط کی پابندی نہ کی اور انگریزی سفیر کی توہین کرتے رہے۔ اس لیے سنہ ۱۸۰۴ء میں لارڈ ولزلی گورنر جنرل نے اس معاہدے کو منسوخ کر دیا۔

اس کے بعد گورنمنٹ کو ترہت کے کلکٹر کی رپورٹ سے معلوم ہوا کہ سنہ ۱۷۸۷ء سے سنہ ۱۸۱۲ء کے درمیان گورکھوں نے دو سو مواضعات پر قبضہ کر لیا ہے اس لیے سنہ ۱۸۱۳ء میں لارڈ ہیسٹنگز (LORD HASTINGS) نے گورکھوں کو ان مواضعات سے ہٹ جانے کو لکھا لیکن گورکھوں نے اس

کی کچھ پروا نہ کی۔ دوسرے سال انگریزوں نے متفرق گھاٹیوں سے نیپال پر چڑھائی کردی۔ گورکھوں نے نہایت بہادری سے مقابلہ کیا۔ لیکن نومبر ۱۸۱۵ء میں مقام سگولی ضلع چمپارن میں انگریز اور گورکھوں کے درمیان صلح کی ٹھیر گئی۔ گورکھوں نے اس وقت تک کوئی ایسی شکست نہیں کھائی تھی۔ اور صلح نامہ کے رو سے ان کو ترائی کے علاقے انگریزوں کے حوالے کر دینا ہوتا تھا۔ اس لیے نیپال کے دربار نے اس کو منظور نہ کیا اور ۱۸۱۶ء میں دوبارہ جنگ چھڑ گئی۔ اس دفعہ جنرل اکٹرلونی نے چمپارن کی طرف سے بیس ہزار فوج روانہ کر کے نیپال پر چڑھائی کردی۔ اور بعض مقاموں پر قبضہ کر کے کاٹھ مانڈو پر حملہ کرنے کا تہیہ کیا۔ گورکھوں نے مجبور ہو کر سگولی والے صلح نامے کو قبول کر کے دستخط کر دیے۔ اسی صلح نامے کی رُو سے کمایوں کے علاقے جن میں شملہ، نینی تال اور مسوری بھی شامل ہیں انگریزوں کے قبضے میں آ گئے۔ گورکھوں کو سکّم سے بھی دست بردار ہونا پڑا اور اس وقت سے کاٹھ مانڈو میں مستقل طور پر انگریز رزیڈنٹ رہنے لگا۔[1]

---

(۲۰) کاشت کاری اور عام اقتصادی حالات کی تحقیقات

۱۸۰۷ء تا ۱۸۱۴ء

انگریزی حکومت میں اول اول ۱۸۰۷ء میں لارڈ منٹو گورنر جنرل کے حکم سے ڈاکٹر فرانسس بکانن (FRANCIS BUCHANAN) نے صوبہ بہار و بنگالے میں کاشت کاری اور عام اقتصادی حالات کے متعلق تحقیقات شروع

---

[1] ہسٹری آف بنگال بہار اینڈ اڑیسہ انڈر برٹش اول صفحہ ۶۳۲۔

کی۔ صوبہ بہار میں اضلاع پورنیہ بھاگل پور بہار (جس میں حصص پٹنہ۔ گیا۔ مونگیر بھی شامل تھے) شاہ آباد میں سفر کر کے ضروری حالات قلم بند کیے۔ ان کی رپورٹیں جو پچیس جلدوں میں ہیں۔ وزیر ہند کے دفتر میں موجود ہیں۔ اور اب ان کا بیشتر حصہ متفرق ضلع کے حالات میں علیحدہ علیحدہ شائع ہو گیا ہے جو بکانن ہملٹن کے جرنل کے نام سے موسوم ہے۔

(۱) ضلع پورنیہ کے حالات میں صاحب موصوف نے لکھا کہ ایک روپیہ اس علاقے میں ایک بڑی رقم سمجھی جاتی ہے۔ کیوں کہ یہ کاشت کاری کے مزدوروں کی دو مہینے کی تنخواہ کے برابر ہے اور یہاں دو پیسے ایک خدمت گار کی یومیہ تنخواہ ہوتی ہے۔ لیکن یہ سکہ بھی یہاں زیادہ دستیاب نہیں۔ بعض جگہ غربا کو نمک تک دستیاب نہیں ہوتا۔ اور اس کے عوض میں یہ بعض لکڑیوں کی خاک کو کھانوں میں ملا کر کھاتے ہیں۔ غلاموں کی خرید و فروخت کا عام رواج ہے۔ اور لڑکے اور لڑکیاں اپنے سن و سال کے مطابق پانچ روپے سے بیس روپے تک فروخت ہوتے ہیں۔ غربا کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ جب یہ مرنے لگتے ہیں تو ان کو راستے کے قریب چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اگر کوئی غریب اچانک مر جائے تو اس کی لاش کو خفیہ طور پر ایسی جگہ پھینک دیتے ہیں جہاں کتے ان کو کھا جاتے ہیں۔"

(۲) ضلع شاہ آباد کے متعلق بھی قریب قریب یہی حالات لکھے ہیں۔ یہاں بھی لڑکے پندرہ روپے کو اور لڑکیاں بیس روپے کو فروخت ہوتی تھیں۔ اور لوگ غریبوں کو مرتے وقت بستی سے باہر پھینک آتے تھے۔ ایک مرد خدمت گار کی تنخواہ کھانے اور کپڑے کے علاوہ آٹھ آنے سے ایک روپیہ تک ماہوار ہوتی تھی۔ کاشت کاروں کے مکانوں میں بجائے کھڑکیوں اور دروازوں کے

موکھے اور کھلے ہوئے شگاف بنے ہوئے تھے۔

---

(۲۱) فارسٹ صاحب کے چشم دید حالات ۱۸۲۴ء

۱۸۲۴ء میں فارسٹ صاحب نے عظیم آباد پٹنہ کی سیاحت کی، اور یہاں کے چشم دید حالات کے سلسلے میں لکھا ہے کہ "عظیم آباد نہایت قدیم شہر اور صوبہ بہار کا دارالحکومت ہے۔ شہر کے گرد دیوار اور خندق ہے جو مرمت نہ ہونے کے سبب خراب ہو گئی ہے۔ ایک گرجا رومن کتھولک عیسائیوں کا ہے اور ایک مدرسہ مسلمان شیوخ کا ہے۔ اور انگریز اور ڈینش قوموں کی تجارتی کوٹھیاں ہیں۔ قلعے کے آثار ہنوز باقی ہیں۔ عیسائیوں کے گورستان میں ایک ستون ان انگریزوں کی یادگار میں بنایا گیا ہے۔ جو ۱۷۶۳ء میں بے رحمی سے قتل کیے گئے[۱]"

---

(۲) ضلع پٹنہ مقرر ہونا ۱۸۲۵ء

۱۸۲۵ء میں حکامِ انگریزی نے پٹنہ کو خاص ضلع مقرر کیا۔ اس وقت پرگنہ بہار و پرگنہ راج گیر اس ضلع میں شامل نہ تھے۔ یہ پرگنے عرصۂ دراز کے بعد ۱۸۶۵ء میں (غدر کے آٹھ برس بعد) ضلع پٹنہ میں شامل کیے گئے۔

۱۸۳۲ء و ۱۸۳۶ء میں ضلع پٹنہ کے مشرقی حدود سے بعض حصص خارج ہو کر ضلع مونگیر میں شامل کر دیے گئے۔ موجودہ حدود و نقشوں سے ظاہر

---

[۱] دیکھو لورالانگ دی گنجر و مارٹنز ایسٹرن انڈیا مطبوعہ ۱۸۳۸ء

ہوں گے۔

---

(۲۳) ۱۸۳۳ء کا زلزلہ[1]

۹ ربیع الثانی ۱۲۴۹ھ مطابق ۲۶ اگست ۱۸۳۳ء کو شدید زلزلہ واقع ہوا۔ اس کی کیفیت حضرت شاہ ابوالحسن فرد کی یادداشت میں مذکور ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

تاریخ ۹ ربیع الثانی ۱۲۴۹ھ مطابق ۱۲ بھادوں سدی پہلے ۹ تاریخ کی رات کو اس شدت کا زلزلہ ہوا کہ مکانات گر گئے۔ شہر مدراس سے بنارس تک تمام اضلاع اور مہس اور نیپال کے پہاڑ کے دامن میں اور برم پور اور بہار وغیرہ ہر جگہ یہی حال ہوا۔ ۱۰ تاریخ کو دو پہر سے تھوڑا تھوڑا لرزہ شروع

---

[1] ہنوز راقم کی تاریخ شائع نہ ہوئی تھی کہ ۱۵ جنوری ۱۹۳۴ء مطابق ۲۸ رمضان ۱۳۵۲ھ روز دوشنبہ کو دن کے دو بج کر دس منٹ پر شدید زلزلہ واقع ہوا جس سے شہر مونگیر بالکل تباہ ہو گیا۔ مظفر پور، دربھنگہ، سیتا مڑھی اور بعض اضلاع میں بے شمار مکانات منہدم ہو گئے۔ اور زمین پھٹ کر پانی اور آبخرات کے ساتھ ریگ اور بالو فوارے کی طرح نکلے جس سے بعض مواضعات میں زراعتی زمین ریگستان اور جھیل کی طرح نظر آنے لگے۔ اور کھیتوں کی کوئی شناخت باقی نہ رہی۔ خاص عظیم آباد پٹنہ میں اکثر مکانات گر گئے یا شق ہو کر رہ گئے۔ شاہ آباد، گیا اور دوسرے شہروں میں بھی یہی حال پیش آیا۔ اور نیپال سے بھی اسی قسم کے واقعے کی خبریں معلوم ہوئیں۔ اس زلزلے سے تخمیناً دس بارہ ہزار اشخاص ہلاک اور مجروح ہوئے۔ خفیف لرزہ تادم تحریر ۲۱ مارچ ۱۹۳۴ء محسوس ہوتا رہتا ہے۔

ہوا۔ پھر رات کو پانچ بار زلزلہ ہوا، اس کے بعد ایک بار شدید زلزلہ ہوا۔ ایک گھڑی بعد پھر اس سے زیادہ شدید زلزلہ ہوا اور دیر تک محسوس ہوا۔ اور اس کے بعد سے یادداشت کی تاریخ یعنی ۲۵ ربیع الثانی تک تھوڑا تھوڑا زلزلہ محسوس ہوتا رہا۔ کبھی کچھ زیادہ بھی ہوا جس سے طاق پر سے بعض چیزیں نیچے آگئیں اور حقے سے چلم گر پڑی"۔

حضرت فرد کے بھائی جناب شاہ محمد ابوالحیات اور ان کے بھانجے شاہ محمد وصی احمد کی یادداشتوں میں بھی جو کتب خانہ مجیبیہ پھلواری شریف میں موجود ہے۔ اس زلزلے کا حال کسی قدر تفصیل کے ساتھ مندرج ہے۔

اس زلزلے کی تاریخ مولوی ابوتراب صاحب نے یوں کہی تھی۔

(۱) تواتر زلزلہ ۱۲۴۹ (۲) بیماری لرزہ شد زمیں را امسال ۱۲۴۹

مذکورہ بالا یادداشتوں کے علاوہ جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی بنگالے کے پرانے پرچے میں بھی ۲۶ اگست ۱۸۳۳ء کو شدید زلزلہ واقع ہونا بعض ضروری تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

---

(۲۴) ۱۸۳۷ء میں فارسی زبان کا رواج اٹھا دیا جانا

لارڈ اکلینڈ کی حکومت کے زمانے میں ۱۸۳۷ء میں عدالتوں اور محکموں سے فارسی زبان کا رواج اٹھا دیا گیا۔

---

(۲۵) پٹنہ کے وہابیوں کی سرگزشت ۱۲۳۳ھ تا ۱۳۰۰ھ

گزشتہ صدی میں ایک بڑا واقعہ جو وہابیوں کی بغاوت کے نام سے مشہور ہے۔ اس کو صوبہ بہار پٹنہ کی تاریخ سے خاص تعلق ہے۔ بارھویں صدی ہجری کی ابتدا میں عبدالوہاب نامی لیڈر کی تعلیم سے نجد میں ایک مذہبی فرقہ قائم ہوا۔ جس کا منشا مسلمانوں میں لغو رسم و رواج باطل اعتقادات اور اوہام پرستی کو دور کرنا تھا۔ ہندستانی حاجیوں نے حج سے واپس آکر ہندستان میں بھی اس کا چرچا پھیلایا۔ اور رائے بریلی میں سید احمد صاحب نے جو ایک ذی اقتدار اور مشہور و معروف عالم، باعمل تھے۔ مسلمانوں میں مذہبی اصلاح اور تبلیغ و اشاعت شروع کی۔ اتفاقاً اسی زمانے میں سکھوں کے جتھے سے پنجاب میں مسلمانوں کو ایذا پہنچ رہی تھی اور مسلمانوں کے مذہبی فرائض ادا کرنے میں بھی سخت روک ٹوک ہوتی تھی۔ اس لیے سکھوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ صادر ہوا ۱۲۳۳ھ کے قریب حج کو جاتے ہوئے سید احمد صاحب کا قافلہ عظیم آباد پٹنہ میں وارد ہوا۔ اس وقت مولوی ولایت علی ساکن صادق پٹنہ نے جو اس زمانے میں تارک الدنیا ہو کر فقیرانہ وضع سے لکھنؤ میں رہتے تھے۔ اور سید احمد صاحب کے ارادت مندوں میں تھے۔ اپنے قرابت مندوں کو لکھ بھیجا کہ سید صاحب پٹنہ جا رہے ہیں ان سے ارادت حاصل کرنی چاہیے۔ سید احمد صاحب کے پٹنہ آنے پر مولوی ولایت علی کے علاوہ مولوی عنایت علی مولوی شاہ محمد حسین، مولوی الٰہی بخش و مولوی احمد اللہ (پسر مولوی الٰہی بخش) ساکنان صادق پور پٹنہ جو اس زمانے میں خود بھی علم و فضل میں شہرت رکھتے تھے۔ سید احمد صاحب سے ملے لیکن اس وقت سید احمد صاحب نے

چند دن قیام کرکے بنگالے کی طرف کوچ کیا۔
سنہ ۱۲۲۵ھ میں سید احمد صاحب کا قافلہ حج سے واپس ہو کر متعدد کشتیوں پر پانچ چھ سو مریدوں کے ساتھ پٹنہ میں مدرسہ گھاٹ کے پاس وارد ہوا۔ سید احمد صاحب نے اس دفعہ صادق پور میں قیام کیا، اور علمار صادق پور کا سارا خاندان حلقۂ ادارت میں داخل ہوا۔ اس زمانے میں ہندوؤں نے رسم ورواج کے اثر سے مسلمان شرفا بیواؤں کی شادی کو سخت معیوب سمجھتے تھے۔ سید احمد صاحب کی تلقین سے عظیم آباد پٹنہ میں اوّل اوّل صادق پور کے خاندان میں ایک بیوہ کا عقد ہوا اور یہ جاہلانہ رسم توڑی گئی۔
سید احمد صاحب نے مولوی ولایت علی و مولوی عنایت علی و مولوی شاہ محمد حسین کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ اور پنجاب کے مسلمانوں کی امداد کے لیے ضروری سامان فراہم کرنے کی تاکید کی۔ جب سید احمد صاحب کا قافلہ روانہ ہوا مولوی ولایت علی و مولوی عنایت علی و مولوی طالب علی و مولوی باقر علی بھی ہمراہ ہوئے۔ پھر کچھ اور لوگ بھی ان سے جا ملے۔ سید احمد صاحب نے افغانستان کا سفر کیا۔ اس وقت مولوی ولایت علی و مولوی عنایت علی بھی معیت میں موجود تھے۔

مولوی ولایت علی و مولوی عنایت علی و مولوی شاہ محمد حسین نے اپنی جد وجہد سے ایک بڑی جمعیت فراہم کرلی اور تمام بنگالہ و بہار کے لیے عظیم آباد پٹنہ کو اپنی تنظیم کا صدر مقام قرار دیا۔ مریدوں کی اعانت سے کثیر رقم بھی جمع ہوگئی۔ اس کے بعد سنہ ۱۲۴۱ھ (سنہ ۱۸۲۶ء) کے قریب سید احمد صاحب نے سکھوں کے خلاف اعلانِ جنگ کردیا۔ ۱۲۴۴ھ (سنہ ۱۸۳۰ء) کے قریب سید احمد صاحب نے پشاور پر قبضہ کرلیا۔ لیکن دوسرے سال

(۱۲۴۵ھ) ۱۸۳۱ء میں سید احمد صاحب ایک معرکے میں شہید ہوئے۔ کچھ مدت کے بعد مولوی ولایت علی و مولوی عنایت علی نے پٹنہ کے علاقوں سے ایک جمعیت فراہم کرکے پنجاب پر چڑھائی کی۔ اور دریائے اندس کے بائیں جانب مُلک پنجاب کو کشمیر کی سرحد تک فتح کرلیا۔ سکھوں نے ہزیمت اٹھاکر انگریزوں کا سہارا پکڑا۔ انگریزوں نے ان مولویوں کو اطلاع دی کہ سکھوں کے سردار گلاب سنگھ سے ہم سے معاہدہ ہے۔ اس لیے تم ان کی مخالفت نہیں کرسکتے۔ اس سے سکھوں کے علاوہ انگریزوں سے بھی مخالفت پیدا ہوگئی۔ انگریزی فوج سکھوں کی طرف داری میں وہابیوں کی جمعیت کو منہزم کرنے لگی۔ یہاں تک کہ ۱۸۴۸ء میں ان کو تمام مفتوحہ علاقوں سے بے دخل کردیا۔

مولوی ولایت علی و مولوی عنایت علی بھی گرفتار کرکے پٹنہ لائے گئے اور چار برس تک کوئی باغیانہ حرکت نہ کرنے کے لیے ہر ایک سے دس دس ہزار روپے کا مچلکا لیا گیا۔ اس مدت کے گزرنے پر مولوی عنایت علی نے پھر ایک جمعیت قائم کرکے پنجاب پر دھاوا کیا۔ لیکن انگریزوں نے شکست فاش دی۔ اس معرکے میں کرم علی درزی ساکن داناپور متعدد ساتھیوں کے ساتھ قتل ہوا۔

۱۸۵۷ء میں ولیم ٹیلر[۱] نامی پٹنہ میں کمشنر کے عہدے پر ممتاز تھا۔ تذکرۂ صادقہ میں لکھا ہے کہ بعض نودولت رؤسائے شہر کمشنر کی نظر میں خیرخواہ بننے کی غرض سے یا کسی اور سبب سے مولویوں کے خلاف جھوٹ سچ لگایا کرتے تھے۔ چناں چہ کمشنر نے ۱۸ جون ۱۸۵۷ء کو مولوی احمداللہ و مولوی شاہ محمد حسین ساکنان صادق پور اور مولوی واعظ الحق ساکن بخشی محلہ کو

---

[۱] TWENTY EIGHT YEARS IN INDIA BY W. TAYLER

ملاقات کے بہانے سے اپنی کوٹھی میں بُلوا کر نظر بند کر لیا۔ اور اس کے بعد ہی تمام اہلِ شہر سے ہتھیار بھی رکھوا لیے۔ ان مولویوں کو تخمیناً تین مہینے نظر بند رکھنے کے بعد دوسرے حکام کے ذریعہ تحقیقات کرنے پر گورنمنٹ کو معلوم ہوا کہ یہ لوگ محض شبہ پر گرفتار کر لیے گئے ہیں۔ اس لیے گورنمنٹ نے ان کو آزاد کر دیا۔ اور ولیم ٹیلر کمشنر کو معتوب کر کے ملازمت سے برطرف کر دیا۔ لیکن نوکری چھوٹنے پر بھی اس نے پٹنہ کو نہ چھوڑا اور یہیں رہ کر وکالت کا پیشہ شروع کیا۔ نئے کمشنر نے تلافی مافات کے لیے مولوی احمد اللہ کو ڈپٹی کلکٹر کے عہدے پر جو اس زمانے میں ہندستانیوں کے لیے غیر معمولی عزت کی نوکری تھی۔ بحال کیا۔ اور اسی طرح مولوی واعظ الحق کو بھی عہدہ دیا گیا۔ لیکن مولوی احمد اللہ نے کچھ دنوں کے بعد استعفا دے دیا۔ اور مولوی واعظ الحق نے مکے کو ہجرت کی۔ اور وہیں انتقال کیا۔ اپنی اولاد کو جائداد حوالے کرنے کے بعد جو کچھ نقد ساتھ لے گئے تھے اس سے مکے میں مکان بنوا کر غربا، حجاج، اور طالب علموں کے لیے وقف کر دیا۔

ان واقعات کے بعد ہی ۱۸۵۷ء کا غدر پیش آیا جو آیندہ اوراق میں علیحدہ مذکور ہوگا۔ غدر کے کئی برس بعد ۱۲ شعبان ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۴ء کو یکایک الگزنڈر نامی مجسٹریٹ پٹنہ اور پارسن نامی سپرنٹنڈنٹ پولس ضلع انبالہ (پنجاب) نے بعض افسروں اور کانسٹبلوں کے ساتھ آکر مولوی احمد اللہ و مولوی یحییٰ علی کے مکان کا محاصرہ کیا۔ پھر مکان کے اندر گھس کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ اور مولوی عبدالرحیم و میاں عبدالغفار سے بعض سوالات کر کے واپس گئے۔ لیکن تیسرے دن پھر بطور اوّل آکر مکانوں میں جس قدر خطوط یا قلمی کتابیں پائیں اٹھا کر لے گئے۔ اور

مولوی عبدالرحیم و مولوی یحییٰ علی کو بھی گرفتار کرکے حوالات کا حکم دیا مولوی یحییٰ علی سے دس ہزار رُپے کی ضمانت طلب کی گئی۔ اور علامہ حکیم عبدالحمید (اسپر مولوی احمد اللہ) نے اس کی فراہمی کا سامان بھی کیا لیکن چند دلوں کے بعد یہ حکم ہی منسوخ کردیا گیا۔ اسی سلسلے میں ہندستان کے مختلف حصص میں اور بھی گرفتاریاں عمل میں آئی تھیں۔ ۲۶ رمضان ۱۲۸۰ھ کو گرفتار شدہ لوگ انبالے بھیج دیے گئے اور گیارہ ملزموں پر جن میں پانچ اشخاص پٹنہ کے رہنے والے تھے بغاوت کا مقدمہ قائم ہوا۔ تذکرہ صادقہ صفحہ ۶۶ میں لکھا ہو کہ پولیس نے زبردستی سے کسی طرح جرم ثابت کرایا۔ اور صدرالدین نامی ایک لڑکے کو جو منشی محمد جعفر کے مکان میں رہتا تھا۔ سکھا پڑھا کر شہادت میں پیش کیا تھا لیکن اجلاس پر آکر یہ لڑکا سکھائی ہوئی بات بھول گیا۔ اور جرح میں کچھ اور کہ دیا۔ اس پر اسی رات کو پولس نے اس قدر مارا کہ صدمے سے وہ لڑکا مرگیا۔

جرم ثابت ہونے پر جج نے مولوی یحییٰ علی و منشی محمد جعفر و محمد شفیع کے حق میں پھانسی کا حکم دیا۔ اور باقی مجرموں کے لیے حبس دوام بہ عبور دریائے شور تجویز کیا۔ لیکن عدالت عالیہ نے پھانسی کے حکم کو تبدیل کرکے حبس دوام کردیا۔ ۱۸۶۵ء میں پٹنہ میں مولوی احمد اللہ پر بغاوت کا مقدمہ قائم کیا گیا اور جج نے ان کے لیے پھانسی کا حکم دیا لیکن عدالت عالیہ نے اس کو تبدیل کرکے حبس دوام کردیا۔ مولوی احمد اللہ کی ساری جائداد بھی (جس میں وہ جگہ بھی تھی جہاں اس وقت پٹنہ سٹی میونسپلٹی کا دفتر ہو۔ اور اسی کے پاس خاندانی ہڑواڑ بھی تھی) ضبط کرلی گئی۔

انالی صاحب اپنی تاریخ (صفحہ ۱۲، ۷) میں لکھتے ہیں کہ ان ضبط شدہ جائداد

سے شہر کو درست کرنے کا کام لیا گیا۔[۵]

سزا کا حکم ہونے پر تمام قیدی (۱۱ر جنوری ۱۸۶۶ء) کو جزیرہ انڈمان بھیج دیے گئے۔

---

(۲۶) امیر خان و حشمت داد خان کا مقدمہ ۶۸-۱۸۶۹ء

خاندان صادق پور کے ارادت مندوں میں امیر خان و حشمت داد خان وغیرہ تاجران چرم (ساکنان محلہ عالم گنج پٹنہ) بڑے دولت مند اور ذی اقتدار تھے۔ ۱۸۶۸ء میں حکام کو کسی ذریعے سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ بھی سرحد کے مسلمانوں سے ساز باز رکھتے ہیں اور جہاد کے لیے چندے فراہم کرتے ہیں۔ ۱۸۶۹ء میں حکام نے سات آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔ گرفتار شدہ لوگوں کی جانب سے درخواستیں پڑنے پر بالآخر پرنسپ نامی جج نے پانچ آدمیوں کے لیے سزائے حبس دوام تجویز کی اور ضبطی جائداد کا بھی حکم دیا مگر بعد میں ہائی کورٹ نے صرف امیر خاں اور ایک شخص کے حق میں یہ سزا بحال رکھی اور باقی لوگوں کو مخلصی دی۔

متذکرہ بالا مقدمات سے صادق پور کے خاندان کا نمول جاتا رہا۔ اور امیر خان وغیرہ کی تجارت پر بھی تباہی آئی۔ ۱۲۹۹ء میں جزیرہ انڈمان میں ان قیدیوں میں سے صرف چھ اشخاص زندہ رہ گئے تھے جن میں مولوی عبد الرحیم میاں عبد الغفار و مولوی تبارک علی خاص پٹنہ کے رہنے والے

---

[۵] حالاں کہ شہر کی حالت ناگفتہ بہ ہے اور سڑکوں اور گلیوں کی نجس اور منحوس صورت اس کی شاہد ہے۔

تھے۔ ان کے اہل و عیال کی جانب سے درخواستیں گزرنے پر لارڈ رپن گورنر جنرل نے ان کے مقدمے کے کاغذات ملاحظہ کر کے رہائی کا حکم صادر فرمایا۔ اور ۱۸۸۳ء میں یہ لوگ ہندستان واپس آئے۔ اس کے قبل ہی ۲۰ ذی الحجہ ۱۲۹۸ھ کو جزیرۂ انڈمان میں مولوی احمد اللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور مولوی یحییٰ علی نے اس کے قبل وہیں انتقال کیا تھا۔

ان واقعات کے بعد صادق پور کے خاندان والوں نے سرکاری ملازمت اختیار کر لی۔ اور بعضوں نے گورنمنٹ سے خطاب بھی پائے۔ اب یہ لوگ بجائے وہابی کے غیر مقلد یا اہلِ حدیث کہے جاتے ہیں۔

---

(۲۷) خواجہ[1] حسین علی خاں پر بغاوت کا الزام ۱۸۴۶ء

۱۸۴۶ء میں عظیم آباد پٹنہ کے ایک مشہور و معروف رئیس خواجہ حسین علی خاں پر بغاوت کا الزام عائد ہوا۔ حکام کو کسی ذریعے سے خبر پہنچی کہ خواجہ صاحب نے دانا پور کی دیسی فوج کو بغاوت کے لیے اُبھارا ہے۔ حکام نے سید باقر نامی کوتوال اور داروغہ میرن جان کو خواجہ کی گرفتاری کے لیے تعینات کیا۔ کچھ دنوں تک خواجہ صاحب کا کچھ پتا نہ ملا۔ اس عرصے میں مجسٹریٹ نے زیادہ سختی کے ساتھ گرفتاری کے احکام جاری کیے۔ بالآخر خواجہ صاحب نے از خود حاضر ہو کر حکام کو مطمئن کر دیا۔ اور انھوں نے بھی خواجہ صاحب سے کوئی پرخاش نہ کی۔

---

[1] خواجہ صاحب کے خاندانی حالات کسی قدر کتاب کیفیت العارفین مولفہ حضرت شاہ عطا حسین صاحب گیاوی میں مذکور ہیں۔

(۲۸) صوبہ بہار میں تار برقی اور ڈاک خانے کی ابتدا ۱۸۵۴ء

مارچ ۱۸۵۴ء میں اول اول کلکتہ سے آگرہ تک صوبہ بہار ہوکر تار برقی کا سلسلہ قائم ہوا۔ اور بذریعہ تار خبریں اِرسال ہونے لگیں۔ اور پہلے جو مراسلت دنوں اور مہینوں میں ہوتی تھی لمحوں میں طے پانے لگی۔ اسی سال ڈاک خانے بھی کھولے گئے۔ اور بذریعے ڈاک خطوط آنے جانے لگے۔ پوسٹ کارڈ یعنی کھلا پرچہ صرف ایک پیسے میں اور بند لفافہ جس کا وزن نصف تولے سے زیادہ نہ ہو۔ دو پیسے میں بھیجا جاتا تھا۔

---

(۲۹) پٹنہ میں باغیوں کی ایک شورش ۱۸۵۷ء

مندرجہ بالا سطور میں وہابیوں کی سرگزشت اور چند واقعات مذکور ہو چکے ہیں۔ جن سے لوگوں کے جذبات کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ ۳ جولائی ۱۸۵۷ء کو اچانک پادری کی حویلی یعنی رومن کیتھالک گرجا کے احاطہ کے متصل گلی سے ساٹھ ستر آدمیوں کا ایک گروہ سبز جھنڈا لہراتا اور نقارے کے ساتھ یا علی کا نعرہ بلند کرتا ہوا شاہراہ پر آکر پورب کی طرف روانہ ہوا۔ راہ میں شہر کے لُچے لفنگے بھی ساتھ ہو لیے اور تھوڑی دیر میں سارے شہر میں ہل چل مچ گئی۔ حکام نے خبر پاتے ہی فوراً سکھوں کی پلٹن کو طلب کیا اور وہ حکم پاتے ہی آ پہنچی۔ لیکن اس کے قبل ڈاکٹر لائل سپرنٹنڈنٹ افیون گودام نے یہ سمجھ کر کہ باغی اس سے مرعوب ہوکر بھاگ جائیں گے۔ گھوڑے پر

سوار ہو کر ان کا تعاقب کیا۔ اس عرصے میں مفسدوں کا گروہ مچھر ہٹہ تک پہنچ گیا تھا۔ اسی جگہ کسی طرف سے ایک گولی آ کر صاحب موصوف کے لگی جس سے روح فوراً پرواز کر گئی۔ ہنگامہ کچھ اور بڑھنے والا تھا لیکن عین وقت پر سکھوں کی پلٹن پہنچ گئی اور باغی اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ ان میں سے ایک شخص مارا گیا۔ لیکن اس کی شناخت نہ ہوئی کہ کون تھا۔ اور امام الدین نامی لکھنؤ کا رہنے والا بھی پکڑا گیا۔

دوسرے دن گورہٹہ میں پیر علی (لکھنوی) کتب فروش کی دکان میں تلاشی ہونے پر بعض بغاوت انگیز تحریریں دستیاب ہوئیں اور اس کے بعد پیر علی بھی گرفتار کر لیا گیا۔ حکام نے خان بہادر دیوان مولا بخش سی۔ اس۔ آئی۔ ڈپٹی مجسٹریٹ کو مزید تحقیقات سپرد کی۔ اور نقارہ بجانے والے کی شناخت پر ننّو کہار۔ حاجی جان۔ گھسیٹا خلیفہ اکھاڑہ۔ اصغر علی۔ بدھن۔ اوصاف حسین مع برادران، اور شیخ عباس وغیرہ چند اشخاص گرفتار ہوئے۔ اور ان سب کو مع پیر علی کتب فروش پھانسی دی گئی۔ اور آخر میں شناخت کنندہ نقارہ بجانے والے کو بھی پھانسی دی گئی۔

---

(۳۰) داروغہ وارث علی اور مولوی علی کریم کی گرفتاری

انھی واقعات کے سلسلے میں ترہت کی طرف حکام نے نیل کے انگریز تاجروں کی مدد سے داروغہ وارث علی کو بھی گرفتار کرایا۔ اس کے پاس کوئی خط برآمد ہوا جو اس نے بغاوت کے مادے میں مولوی علی کریم زمین دار موضع دمڑی ضلع پٹنہ کو لکھا تھا۔ اس خط کے سبب مولوی علی کریم کی گرفتاری

کی تدبیر عمل میں آئی - آخر میں داروغہ وارث علی کو پھانسی دی گئی - مشہور ہے
کہ پھانسی کے وقت اس نے پکار کر کہا کہ کوئی ایسا ہے کہ بادشاہِ دہلی کو اس
کی خبر کرے!

---

(۱۳۱) صوبہ بہار میں ۱۸۵۷ء کے غدر کے واقعات

۱۸۵۷ء کا مشہور غدر ۱۰ مئی کو میرٹھ سے شروع ہوا جب کہ سپاہی
باغی ہو کر دہلی کی طرف دھاوا کیا۔ لیکن ان واقعات کو صوبہ بہار سے چنداں
تعلق نہیں۔ اس زمانے میں بنگالہ بہار کے شامل تھا اور بنگالے میں بارک پور
(کلکتہ) اور صوبہ بہار میں داناپور کی فوجی چھاؤنیاں (کنٹونمنٹ) دو مرکزی
مقام تھیں۔ داناپور کی چھاؤنی میں گوروں کی ایک پلٹن اور توپ خانے کے
علاوہ دیسی توپ خانہ اور ۷ ، ۸ ، ۴۰ کی دیسی پلٹنیں موجود تھیں۔ چوں کہ
۱۸۵۵ء میں سنتال پرگنہ میں سنتالیوں نے بغاوت کی تھی اس لیے انگریزوں
نے ایک دیسی رسالہ احتیاطاً مقام روہنی میں متعین کر رکھا تھا اور اس کا ایک
دستہ دیسی پلٹن کے ساتھ مقام بوسی ضلع بھاگل پور میں اور بعض دستے
دیوگھر اور رام پور ہاٹ میں بھی متعین تھے۔ اسی طرح چھوٹا ناگ پور کی
حفاظت کے لیے ایک مختصر پلٹن مقام ڈورنڈا (جو رانچی کا ایک حصہ ہے)
میں رکھی گئی تھی۔ اور اس کے دستے مقام ہزاری باغ چائے باسہ (سنگھ بھوم)
اور پرلیا میں متعین تھے۔ نیپال کی سرحد کے اطراف کی حفاظت کے لیے
مقام سگولی ضلع چمپارن میں ایک رسالہ متعین تھا۔ بغاوت کے اسباب
کئی طور پر بیان کیے جاتے ہیں۔ ان میں ایک خاص سبب یہ تھا کہ اس

زمانے میں (ENFIELD) کے کارخانے کی جو بندوقیں فوج میں مستعمل تھیں ان کے کارتوس پر ایک چکنا کاغذ منڈھا ہوا ہوتا تھا۔ اور ان کارتوسوں کو بندوق میں لگاتے وقت ان کے سروں کو سپاہی دانتوں سے نوچ کر لگاتے تھے۔ سپاہیوں کو معلوم ہوا کہ اس چکنے کاغذ میں سور اور گائے کی چربی لگائی جاتی ہے۔ اس لیے نہ مسلمان ان کو چھو سکتے تھے نہ ہندو۔ اس بارے میں فوجی افسر بھی سپاہیوں کی تشفی نہ کر سکے۔ کیوں کہ خود ان کو خبر نہ تھی کہ کس قسم کی چربی استعمال میں لائی گئی تھی۔ اور گورمنٹ کی جانب سے جب ان کارتوسوں کا دینا بند کر دینے کے متعلق یا اس کے علاوہ جو کاروائی ہوئی وہ بعد از وقوع ہوئی اس لیے شک رفع نہ ہوا۔

بہر کیف ماہ جون کے اول ہفتے میں داناپور کی سپاہ نے بذریعے خط[۵۱] پٹنہ کی پولس کو اطلاع دی کہ عنقریب پٹنہ پر دھاوا کیا جائے گا تم لوگ بھی آمادہ رہو کہ خزانہ ہاتھ سے نہ جائے۔ یہ خط حکام کے ہاتھ لگ گیا۔ مسٹر ٹیلر کمشنر نے حتی المقدور جھجو باغ کی کوٹھی کو مستحکم کر کے اس کی دیواروں میں بندوق چلانے کے لیے روزن بنوائے۔ اور تمام علاقوں کے انگریز حکام کو لکھ بھیجا کہ پٹنہ چلے آویں۔ ۲ جون کو اکثر انگریز اس کوٹھی میں جمع ہو گئے۔ اس وقت انگریز سخت خطرے میں تھے۔ خصوصاً اس سبب سے کہ یہاں پہرے پر جو نجیب مقرر تھے ان کی وفاداری پر پورا اعتماد نہ تھا۔ اور میجر ہومس افسر رسالہ مقام سگولی کی مرسلہ فوج بھی ایسی تھی کہ چند دنوں کے بعد باغی ثابت ہوئی۔ لیکن کپتان ریٹرے کے بھیجے ہوئے

---

۵۱ TWENTY EIGHT YEARS IN INDIA BY W. TAYLER P. 242 VOL. 2

سکھ سپاہیوں کی موجودگی سے انگریزوں کی جان میں جان آئی۔

داناپور کی فوج ایک بوڑھے تجربے کار افسر جنرل لائڈ کے تحت میں تھی۔ سپہ سالار افواج نے جنرل مذکور کو لکھ بھیجا کہ گوروں کی فوج عنقریب داناپور پہنچے گی۔ اس کے پہنچنے پر دیسی پلٹنوں سے ہتھیار لے لینا اور ان کو سمجھا دینا کہ تمھارے ساتھ کوئی برائی منظور نہیں بلکہ خود تمھارے حق میں یہ تدبیر بہتر ہے۔ اس لیے کہ تم خود فتنہ و فساد سے محفوظ رہو گے۔ اور اگر اس سمجھانے پر بھی یہ ہتھیار دینے سے انکار کریں تو بہ زور لے لینا۔ اس حکم کے چند دنوں کے بعد ۲۲ جولائی کو گوروں کی فوج پہنچ گئی۔ اس کے بعد ۲۵ جولائی کو دیسی فوج کے سلاح خانے سے بندوق کی ٹوپیاں نکلوا کر انگریزی پلٹن کی میگزین میں رکھوا دی گئیں اور دیسی سپاہیوں کو بھی حکم دیا گیا کہ بندوق کی ٹوپیاں جو ان کے پاس ہیں داخل کر دیں۔ سپاہیوں نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کیا تو گوروں نے ان پر گولیاں چلا دیں۔ اتفاق سے اس وقت جنرل بھی موجود نہ تھا۔ سپاہی چھاؤنی سے نکل کر سون ندی کے پار بابو کنور سنگھ زمین دار جگدیش پور کے گروہ سے جا ملے۔

چار دن کے بعد انگریزوں نے فوج کا ایک دستہ جس میں پچاس سکھوں کو شامل کر کے چار سو آدمی تھے بذریعے اسٹیمر آرہ کی طرف روانہ کیا۔ ۲۹ جولائی کی شام کو یہ لوگ اسٹیمر سے اتر کر قصبہ آرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ نصف شب کے قریب اچانک باغیوں کی جمعیت سے مقابلہ ہو گیا۔ باغیوں کی کثرت نے انگریزوں کی فوج کو سخت ہزیمت پہنچائی۔ ان کے ڈیڑھ سو آدمی مقتول اور اسی قدر مجروح ہوئے۔ صرف پچاس

ساٹھ آدمی کسی طرح صحیح سلامت پہنچے۔
آرہ میں مسٹر لوائل نامی ریلوے انجنیر نے ایک بنگلہ تعمیر کرایا تھا غدر کے آثار شروع ہوتے ہی بوائل نے رسد کا سامان فراہم کر کے بنگلہ کو اینٹوں سے گھیر کر حتی الوسع محفوظ کر لیا اور نو اشخاص یوروپین اور چھ یوریشین اور تین ہندستانی اور ان کے علاوہ پولس کے پچاس مسلح سپاہی اسی گھر میں پناہ گزیں ہو گئے۔ باغیوں نے چند بار اس پر حملہ کرنے کا قصد کیا ایک بار ایک چھوٹی توپ بھی سامنے لگا دی۔ اور گولیاں چلا کر ان کو ڈراتے رہے۔ لیکن محصورین کی ہوشیاری اور حسن تدبیر کے سبب باقاعدہ حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ آخر سات دن میں ۲ اگست ۱۸۵۷ء کو ونسنٹ آئر نامی فوجی افسر نے دو سو انگریز سپاہ اور چند ضرب توپیں لے جا کر کنور سنگھ کے آدمیوں کو جن کی تعداد دو ہزار کے قریب تھی شکست دے کر بھگا دیا اور محصورین نے تہلکے سے رہائی پائی۔ اسی بنگلہ کو آرہ ہوس کہتے ہیں اور اس کو اس قدر تاریخی اہمیت حاصل ہو گئی ہو کہ ۱۹۱۲ء میں شہنشاہ جارج پنجم نے آرہ آکر اس کا معائنہ کیا۔ آئر (V. EYRE) نے اپنی کمک میں تین سو سپاہ اور منگوا کر مقام جگدیش پور میں کنور سنگھ کے گڈھ پر قبضہ کر لیا۔ بابو کنور سنگھ نے اپنے ساتھیوں کو لے کر اعظم گڈھ کی راہ لی اور وہاں پہنچ کر بعض معرکوں میں بہادرانہ جنگ کی۔ لیکن بابو امر سنگھ برادر کنور سنگھ نے شاہ آباد کے جنوبی علاقوں میں پہنچ کر انگریزوں سے مقابلے کا تہیتہ کیا۔ اور اس عرصے میں بھاگل پور کے نمبر ۵ رسالے کے آدمی بھی آکر اس سے مل گئے۔ چند ماہ کے بعد ماہ اپریل ۱۸۵۸ء میں کنور سنگھ نے اعظم گڈھ سے واپس آکر پھر جگدیش پور پر قبضہ کر لیا۔ انگریزوں نے ایک

فوج جس میں چار سو سپاہ تھی، کنور سنگھ کے مقابلے کو روانہ کیا۔ لیکن کنور سنگھ نے اس کو شکست فاش دی۔ اس وقت کنور سنگھ کی عمر ستر سال کے قریب تھی اور سابق معرکے میں شاید زخم بھی کھائے تھے۔ انگریزوں کو شکست دینے کے بعد کنور سنگھ نے انتقال کیا۔ اور باغیوں کے گروہ نے بابو امر سنگھ کو سردار بنا کر اپنی جمعیت کو ترقی دینی شروع کی۔ امر سنگھ کے علاقوں میں جنگل اس قدر تھا کہ انگریزوں کے تخمینے کے مطابق تین لاکھ بیس ہزار بیل دار چھ ہفتے کام کرنے پر اس کو کاٹ کر صاف کر سکتے تھے۔ ایک عرصے تک انگریز بابو امر سنگھ کے گروہ سے مقابلہ نہ کر سکے لیکن بالآخر بڑی زحمت کے بعد اوّلاً سر ایڈورڈ لگارڈ اور بعد میں جنرل ڈگلس نے ان کو منتشر کیا۔ جب انگریزوں کی سات ہزار فوج نے سات متفرق مقاموں سے ان کو گھیرنا شروع کیا تو باغیوں کا گروہ کائمور پہاڑیوں کی طرف بھاگ کر بالکل درہم برہم ہو گیا۔

مسٹر ٹیلر نے غدر کے آثار شروع ہوتے ہی ضلع کے انگریز حکام کو پٹنہ چلے آنے کی ہدایت کی تھی۔ اس کی تعمیل میں صرف مظفر پور اور باڑھ کے حکام نے سبقت کی اور گیا کے کلکٹر نے شہر سے چند میل جا کر پھر گیا کی طرف مراجعت کی۔ داناپور کی باغی فوج کا گیا کی طرف آنا سُن کر اس نے پھر یہاں سے روانہ ہونے کا ارادہ کیا۔ اس کے روانہ ہوتے ہی خزانے کے پہرے والے نجیبوں نے باغی ہو کر اُدھم مچا دی اور جیل خانے کے قیدیوں کو رہا کر کے لوٹ مار شروع کر دی۔ اس وقت بھاگل پور کے رسالے کے باغی سپاہی بھی گیا پہنچ کر ان باغیوں سے مل گئے تھے۔

دو ہفتے کے بعد گیا پر حکام کا قبضہ ہو گیا۔ لیکن اس کے بعد بھی عرصے تک باغیوں نے فتنہ و فساد کا سلسلہ جاری رکھا۔

سگولی ضلع چمپارن میں سپاہیوں کے باغی ہونے پر موتیاری (چمپارن) اور سارن کے انگریز حکام کو بھی دو ہفتے تک اپنے مقام سے ہٹ کر رہنا پڑا۔ ان علاقوں میں حکام کی غیبت میں مولوی محمد واجد[1] منصف نے بڑے استقلال سے امن قائم رکھا۔

ضلع مظفرپور میں بھی رسالے کے کچھ سپاہی باغی ہو گئے۔ لیکن یہاں پہرے والوں نے مستقل مزاجی سے کام لیا اور باغی سپاہ کی کچھ بن نہ آئی۔

ہزاری باغ رانچی چائباسہ وغیرہ متعدد مقاموں میں باغیوں نے فتنہ و فساد برپا کر رکھا تھا اور جنگلی کول بھی ان کے اثر سے جا بجا قتل و غارت میں مشغول تھے۔ لیکن حقیقتاً باغیوں میں سوائے شاہ آباد کے کسی جگہ کوئی تنظیم نہ تھی۔ اس لیے ان کو کامیابی نہ ہوئی۔ ان کی لوٹ مار کے سبب عوام کو بھی ان کے ساتھ کوئی ہمدردی نہ تھی۔ بہرحال ایک سال کے اندر ہی انگریزوں نے غدر کے ہنگامے کی پورے طور پر روک تھام کر دی (صوبہ بہار کے غدر کے واقعات کی مزید تفصیل کے لیے ہر ضلع کا گزیٹر اور پٹنہ کمشنری کے متعلق مسٹر ٹیلر کی کتاب موسومہ "پٹنہ کرائسس" اور ٹونٹی ایٹ ایرس ان انڈیا PATNA CRISIS, AND, TWENTY EIGHT YEARS IN INDIA اور اُمالی صاحب کی تاریخ دیکھنی

---

[1] گورنمنٹ نے ان کی خدمات کے صلے میں خاص پنشن بھی مقرر کی تھی جو ان کی زندگی تک جاری رہی۔

چاہیے)

---

(۳۲) صوبہ بہار میں ایسٹ انڈین ریلوے ۱۸۶۲ء

۱۸۵۴ء میں صرف ہوڑہ اسٹیشن سے ہوگلی تک بنگالے میں ریل جاری ہوئی تھی۔ غدر کے زمانے میں ضلع بردوان تک ریل جاری تھی لیکن راستہ بنانے اور لوہے کی پٹریاں بچھانے کا کام صوبہ بہار کی حدود تک پہنچ گیا تھا۔ ۱۸۶۲ء میں صوبہ بہار ہوکر کلکتہ سے بنارس تک ریلوے جاری ہوگئی۔

باب بستم

سلطنت برطانیہ کی براہ راست حکومت

(۱) انگریزی کمپنی کا انجام

۱۶۲۰ء میں پہلے پہل دو انگریز تاجروں کا پٹنہ آنا۔ مقرب خان صوبے دار کے زمانے کے حالات میں مذکور ہو چکا ہے۔ ۱۶۳۲ء میں انگریزی کوٹھی مقام سورت کی جانب سے پیٹر منڈی نامی انگریز آٹھ چھکڑوں پر پارے (سیماب) کے پیپے اور سیندور لاد کر تجارت کے لیے آگرے سے پٹنہ

آیا۔ اُمالی صاحب نے اپنی تاریخ (صفحہ ۴) میں لکھا ہے کہ اس کا پٹنہ آنا ایک غلطی کے سبب تھا۔ یعنی محرّر نے غلطی سے خط میں بجائے سامنہ مقام کے جو پٹیالہ کی ریاست میں ہے، پٹنہ لکھ دیا تھا۔ بہرکیف ایک مہینہ پٹنہ میں رہ کر پیٹر منڈی نے کمپنی کے مہتمموں کو لکھ بھیجا کہ یہاں کاروبار کھولنے میں سخت زیر باری کا اندیشہ ہے۔ اس لیے کمپنی نے اس وقت کوئی انتظام نہیں کیا۔ لیکن جب بنگالے میں انگریزی تجارت قائم ہو گئی تو ۱۶۵۷ء میں پٹنہ میں بھی تجارتی کوٹھی کھولی گئی۔ اس زمانے میں پٹنہ سے ہزاروں من شورہ باروت بنانے کے لیے ولایت جانے لگا اور اس کے علاوہ بھوٹیوں (یعنی بھوٹان کے رہنے والے جو موسم سرما کے اوائل میں یہاں آکر اپنے ملک کی چیزیں فروخت کرتے تھے) سے مشک کے نلفے اور بعض جڑی بوٹیاں دوائیں بنانے کے لیے تجارتی طور پر خریدی جانے لگیں۔ اور افیون اور لاہ کی تجارت سے بھی انگریزوں کو بڑا منافع ہونے لگا۔ ۱۶۶۴ء سے ۱۶۸۰ء تک جاب چارنک (JOB CHARNOCK) (بانی شہر کلکتہ) پٹنہ کی کوٹھی کا منتظم تھا۔ انگریزوں کی شورے کی تجارت ایسی بڑھی چڑھی تھی کہ روزانہ سیکڑوں کشتیاں شورے سے لدی ہوئی گنگا میں نظر آتی تھیں۔ انگریزوں کے علاوہ اور یوروپین قومیں مثل ڈچ وغیرہ بھی انگریزوں کے پہلے سے یہاں تجارت کرتی تھیں۔ محلہ تین گھاٹ سے پچھم ولندیز کا پشتہ اور محلہ معروف گنج میں لب دریا ڈینش کوٹھی کی جگہ جہاں اس کے بانی جارجن ہنڈرک برنیئر کی قبر بھی موجود ہے، انھی تاجروں کی یادگار ہے۔ ۱۶۶۴ء کے قریب نواب شایستہ خاں صوبے دار نے انگریزوں کو شورے کی تجارت کرنے سے روک دیا۔ اور مسٹر پیک کا منتظم کو بھی قید

کر لیا تھا۔ اور انگریز تاجروں کے اور مال تجارت پر ساڑھے تین فی صد
کے حساب سے محصول لگا دیا۔ لیکن پھر کسی طرح تصفیہ ہو گیا۔ ۱۶۸۰ء
میں شایستہ خاں دوبارہ صوبے دار ہو کر آیا تو انگریزوں سے جزیے کا
مطالبہ کیا۔ اور ان کے انکار کرنے پر ان کے مال کی ضبطی اور اعمال کی
محبوسی کا حکم دیا۔ آخر انگریزوں نے بجائے نقد کے کچھ گھوڑے وغیرہ
سامان دے کر تصفیہ کر لیا۔

۱۷۰۲ء میں شہزادہ عظیم الشان کی حکومت میں شاہی عاملوں نے
کمپنی کے کارندوں کو بعض مطالبات نہ دینے کے سبب گرفتار کر کے چھ
سات ہفتے تک مقید رکھا اور ان کا مال بھی قرق کر لیا۔ اس واقعے
کے بعد ۱۷۰۴ء میں کمپنی نے پٹنہ سے اپنے کارپردازوں کو واپس بلا لینے کا ارادہ
کر لیا تھا لیکن پھر کچھ سوچ سمجھ کر تجارت کو جاری رکھا۔ ۱۷۰۷ء میں اورنگ
زیب کے مرنے پر انگریزوں کو پھر نئے مطالبات جاری ہونے کا اندیشہ
پیدا ہوا۔ اس لیے کمپنی نے کارپردازوں کو ہدایت کی کہ پٹنہ میں فی الفور
جس قدر شورہ دستیاب ہو سکے لے کر چلے آؤ۔ مگر اس کے بعد تخت کی
وراثت کا جھگڑا طے ہو جانے پر انگریزوں کو بھی اطمینان ہو گیا۔

۱۷۱۲ء میں پٹنہ میں فرخ سیر کی تخت نشینی کے وقت نواب سید
حسین علی خاں نے نذرانے کی ایک فہرست تیار کی اور انگریزی کوٹھی سے
بائیس ہزار رپے بادشاہ کے لیے وصول کیے۔ اور اس کے علاوہ ساڑھے
چھ ہزار رپے خاص اپنے لیے بھی بطور نذر وصول کیے۔ ڈچ کمپنی کے منتظم
"وین ہورن" نے نذرانہ دینے سے انکار کیا تو اس کا مال قرق کر لیا گیا۔
آخر دو لاکھ رپے دے کر اس سے پیچھا چھڑایا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی ۱۶۰۰ء میں ملکہ الزبتھ سے فرمان حاصل کر کے جاری ہوئی تھی۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد تجارتی کاروبار بند کر دیا گیا۔ اور کمپنی کے تمام مفتوحہ علاقے ملکہ وکٹوریہ کی مملکات میں شامل ہو کر براہ راست انگریزی سلطنت کے زیر فرمان ہو گئے۔ یکم نومبر ۱۸۵۸ء کو ملکہ وکٹوریہ کے مشہور اعلان کے بعد کمپنی کا دور دورہ ختم ہو کر ملکہ وکٹوریہ کی حکومت کا آغاز ہوا۔ اس ملکہ کے زمانے سے انگریزی حکومت کو ترقی ہوتی رہی اور عام طور پر امن قائم رہا۔

---

(۳) ۱۸۷۳-۷۴ء کا قحط

۱۸۷۳ء میں صوبہ بہار اور شمالی بنگالے کے بعض حصص میں قحط کے آثار نمایاں ہوئے۔ گورنمنٹ نے اس دفعہ قحط کے دفعیہ کا پورا انتظام کیا۔ برہما سے چاول منگوا کر قحط زدوں کی امداد کی۔ بنگالہ چھوڑ کر صرف صوبہ بہار میں تین لاکھ چالیس ہزار ٹن چاول منگوایا گیا۔ (ایک ٹن ساڑھے ستائیس من کے برابر ہوتا ہے) اور سات آٹھ مہینے تک حاجت مندوں کو مفت اور بعض صورتوں میں محض کم قیمت پر غلّہ تقسیم کیا گیا۔ اس بندوبست میں گورنمنٹ نے کئی کروڑ روپے صرف کیے اور لاکھوں نفوس کو فاقے کی موت سے بچا لیا۔

---

(۳) پرنس آف ویلز یعنی ولی عہد سلطنت برطانیہ کی آمد ۱۸۷۶ء

۱۸۷۶ء میں ملکہ وکٹوریہ کے بڑے صاحب زادے (جو بعد کو شہنشاہ اڈورڈ ہفتم کے لقب سے بادشاہ ہوئے) اپنی شہزادگی کے زمانے میں ہندستان کی سیر و سیاحت کو تشریف لائے۔ اس وقت پٹنہ کو بھی رونق بخشی۔ اس زمانے میں سر رچارڈ ٹیمپل لفٹنٹ گورنر صوبہ بنگالہ و بہار اور مسٹر مٹکاف کمشنر اضلاع پٹنہ تھے۔ اس موقع پر حکام کی خوش نظمی اور رؤسائے شہر اور زمین دار اور عوام الناس کا خیر مقدم قابل دید تھا۔ اس تشریف آوری کی یادگار میں پٹنہ میں بہار اسکول آف انجنیرنگ قائم ہوا جو اس صوبے کی ایک بڑی تعلیم گاہ ہے۔ اور اب ترقی کر کے اسکول سے کالج بن گیا ہے۔

---

(۴) ۹۷-۱۸۹۶ء کا قحط

۱۸۹۶ء میں بارش کی قلت اور نیز خلاف موسم پانی برسنے سے قحط کا اندیشہ پیدا ہوا۔ ۱۸۹۷ء میں اکثر اضلاع صوبہ بہار میں قحط کے آثار نمایاں ہو گئے۔ لیکن ریلوے کی موجودگی کے سبب خاص ضلع پٹنہ میں غلے کی کمی محسوس نہ ہوئی۔ مگر نرخ کی گرانی کے سبب غریبوں نے سخت مصیبت اُٹھائی۔ خاص ضلع پٹنہ کا حال مظفرپور و دربھنگہ وغیرہ کی بہ نسبت پھر بھی

بہت مغتنم تھا[۵۷]۔ حکومت کی طرف سے قحط کے انسداد اور قحط زدوں کی امداد میں کوئی کمی نہ تھی۔

---

(۵) سنہ ۱۹۰۰ء کا طاعون

سنہ ۱۸۹۶ء میں بمبئی کی طرف طاعون کی وبا شروع ہوئی اور دو برس کے بعد یہی وبا بہار و بنگالے میں پھیل گئی۔ تاریخوں کی رو سے اوّل اوّل ایسی وبا گیارھویں صدی ہجری میں جہاں گیر بادشاہ کے عہد میں مُلک دکن میں آئی تھی اور سنہ ۱۰۲۰ھ میں آگرہ میں بھی اس سے بہت موتیں ہوئیں۔ تزک جہاں گیری اور منتخب اللباب (خافی خان) میں وبا کی کیفیت یہ لکھی ہے کہ اوّل چوہے اپنے سوراخوں سے نکل کر مستانہ وار اِدھر اُدھر دوڑ کر دفعتاً مر جاتے تھے۔ اور انسانوں کا یہ حال ہوتا تھا کہ اوّل بغل یا چڈے یا گلے کے اوپر گلٹی نمودار ہوتی تھی اور اس کے ساتھ شدید تپ آجاتی تھی۔ بعض مریض اوّل ہی روز اور بعض دو ایک دن کے اندر مر جاتے تھے۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں صوبہ بہار میں بھی طاعون کی بجنسہٖ یہی کیفیت تھی۔ اس صوبے میں یہ وبا کئی سال تک رہی اور تیس لاکھ نفوس ضائع ہوئے۔

(۶) سنہ ۱۹۰۱ء کا سیلاب

مشہور ہے کہ بارھویں صدی ہجری کے آخر میں شیخ علی حزین شاعر نے

---

[۵۷] HISTORY OF BENGAL, BIHAR, AND ORISSA UNDER BRITISH RULE P. 473

برسات کے موسم میں عظیم آباد پٹنہ میں جلہ اور گنگا کے چڑھاؤ کو دیکھ کر کہا کہ میں اس شہر میں نہیں رہ سکتا۔ کیوں کہ اگر سیلاب آئے تو کسی طرف مفر کی صورت نظر نہیں آتی اور اسی کے بعد گھبرا کر بنارس کی راہ لی۔ اگرچہ شہر والوں نے کبھی سیلاب سے بہت زیادہ نقصان نہیں اٹھایا لیکن اس ضلع میں واقعی اس قدر سیلاب آیا کیے ہیں کہ شیخ موصوف کا خوف کچھ بے جا نہ تھا۔

ستمبر ۱۹۰۱ء میں سون اور گنگا ندی میں بہ یک وقت سیلاب آنے سے ضلع پٹنہ کے بعض حصص میں لوگ سخت مبتلائے آفت ہوئے۔ قصبہ منیر کے قریب اور دیگھا گھاٹ کے آس پاس تمام زمینیں تہ آب ہو گئیں۔ اور قصبہ باڑہ کے نواح میں بھی تمام عالم آب نظر آنے لگا۔ جن غریبوں کے مکان نشیب میں واقع تھے انھوں نے کئی دن تک تہلکہ میں بسر کی گورمنٹ کی رپورٹ کے مطابق دو سو ساون بستیوں کو نقصان پہنچا اور تخمیناً ایک ہزار گھر بیٹھ گئے۔ بڑی خیریت ہوئی کہ دو ہی دن میں سیلاب کم ہو گیا۔ لیکن اس مدت کے اندر بعض جانیں بھی تلف ہوئیں۔ اور جو لوگ گنگا کے دیاروں میں بسے ہوئے تھے بانس اور تختوں کے سہارے بہتے ہوئے بیسوں میل کے فاصلے پر کسی طرح زندہ نکالے گئے۔

---

(۷) پٹنہ میں لارڈ کرزن کی آمد ۱۹۰۳ء

۱۹۰۳ء میں لارڈ کرزن وایسرائے و گورنر جنرل نے پٹنہ آ کر بذریعہ

(حاشیہ صفحہ ۴۳۱ پر)

اسٹیمر گنگا سے شہر کا نظارہ کیا۔ حقیقتاً گنگا سے شہر کا نظارہ نہایت دل کش ہوتا ہے۔ اور جن لوگوں نے کشتی سے اس خوش نما منظر کو نہیں دیکھا ہے وہ اس کے لطف سے نابلد ہیں۔ ۱۹۰۵ء میں لارڈ کرزن نے مقام پوسا میں زراعتی تعلیم گاہ کی بنیاد قائم کی۔

---

(۸) نکل سلور کے نئے سکے ۱۹۰۷ء تا ۱۹۲۰ء

۱۹۰۷ء میں حکومت نے اوّل اوّل نکل کی اکنی جاری کی۔ اس کے قبل تک چاندی کی دونی اور تانبے کے ڈبل پیسے (ٹکا) کے درمیان میں کوئی سکہ کبھی جاری نہ ہوا تھا۔ نکل دھات رنگت میں چاندی اور رانگے سے مشابہ ہے۔

۱۹۱۸ء و ۱۹۱۹ء میں بجائے چاندی کی دونیوں اور چونیوں کے نکل کی دوانیاں اور چونیاں جاری ہوئیں جو اکنی کی طرح اب تک جاری ہیں۔ ۱۹۱۹ء و ۱۹۲۰ء میں نکل کی اٹھنیاں بھی جاری ہوئیں لیکن یہ اٹھنیاں اب جاری نہیں۔ اور اتفاقاً کہیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ گورنمنٹ نے نکل کی دوانیاں جاری کرنے کے بعد چاندی کی چھوٹی دوانیاں جاری کرنا بھی بند کر دیا ہے۔

(ص ۴۳۰ کا حاشیہ)

لہ ۱۱ر جنوری ۱۹۰۳ء کو لارڈ کرزن نے اورینٹل پبلک لائبریری کا ملاحظہ کیا۔ اس کے آٹھ برس پہلے ۳ر اپریل ۱۸۹۵ء کو لارڈ ڈرین وائسرائے یہاں تشریف لائے تھے۔

(۹) مظفر پور میں بمب کا واقعہ ۱۹۰۸ء

سنہ ۱۹۰۸ء میں دو نوجوان بنگالیوں نے مظفر پور میں ایک فٹن گاڑی پر اچانک بمب پھینکا۔ جس سے دو یورپین عورتیں (مسز کینڈی اور ان کی لڑکی) ہلاک ہو گئیں۔ بنگالیوں کا قصد ان عورتوں کے مارنے کا نہ تھا۔ انھوں نے کنگسفورڈ صاحب جج کو مارنے کے لیے یہ حرکت کی تھی لیکن وہ بچ گئے اور یہ دو عورتیں ہلاک ہو گئیں۔ انھوں نے اس کے قبل کنگسفورڈ صاحب کو ہلاک کرنے کے لیے یہ تدبیر بھی کی تھی کہ ایک کتاب میں بمب رکھ کر بذریعے ڈاک اس کے پاس روانہ کیا۔ وہ بمب اس طرح کا تھا کہ کتاب کھولتے ہی پھٹ پڑے۔ حسن اتفاق سے صاحب موصوف نے پارسل لے کر اس کو بغیر کھولے رکھ دیا۔ اور اس عرصے میں خفیہ پولس کو اس پارسل کا حال معلوم ہو گیا۔ اور اس نے پارسل کو لے کر بمب کو ضائع کرایا۔ جج صاحب سے بنگالیوں کو بغض کا سبب یہ تھا کہ جب سنہ ۱۹۰۵ء میں لارڈ کرزن نے زور زبردستی سے بنگالے کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اور اس بارے میں بنگالیوں کی نارضامندی کی کچھ پروا نہ کی تو بنگالیوں نے شورش انگیز کارروائیاں شروع کیں۔ بعض نوجوانوں نے بمب اور ریوالور (طمنچہ) سے انگریز حکام کو ہلاک کرنے پر کمر باندھی۔ کنگسفورڈ صاحب جج نے کلکتہ میں مجسٹریٹ رہ کر بعض اخبار والوں کو حکومت کی برائی شائع کرنے کے جرم میں سزا دے دی تھی۔ اس لیے ان بنگالیوں نے ان کو مارنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

بہر کیف مظفر پور کے واقعے میں بمب پھینکنے والوں میں ایک شخص

نے خودکشی کرلی ۔ اور دوسرے مجرم کو جس کا نام خودی رام بوس تھا پھانسی دی گئی ۔ جس داروغہ نے عورتوں کے قاتل کو گرفتار کیا تھا اس کو بھی ایک ظالم نے اچانک کلکتہ میں سرِ راہ تمنچہ سے ہلاک کردیا ۔

---

(۱۰) صوبہ بہار کا بنگالے سے جُدا ہونا ۱۹۱۱ء

پلاسی کی جنگ کے بعد سے انگریزی حکومت میں ۱۹۱۱ء تک صوبہ بہار بنگالے کے شامل رہا ۔ اگرچہ ابتدا میں کچھ مدت تک خاص صوبہ بہار کے لیے علیحدہ نائب ناظم بھی مقرر ہوئے جس کی کیفیت اپنی جگہ پر مذکور ہو چکی ہے ۔

۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء کو صوبے کی قسمت نے پلٹا لیا ۔ موجودہ حکمران شہنشاہ جارج پنجم نے دارالحکومت دہلی میں تاج پوشی کے موقع پر اعلان کیا کہ صوبہ بہار مع چھوٹا ناگ پور و اڑیسہ بنگالہ سے علیحدہ کرکے بجائے خود ایک صوبہ قرار دیا جائے گا[۱] ۔ اسی حکم کے مطابق ۱۹۰۵ء کی تقسیم بنگالے کی کارروائی بھی مسترد و منسوخ قرار پائی ۔ جدید صوبہ بہار و اڑیسہ کے لیے پٹنہ دارالحکومت مقرر ہوا ۔ اور قدیم آبادی سے کئی کوس پچھم ہائی کورٹ، سکرٹیریٹ، گورنمنٹ ہاؤس اور سرکاری ملازموں کے رہنے کے مکانات کی بنیادیں قائم کی گئیں ۔ انگریزی عہد میں لارڈ کلایو کے زمانے سے ۱۹۰۱ء تک جو انگریز فرماں روا ہوئے ان کی کیفیت اس جدول سے ظاہر ہوگی ۔

---

[۱] اس زمانے میں سر علی امام وائسرائے کی کونسل کے ممبر تھے اس لیے صوبے کی تقسیم میں انھوں نے بھی اپنے رسوخ سے کام لیا ۔

جدول نمبر ۱

(۱۱) گورنر بنگالہ ۱۷۵۸ء تا ۱۷۷۳ء

۱۔ لارڈ کلایو ۱۷۵۸ء
۲۔ جان زیفانیہ ہولول ۱۷۶۰ء
۳۔ ہنری وینٹارٹ ۱۷۶۰ء
۴۔ جان سپنر ۱۷۶۴ء
۵۔ لارڈ کلایو دوبارہ ۱۷۶۵ء
۶۔ ہنری ویریلسٹ ۱۷۶۷ء
۷۔ جان کارٹیر ۱۷۶۹ء
۸۔ ویرن ہسٹنگس ۱۷۷۲ء

جدول نمبر ۲

(۱۲) ۱۷۷۴ء تا ۱۸۵۶ء بحیثیت گورنر و گورنر جنرل

۱۔ ویرن ہسٹنگس ۱۷۷۴ء
۲۔ سرجان میکفرسن ۱۷۸۵ء
۳۔ لارڈ کارنوالس ۱۷۸۶ء
۴۔ سرجان شور معروف بہ لارڈ ٹینموتھ ۱۷۹۳ء
۵۔ سرالفرڈ کلارک ۱۷۹۸ء
۶۔ مارکوئس ویلزلی ۱۷۹۸ء
۷۔ لارڈ کارنوالس دوبارہ ۱۸۰۵ء
۸۔ سرجارج بارلو ۱۸۰۵ء
۹۔ لارڈ منٹو (اول) ۱۸۰۷ء
۱۰۔ مارکوئس آف ہسٹنگس ۱۸۱۳ء
۱۱۔ جان اڈم ۱۸۲۳ء
۱۲۔ لارڈ امہرسٹ ۱۸۲۳ء
۱۳۔ ولیم بٹرورتھ بیلی ۱۸۲۸ء
۱۴۔ لارڈ ولیم بنٹنک ۱۸۲۸ء
۱۵۔ لارڈ مٹکاف ۱۸۳۵ء
۱۶۔ لارڈ آکلینڈ ۱۸۳۶ء
۱۷۔ لارڈ النبرو ۱۸۴۲ء
۱۸۔ لارڈ ہارڈنج اول ۱۸۴۴ء
۱۹۔ لارڈ ڈلہوزی ۱۸۴۸ء

جدول نمبر ۳

(۱۳) لفٹنٹ گورنر بنگالہ مع بہار سنہ ۱۸۵۴ء تا سنہ ۱۹۱۱ء

نمبر	نام	سنہ
۱	سر فرڈرک ہالیڈے	سنہ ۱۸۵۴ء
۲	سر جان پٹر گرانٹ	سنہ ۱۸۵۹ء
۳	سر سیسل بیڈن	سنہ ۱۸۶۲ء
۴	سر ولیم گرے	سنہ ۱۸۶۶ء
۵	سر جارج کمیبل	سنہ ۱۸۷۱ء
۶	سر رچارڈ ٹمپل	سنہ ۱۸۷۴ء
۷	سر ایشلی ایڈن	سنہ ۱۸۷۷ء
۸	سر ریورس طامسن	سنہ ۱۸۸۲ء
۹	سر سٹوارٹ بیلی	سنہ ۱۸۸۷ء
۱۰	سر چارلس الیئٹ	سنہ ۱۸۹۰ء
۱۱	لارڈ میکڈانل	سنہ ۱۸۹۳ء
۱۲	سر الکزنڈر میکنزی	سنہ ۱۸۹۵ء
۱۳	سر چارلس سیسل سیٹونس	سنہ ۱۸۹۷ء
۱۴	سر جان وڈبرن	سنہ ۱۸۹۸ء
۱۵	سر جیمس بورڈلن	سنہ ۱۹۰۲ء
۱۶	سر اینڈرو فریزر	سنہ ۱۹۰۳ء
۱۷	سر ایڈورڈ بیکر	سنہ ۱۹۰۸ء
۱۸	سر ولیم ڈیوک	سنہ ۱۹۱۱ء

---

(۱۴) شہنشاہ جارج پنجم کی آمد سنہ ۱۹۱۲ء

دربار دہلی کے اختتام پر بادشاہ نے نیپال کی سیر کا عزم کیا اور اثنائے راہ میں پٹنہ آکر گنگا سے پار ہوتے ہوئے شہر کے دل کش و پُر فضا منظر کی سیر فرمائی۔ اس موقعہ پر عدالت گھاٹ میں اور اسی طرح گنگا کے پار ہزاروں آدمی نہایت خلوصانہ عقیدت مندی سے بادشاہ کی زیارت کو جمع ہوئے تھے۔

بادشاہ نے پٹنہ میں اورنیٹل پبلک لائبریری اکتب خانہ خدابخش خاں سی۔ آئی۔ ای کو بھی رونق بخشی۔ اور اس کتب خانے میں دیوان حافظ

کے ایک قدیم نسخے پر اپنے دستخط بطور یادگار چھوڑے۔ اس کتاب پر جہاں گیر بادشاہ سے اس وقت تک چار بادشاہوں کے دستخط قبل سے موجود تھے۔ یہ کتب خانہ دُنیا میں قلمی کتابوں کا بہترین ذخیرہ ہے۔ اسی سال پٹنہ میں اوّل اوّل کانگریس کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا۔

---

(۱۵) ۱۹۱۳ء کا سیلاب

۷ اگست سے ۱۱ اگست ۱۹۱۳ء تک ضلع پٹنہ میں مسلسل بارش ہونے سے سخت سیلاب آیا۔ اسی اثنا میں اطراف گیا و ہزاری باغ میں بھی بارش ہوئی تھی جس سے تمام چھوٹی ندیوں میں اور نیز گنگا میں پانی بھر آیا۔ اس سیلاب سے قصبہ باڑہ کے اطراف میں چالیس آدمی اور تقریباً ساڑھے پانچ سو مویشی ہلاک ہو گئے۔ سرکاری رپورٹ کے مطابق تیئس ہزار تین سو ساٹھ مکانوں کو کم و بیش نقصان پہنچا۔ اور چند جانیں بھی تلف ہوئیں۔ گورنمنٹ نے تیرہ ہزار رُپے بطور امداد فی الفور تقسیم کیے۔ اور بعد کو ڈیڑھ لاکھ رُپے بطور تقاوی کاشت کاروں کو قرض دیے۔

---

(۱۶) عدالت عالیہ اور دار العلوم کا افتتاح ۱۹۱۶ء تا ۱۹۱۷ء

فروری ۱۹۱۶ء میں لارڈ ہارڈنج وائسرائے و گورنر جنرل ہند نے پٹنہ آکر باقاعدہ ایک شان دار جلوس کے ساتھ پٹنہ ہائی کورٹ کا افتتاح

کیا۔ ۱۹۱۷ء میں پٹنہ یونی ورسٹی (دار العلوم) بھی قائم ہوئی۔

---

(۱۷) ضلع شاہ آباد کا بلوہ ۱۹۱۷ء

۲۸ ستمبر ۱۹۱۷ء کو ضلع شاہ آباد میں ایک ایسا بلوہ ہوا جس کی مثال اس صوبے کی تاریخ میں کم تر ملے گی۔ ہندوؤں نے ایک زبردست خفیہ سازش کرکے اوّل موضع ابراہیم پور اور اس کے قریب دو مواضعات میں مسلمانوں پر اچانک حملے کیے۔ اور دفعتاً مسلمانوں کے سینکڑوں گھر لوٹ لیے۔ اور بعض مسجدوں کو بھی خراب کر ڈالا دو دنوں کے اندر بلوائیوں کی جمعیت پچاس ہزار کے قریب پہنچ گئی۔ اب انھوں نے موضع پیرو اور اس کے گرد و نواح میں بلوہ شروع کر دیا۔ اور چند دنوں کے اندر ایک سو انتیس بستیوں کو اس طرح تباہ کر ڈالا کہ کہیں ایک تنکا تک گھر میں نہ چھوڑا۔ اور قرآن اور مساجد کی توہین میں بھی کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔ پندرہ سو مربع میل کے اندر صرف چودہ بستیاں ایسی تھیں جن کو مسلمانوں نے کسی طرح اپنی جانوں پر کھیل کر محفوظ رکھا۔ شاہ آباد سے بڑھ کر یہ بلوہ ضلع گیا کی حدود تک پھیل گیا تھا۔ اور بدمعاشوں نے اپنی جمعیت کو قوی کرنے کے لیے تمام گرد و نواح میں اس مضمون کے پرچے تقسیم کیے کہ مسلمانوں کو ہر طرح مٹاؤ۔ اور اس میں بنگالیوں اور جرمنوں کی مدد پہنچے گی۔ بعض ہندو زمین دار کو بھی صوبے کی حکمرانی کے لیے ابھارا تھا چوں کہ ۴ اگست ۱۹۱۴ء سے یورپ میں جنگ عظیم جاری تھی۔ اور ملک ہند میں فوج کی تعداد غیر معمولی طور پر کم ہو رہی تھی۔ اس لیے بلوائیوں نے

یہ بھی افواہ اُڑائی کہ انگریزوں کی فوج سب کی سب جنگ میں کھپ چکی ہے اور اب انگریزی حکومت کا خاتمہ ہوا چاہتا ہے۔

بہرکیف جب حکام نے واقعی فوج منگوائی تو بلوائیوں کو سوائے فرار کے کوئی چارہ نہ تھا۔ لیکن اس سترہ اٹھارہ دن کی مدت میں ہزاروں مسلمان بے خانماں ہو گئے اور ان کے ننگ و ناموس کو بے حد صدمہ پہنچا۔ اور بعض جانیں بھی ہلاک ہوئیں۔ بلوائیوں کی مخالفت بہ ظاہر مسلمانوں سے تھی۔ اس لیے انھوں نے جا بجا ٹیلی گراف کے تار توڑنے کے سوا گورنمنٹ کی کسی پبلک پر دست درازی نہ کی۔

اس بیان سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اس ضلع کے تمام ہندو بلوائیوں میں شامل تھے۔ بلکہ یہ حرکت محض جاہل بدمعاشوں کی تھی۔ اور بعض شریف نفس ہندوؤں نے خود اپنے گھروں میں مظلوم مسلمانوں کو پناہ دی

افسوس ہے کہ اس بلوے کے حقیقی اسباب اور اس کے اصلی بانی مبانی کے نام ظاہر نہ ہوئے یا شاید خود گورنمنٹ کو بھی تحقیق نہ ہوئی۔

---

(۱۸) پرنس آف ویلز (شہزادہ ولی عہد) کی آمد ۱۹۲۱ء

سنہ ۱۹۲۱ء میں شہزادہ ولی عہد سلطنت برطانیہ نے پٹنہ تشریف لاکر دو دن یہاں قیام فرمایا۔ باقی پور کا وسیع میدان خوش نما خیموں اور شامیانوں سے آراستہ کیا گیا۔ اور بڑی دھوم دھام سے دربار منعقد ہوا۔ صوبے کے زمین داروں اور رؤسا نے شرف ملازمت حاصل کیا لیکن اس زمانے میں گاندھی جی کی تحریک ترک موالات کے سلسلے میں شہزادہ

کے استقبال سے کنارہ کش رہنے کا بھی ایما تھا۔ اور جس شہر میں شہزادہ پہنچتا تھا وہاں ہرتال مچائی جاتی تھی۔ اس لیے پٹنہ میں بھی لوگوں نے دربار کی شرکت سے احتراز کیا۔ اور صرف وہی لوگ حاضر ہوئے جو حکام سے وسیلہ رکھتے تھے۔ عام طور پر دُکان داروں نے دُکانیں بند رکھیں۔ گاڑی بانوں اور یکے والوں نے گاڑی اور یکے نہ چلائے۔ اور سڑکوں پر عجب سناٹا اور اُداسی رہی۔

ترک موالات کی تحریک کے ساتھ نشہ خواروں کو نشے کی چیزیں ترک کرنے کی بھی تاکید تھی۔ اور اس سے گورنمنٹ کے محکمۂ آب کاری کو نقصان پہنچانے کے ساتھ اخلاقی فوائد متصور تھے۔ اس لیے بالعموم لوگوں نے اس تحریک کا ساتھ دیا۔ دیہاتوں میں خصوصاً ترہت اور چمپارن کی طرف ترک موالات کی تحریک کا بہت زور رہا۔ دوسرے سال سنہ ۱۹۲۳ء میں شہر گیا میں کانگرس کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا۔

---

(۱۹) سنہ ۱۹۲۳ء کا سیلاب

اگست سنہ ۱۹۲۳ء میں سون ندی میں یکایک سیلاب آیا۔ ۱۹ اگست کو سون کے پانی کی سطح مقام ڈہری میں ۹۰ر۳۴۳ فٹ تک پہنچ گئی۔ سابق زمانے میں بڑے بڑے سیلاب کے وقت بھی پانی کی سطح اس سیلاب سے ڈیڑھ فٹ پست رہی تھی۔ اتفاقاً اس سیلاب کے وقت گنگا میں پہلے سے سیلاب موجود تھا۔ اور اس کی سطح بھی سابق زمانے کے سیلاب سے ایک ہاتھ زیادہ بلند تھی۔ اس سیلاب سے منیر سے داناپور تک تمام

دیاروں اور نشیب زمینوں میں عالم آب نظر آنے لگا۔ جس سے دس ہزار مکانوں کو نقصان پہنچا۔ داناپور اور گیا کے درمیان نہر کا پانی کناروں کو کھنگالتا ہوا چاروں طرف پھیل گیا۔ داناپور اور دیگھا کے درمیان پانی گنگا کے کنارے سے سڑک پر چڑھ آیا۔ اور صوبے کا نو آباد دار الحکومت بھی سیلاب کے اثر سے محفوظ نہ رہا۔ داناپور میں حکام نے بروقت جہاز اور کشتیوں کا بندوبست کر کے بہت لوگوں کو دیاروں سے خشکی پر پہنچوایا۔ اس دفعہ صرف چار آدمی اور سوڈیڑھ سو مویشی تلف ہوئے۔ سون کے کناروں پر بستیوں میں پانی اندر گھس آیا۔ اور آرہ میں بھی بعض محلوں میں گھروں کے اندر کئی فٹ بلند پانی جمع ہو گیا۔ جس سے مکانوں کو سخت نقصان پہنچا۔ گورنمنٹ اور پبلک نے حتی المقدور مصیبت زدوں کے ساتھ ہمدردی کا سلوک کیا۔

---

(۲۰) سنہ ۱۹۱۲ء سے سنہ ۱۹۳۰ء تک گورنروں کا ذکر

سنہ ۱۹۱۲ء میں صوبہ بہار و اڑیسہ بنگالے سے علیحدہ ہو کر بجائے خود ایک صوبہ قرار پانے پر سر چارلس بیلی نے لفٹنٹ گورنر مقرر ہو کر سنہ ۱۹۱۵ء تک حکومت کی۔ سر چارلس بیلی کے بعد سر اڈورڈ گیٹ اور پھر سنہ ۱۹۱۸ء میں سر اڈورڈ لیونج (بحیثیت قائم مقام) لفٹنٹ گورنر ہوئے۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں بنگالے کے مشہور و معروف بیرسٹر لارڈ سنہا آف رائے پور کو صوبہ بہار و اڑیسہ کی گورنری عنایت ہوئی۔ سنہ ۱۹۱۹ء میں مسٹر منٹگو وزیر ہند اور لارڈ چمسفورڈ وائسرائے ہند کی سیاسی اصلاحات جاری ہونے پر حاکم

صوبہ بجائے لفٹنٹ گورنر کے گورنر لقب سے مخاطب ہونے لگے۔

ہندستانیوں میں لارڈ سنہا کے سوا اب تک کسی کو لارڈ کا خطاب حاصل نہیں ہوا۔ اور گورنری کا عہدہ بھی اوّل اوّل انھی کو ملا۔ لارڈ سنہا نے صحت کی خرابی کے سبب یا کسی اور مصلحت سے قبل از وقت استعفا دے دیا۔ کچھ مدت تک سر لی مینز رد نے قائم مقامی کی ان کو سابق میں پٹنہ کے کلکٹر رہنے کے سبب یہاں کی پوری واقفیت حاصل تھی۔

سنہ ۱۹۲۳ء میں سر ہنری ویلر اور ان کے بعد ۷ ؍اپریل سنہ ۱۹۲۷ء سے سر ہوا سٹیفنس گورنر ہوئے۔ جو اس وقت تک اپنے عہدے پر قائم ہیں۔

---

(۲۱) بعض حادثوں کا ذکر سنہ ۱۹۳۲-۳ء

۳۰ ؍اکتوبر سنہ ۱۹۳۲ء کو سر علی امام (بیرسٹر) نے جو صوبہ بہار کے نہایت معزز لیڈر اور مشاہیر ہند سے تھے اور وائسرائے کی کونسل کے ممبر اور حیدرآباد دکن میں صدر اعظم رہ چکے تھے۔ رانچی میں انتقال کیا اور ۱۹ ؍اپریل سنہ ۱۹۳۳ء کو ان کے چھوٹے بھائی حسن امام (بیرسٹر) جو ہند کے بہترین قانون دانوں میں تھے اور کلکتہ ہائی کورٹ کے جج بھی رہ چکے تھے۔ اور ۱۹۲۱ء میں لندن میں ہند کے مسلمانوں کے نمایندے ہو کر ترکی کی صلح کی کانفرنس میں شریک ہوئے تھے انتقال کیا۔ حسن امام صاحب سنہ ۱۹۱۸ء میں کانگرس کے صدر بھی منتخب ہوئے تھے۔

(۲۲) شدید زلزلہ ۱۹۳۴ء

۱۵ جنوری ۱۹۳۴ء مطابق ۲۸ رمضان ۱۳۵۲ھ دن کے دو بجے ایک خوف ناک زلزلہ آیا۔ جس نے شہر مونگیر کو بالکل تباہ کر دیا اور دربھنگہ سیتا مڑھی اور ملحقہ علاقوں میں صدہا مکانات منہدم ہو گئے۔ جگہ جگہ زمین شق ہو گئی اور پانی کے ساتھ ریت مٹی فوارے کی طرح زمین سے نکلی اور سطح پر پھیل گئی جس سے بعض مواضع میں زراعتی زمین ریگستان نظر آنے لگی اور کھیتوں کی شناخت باقی نہ رہی۔ عظیم آباد پٹنہ، شاہ آباد میں بھی بہت سے مکانات گرے اور جان و مال کا سخت نقصان ہوا۔ زلزلے کا اثر ملک بہار کے باہر بھی دور دور تک محسوس ہوا لیکن بہار میں تخمیناً دس بارہ ہزار اشخاص ہلاک ہوئے اور تمام صوبے میں عام تاراجی پھیل گئی۔ یہ اسی قسم کی سماوی آفت تھی جیسی ۱۸۳۳ء میں سو برس پہلے بہار پر نازل ہوئی تھی اور جس کا حال اپنے مقام پر تحریر کر دیا گیا ہے۔

---

(۲۳) تبدیل وزارت ۳۳-۱۹۳۶ء

۱۹ جون ۱۹۳۳ء کو سر محمد فخر الدین نے انتقال کیا۔ یہ ۱۹۲۱ء سے علی التواتر وزیر تعلیمات مقرر ہوتے آئے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد خان بہادر سید محمد حسین جو صوبے کی کونسل کے نہایت تجربے کار ممبر تھے وزیر تعلیمات مقرر ہوئے لیکن خان بہادر نے چند ماہ کے اندر ہی انتقال کیا اور ان کی جگہ پر ۱۰ جنوری ۱۹۳۴ء کو سید عبد العزیز صاحب بیرسٹر

جو عرصۂ دراز سے کونسل کے ممبر اور مسلمانوں کے لیڈر بھی تھے وزیر تعلیمات ہوئے۔ جدید اصلاحات کے نفاذ تک عزیز صاحب کی وزارت قائم رہی اور اس مدت میں تعلیم کے علاوہ صنعت و حرفت میں نمایاں ترقی ہوتی رہی۔ ان کے ہر دل عزیز ہونے کا بڑا سبب یہ بھی ہو کہ ان کی ذاتی فیاضی سے ہر سال جاڑوں کے موسم میں موتیا بند کے سینکڑوں مریض پنجاب کے مشہور ڈاکٹر سے آنکھیں بنوا کر بصارت حاصل کرتے ہیں۔ اس زمانے میں عزیز صاحب کے مکانات خاصے ہسپتال بن جاتے ہیں۔

---

(۲۴) جدید اصلاحی قانون کا نفاذ اور کانگریسی حکومت کا آغاز ۱۹۳۷ء-۱۹۳۹ء

سائمن کمیشن کی تجاویز اور گول میز کانفرنس کے مشوروں پر غور کرنے کے بعد انگریزی پارلیمنٹ نے ہند کی حکومت کے لیے جدید اصلاحی قانون منضبط کیے جو ۱۹۳۵ء کا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کہا جاتا ہے۔ اس کی رو سے صوبے کی مجلس کو قانون سازی اور حکومت میں ایک حد تک آزادی حاصل ہوگئی۔ انگریزی پارلیمنٹ کے اصول پر صوبے میں دارالعلوم اور دارالامرا کی جگہ لیجس لیٹو اسمبلی اور لیجس لیٹو کونسل مقرر ہوئی۔ بہار اسمبلی کے ممبروں کی تعداد ۱۵۲ اور کونسل کے ممبروں کی تعداد ۲۹ ہے۔ ان جدید اصلاحات کے سلسلے میں اڑیسہ جو ۱۹۱۲ء سے صوبہ بہار کے شامل تھا۔ علیحدہ ہو کر جداگانہ صوبہ قرار پایا، صوبہ بہار کے ساتھ چھوٹا ناگ پور بدستور ضم رہ گیا۔

ممبروں کے انتخاب کے وقت صوبے کے ہر ایک فرقے نے حصّہ لیا۔ اور منتخب شدہ اشخاص میں کانگرس والوں کی تعداد کثیر تھی۔ اس لیے گورنر نے اوّلاً انھیں کو حکومت کا انتظام جاری کرنے کو کہا، لیکن انھوں نے وزارت قبول کرنے سے پہلے گورنر سے اس بات کی طمانیت چاہی کہ وہ اپنے ذاتی اختیارات سے کام نہ لے گا۔ کچھ عرصے تک گفت و شنید ہوتی رہی اور اس اثنا میں محمد یونس صاحب بیرسٹر پٹنہ نے مختلف فرقوں کے ذی لیاقت اشخاص کو ساتھ لے کر کافی جمعیت فراہم کر کے وزارت قائم کرلی۔ چند ماہ تک یہ وزارت سرگرمی سے کام کرتی رہی۔ بعد کو گورنر نے اپنے ذاتی اختیارات کو عمل میں نہ لانے کا وعدہ کرلیا اور صوبہ بہار میں کانگرسی وزارت قائم ہوگئی اور بابو سری کرشن سنہا وزیر اعظم ہوئے۔

گورنر کے ذاتی اختیارات میں کم تعداد والے فرقوں کے حقوق کی نگرانی وحفاظت ایک اہم اور ضروری بات تھی۔ اختیارات کو عمل میں نہ لانے کا وعدہ کرنے سے غیر کانگرسی گروہوں، بالخصوص مسلمانوں کی آنکھیں کھُل گئیں۔ انھوں نے سمجھ لیا کہ انگریزی حکومت کانگرسی گروہ کی اکثریت سے اس قدر مرعوب ہو رہی ہو کہ ان کے مقابلے میں دوسروں کے حقوق کی ذمے داری سے جی چُراتی ہو۔ گورنر کی اس حرکت سے انگریزی حکومت کا اعتماد کم ہوگیا اور اسی وقت سے مسلم لیگ نے اپنی طاقت بڑھانی شروع کردی۔

کانگرس والوں نے انتخاب کے وقت ووٹ حاصل کرنے کی غرض سے کاشت کاروں سے بڑے بڑے وعدے کیے تھے جن سے ان کو توقع تھی کہ کانگرسی حکومت زمین داریوں کو مٹا کر تمام حقوق کاشت کاروں

کو تفویض کردے گی، اب وزارت ہاتھ آتے ہی ایک طرف بڑے بڑے ہندو زمین دار اور دوسری جانب سے کاشت کار دباؤ ڈالنے لگے ۔ کانگرس والے حقیقتاً دونوں فریقوں کے زیر اثر تھے۔ اس کش مکش میں انھوں نے چند قوانین جاری کیے جن کی رو سے مال گزاری (لگان) میں تخفیف ہوگئی اور زمین داریاں بھی قائم رہیں۔ مال گزاری کی تخفیف کے علاوہ انھوں نے زمین داروں پر ٹیکس بھی لگا دیے۔ حقیقتاً ان کی یہ کارروائیاں ناتجربے کاری اور گھبراہٹ کا نتیجہ تھیں۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ زمین دار اور رعیت کے حقوق کی پوری چھان بین کی جاتی اور ہر ایک کے حقوق منقح طور پر جتا دیے جاتے۔ لیکن کانگرس والوں سے ایسا اہم کام کرنے کی صلاحیت اور جرأت ظاہر نہ ہوئی ۔

کانگرس والوں نے اپنے اصول پر تعلیم جاری کرنے کے لیے ودیا مندر کھولنے کا قصد کیا اور اس کے ساتھ ساتھ اُردو زبان سے فارسی اور عربی الاصل الفاظ کو نکال کر ان کی جگہ پر ہندی الاصل الفاظ رکھ کر ہندستانی زبان رائج کرنے کا ارادہ کیا لیکن مسلمانوں کی مخالفت کے سبب اس میں کامیابی نہ ہوئی تاہم اس زمانے میں اسکولوں کے نصاب کی جو کتابیں اُردو میں شایع ہوئیں ان میں بہتیرے ہندی الاصل الفاظ داخل کر دیے گئے جو مسلمانوں کے محاوروں اور روزمرہ میں مستعمل نہیں۔ مسلمانوں نے گمان کیا کہ جس طرح بعض قوموں نے دوسری قوموں کی تہذیب و تمدن کو مٹانے کے لیے اوّل زبان ہی پر ستم توڑا ہے۔ اسی طرح کانگرس والے اُردو کو بدل کر خالص ہندوؤں کی زبان رائج کرنے کی تدبیریں کر رہے ہیں کیوں کہ زبان تو مختلف انسانوں کے میل جول سے خود بن جاتی ہے۔ کوئی زبان کسی خاص

گروہ کی خواہش سے مروّج نہیں ہوئی۔

مسلم لیگ نے کانگریسی حکومت پر یہ الزام بھی عائد کیا کہ اس نے صوبہ بہار میں متعدد موقعوں پر مسلمانوں کے ذاتی و تمدنی و مذہبی حقوق کو پامال کرایا۔ اس بارے میں مسلم لیگ نے الزامات کی کیفیت شائع کی اور بنگالے کے وزیر اعظم ابوالقاسم فضل الحق صاحب نے سنہ ۱۹۳۹ء کے آخر میں فرد الزامات شائع کی جس میں ہر ایک الزامی واقعہ کی روئداد درج کرکے کانگریس والوں سے جواب طلب کیا اور گورنمنٹ سے ان کی تحقیقات کے لیے شاہی کمیشن مقرر کرنے کی استدعا کی گئی۔ بات کچھ اور بڑھنے والی نظر آتی تھی لیکن یہیں تک ہو کر ختم ہو گئی۔

۳ر ستمبر سنہ ۱۹۳۹ء کو یورپ میں جنگ شروع ہوئی اور انگریزی حکومت نے اہل ہند کے [illegible] کے بغیر اس جنگ میں ملک ہند کی شرکت کا اعلان کیا۔ کانگریس [illegible] نے اوّلاً انگریزوں سے اس جنگ کے مقاصد پوچھے پھر ۲۲ر اکتوبر سنہ ۱۹۳۹ء کو تمام وزارتوں کو مستعفی ہونے کی ہدایت کی وزارت کے مستعفی ہونے پر گورنر نے حکومت اپنے ذمے لے لی اور تادم تحریر یہی صورت قائم ہے (۲۰ جولائی سنہ ۱۹۴۳ء)

کانگریسی وزارت کے مستعفی ہونے پر مسلم لیگ کے زیر اثر ہر ایک صوبے میں مسلمانوں نے 'یوم نجات' کی خوشیاں منائیں۔

---

(۲۵) صوبہ بہار میں آل انڈیا مسلم لیگ کا جلسہ سنہ ۱۹۳۸ء

دسمبر سنہ ۱۹۳۸ء کے آخری ہفتے میں سید عبدالعزیز صاحب بیرسٹر کی سعی

سے آل انڈیا مسلم لیگ کا جلسہ منعقد ہوا جس میں ہند کے ہر ایک صوبے کے مسلمانوں نے شرکت کی۔ محمد علی جناح، سر سکندر حیات، سردار اورنگ زیب خاں اور فضل الحق کو دیکھنے کے لیے خلقت کا وہ ہجوم تھا کہ دو قدم راستہ چلنا دشوار تھا۔ اس موقع پر نمایش گاہ بھی تیار کی گئی تھی جس میں صوبہ بہار کے علاوہ دوسرے صوبوں سے بہتری اشیا نمائش کے لیے آئی تھیں۔ پٹنہ میں مسلمانوں کا ایسا مجمع کم تر دیکھنے میں آیا ہو۔

---

(۲۶) رام گڑھ میں آل انڈیا کانگرس کا جلسہ ۱۹۴۰ء

وزارت سے مستعفی ہونے پر صوبہ بہار کے کانگرسی لیڈروں نے چھوٹا ناگ پور کے علاقے میں کانگرس کا جلسہ کرنے کی تحریک کی۔ چھوٹا ناگ پور کے علاقوں میں زیادہ تر جنگلی قومیں مثل کول۔ سنتال۔ کھڑیا۔ اُراؤں اور بھوئیاں وغیرہ آباد ہیں جو ہند کے قدیم باشندوں کی یادگار سمجھی جاتی ہیں۔ کانگرس والوں نے ان میں کانگرسی خیالات پیدا کرنے کی غرض سے یا شاید اس سبب سے کہ رام گڑھ کے راجا نے کانگرس کی خرگاہ تیار کرنے کے لیے زمین اور کئی لاکھ بانس اور لکڑیاں بلامعاوضہ پیش کی تھیں۔ رام گڑھ کو اس جلسے کے لیے پسند کیا۔ ۱۹ مارچ ۱۹۴۰ء جلسے کا دن قرار پایا اور اس روز گاندھی جی، جواہر لال نہرو اور ابوالکلام آزاد صدر جلسہ اور مختلف صوبوں کے کانگرسی لیڈر اس مقام پر جمع ہو گئے۔ کانگرس والوں نے ناتجربے کاری سے اس جلسے کے لیے ایسی جگہ منتخب کی تھی جو نشیب میں واقع تھی۔ اتفاق سے عین جلسے کے

وقت سخت بارش ہوئی۔ چند منٹ میں حاضرین جلسہ ٹخنوں تک پانی
میں تتر بتر ہونے لگے۔ خطبہ صدارت بھی پڑھنے کی نوبت نہ آئی اور محض
رسمی طور پر جلسے کی کارروائیوں کی منظوری کا اعلان کر کے جلسہ برخاست ہوا۔

---

(۲۷) کانگرسی گروہ کا علی الرغم دوسرا جلسہ

کانگرس والوں نے بعض سابق کارروائیوں کے سبب کانگرس والوں
کا ایک گروہ گاندھی جی اور ان کے پیروں سے ناراض ہو گیا تھا۔ اس گروہ
کے لیڈر بابو سبھاس چندر بوس نے اسی روز رام گڑھ میں دوسرے مقام
پر علیحدہ جلسہ کیا۔ یہ جلسہ بارش شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو چکا تھا۔
اس لیے اس میں وہ بھگدڑ اور بے لطفی نہ ہوئی۔ بہر کیف یہ پہلا اتفاق
تھا کہ کانگرس میں پھوٹ پڑنے کے سبب علی الرغم دوسرا جلسہ منعقد ہوا۔

---

(۲۸) مردم شماری ۱۹۴۱ء

اس سال مردم شماری کی رپورٹ سے ظاہر ہوا کہ صوبہ بہار میں
مسلمانوں کی تعداد اکتالیس لاکھ چالیس ہزار تین سو تائیس (۴۱۴۰۳۲۷)
اور ہندوؤں کی تعداد دو کروڑ انسٹھ لاکھ پندرہ ہزار تیتالیس ہے۔
(۲۵۹۱۵۰۴۳)

---

(۲۹) دربھنگہ میں زنار بندی کی تقریب سنہ ۱۹۳۱ء

۶ر فروری سنہ ۱۹۳۱ء کو صوبہ بہار کے سب سے زیادہ دولت مند اور ہند کے سب سے بڑے زمین دار مہاراجا دربھنگہ نے اپنے بھتیجے ولی عہد کی زنار بندی کی۔ اس تقریب میں صوبے کے گورنر سر تھامس اسٹوارٹ اور چیف جسٹس پٹنہ ہائی کورٹ اور اکثر حکام اعلیٰ و رؤسا و مشاہیر مدعو تھے۔ ہند کے والیان ملک میں مہاراجا جے پور، مہاراجا دھول پور، مہاراجا کوچ بہار، مہاراجا تری پورہ اور مہاراجا مور بھنج بھی شریک تھے اور ان میں اکثر ہوائی جہاز کے ذریعے آئے تھے۔ مہمانوں کی تواضع میں لاکھوں روپے صرف کیے گئے اور کئی دن تک جشن ہوتا رہا۔ طرح طرح کے کھیل تماشے اور سینما دکھائے گئے۔ خلقت کا وہ ہجوم تھا کہ ریلوے کمپنی کو روزانہ متعدد گاڑیاں چلانی پڑیں۔ اس موقع پر متوفی مہارانی کی یادگار میں اہلِ دربھنگہ نے غریبوں کی بود و باش کے لیے جو گھر بنانے کی تجویز کی تھی اس کا بنیادی پتھر گورنر بہار نے رکھا۔

---

(۳۰) قصبہ بہار شریف اور اطراف میں شدید فساد سنہ ۱۹۳۱ء

۲۷ر اپریل سنہ ۱۹۳۱ء کو قصبہ بہار اور گرد و اطراف کے ہندوؤں نے مسلمانوں پر حملے کیے۔ اس فساد میں بے قصور مسلمان ہلاک ہوئے اور ان کے گھر لُٹ گئے۔ تمام واقعات کی تفصیل طوالت سے خالی نہ ہوگی۔ مختصر یہ ہے

کہ فساد کسی خاص محلے تک محدود نہ تھا بلکہ دیہاتوں میں بھی لوٹ مار کے لیے خفیہ ساز باز کا پتا ملتا ہے۔ وحشیانہ حرکتوں کی شدت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک ظالم نے ایک مسلمان بچی کو جس کی عمر چار سال کے قریب ہوگی ظالمانہ طور پر مار ڈالا۔ راقم کو معتبر لوگوں سے معلوم ہوا ہے کہ بعض غریب اور کس مپرس اشخاص مجبوریوں سے اپنی مظلومیت کی فریاد بھی حکام تک نہ پہنچا سکے۔ حکام ضلع کی کارروائی کا دارومدار اکثر ماتحتوں کی رپورٹ پر ہوتا ہے۔ وہ خود ذاتی طور پر لوگوں کے صحیح حالات و جذبات سے واقفیت رکھنے کے ذرائع نہیں رکھتے اور پیش بینی و پیش قدمی سے عاجز رہتے ہیں، لہذا فساد کا قبل از وقوع انسداد نہیں کیا جاتا۔ ۱۹۱۷ء میں ضلع آرہ کے فسادات کے بعد سے اس وقت تک ایسے کئی ہنگامے ہو چکے ہیں۔ اس سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ ہندو مسلم اتحاد کی امیدیں خواب پریشان ہو گئیں۔ اس سال ہندو مہاسبھا نے جلسے کے لیے شہر بھاگل پور کو منتخب کیا تھا لیکن وہاں بھی ہندو مسلم فساد رونما تھا۔ اس لیے گورمنٹ نے امتناعی احکام جاری کیے تھے۔

---

(۳۱) جدید تحریکات ۱۹۴۲ء

جنگ کے معاملے میں کانگرس نے گورمنٹ کی کوئی حمایت نہیں کی تھی اور مسلم لیگ نے مسلمانوں کو جنگ میں مدد دینے سے تو نہیں روکا لیکن لیگ والوں کو وائسرائے کی کونسل میں شریک ہونے سے باز رکھا تھا جس سے گورمنٹ کسی قدر حیص بیص میں پڑ گئی تھی اور بعض غیر کانگرسی لیڈر برٹش گورمنٹ کو توجہ دلا رہے تھے کہ موجودہ رکاوٹوں کو دور کرنے کے

لیے گورنمنٹ ہی کی جانب سے تحریک ہونی چاہیے۔ ان حالات کی بنا پر
برٹش گورنمنٹ نے اپریل سنہ ۱۹۴۲ء میں سر اسٹافورڈ کرپس کو جو روس میں
برٹش سفارت کے کام نہایت لیاقت اور کامیابی کے ساتھ انجام دے
چکے تھے۔ جدید تحریکات پیش کرنے کی غرض سے دہلی روانہ کیا۔ ان جدید
تحریکات کی رو سے صوبوں کو پوری آزادی حاصل ہوتی تھی، اور ہند کی
مرکزی حکومت کو بھی اختیار حاصل ہوتا تھا کہ برٹش حکومت کی متابعت
سے علیحدہ ہو سکے لیکن موجودہ جنگ کے ختم ہونے تک وائسرائے کی
کونسل کو وائسرائے کی متابعت لازمی تھی۔ کچھ عرصے تک گفتگو اور نامہ و
پیام ہونے پر کانگرس نے اس طرز حکومت کو قبول کرنے سے صاف انکار
کر دیا اور مسلم لیگ نے بھی اس بنا پر منظور نہ کیا کہ گورنمنٹ نے پاکستان کے
اصول کو صریحاً قبول نہ کیا تھا۔ بعض کانگرسی لیڈر ان تحریکات سے کوئی
اختلاف نہ رکھتے تھے لیکن گاندھی جی نے ان کا خیال بدل دیا۔ کانگرس
نے حال اور مستقبل کے فرق کو مٹا دینے پر اصرار کیا اور تمام اختیارات کا
فوری مطالبہ پیش کیا۔ سر اسٹافورڈ کرپس بے نیل مرام واپس گئے، اور
کانگرس والے حکومت کو معطل بنا دینے کی تدبیریں سوچنے لگے۔

---

(۴۴) کانگرسی لیڈروں کی گرفتاری پر باغیانہ فسادات ۱۹۴۲ء

۸ اگست سنہ ۱۹۴۲ء کو بمبئی میں آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے یہ اعلان کیا
کہ انگریزوں کو حکومت سے دست بردار ہو کر اس ملک سے نکل جانا چاہیے

اس کے بعد ہی وائسرائے کی کونسل کے فیصلے کے مطابق گاندھی جی اور دوسرے کانگرسی لیڈروں کی گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ ۹ اگست کو ان گرفتاریوں کی خبریں ریڈیو کے ذریعے سے پٹنہ میں وصول ہوئیں۔ کانگرسی اخباروں نے معاً خبر کے پرچے شائع کیے اور مقامی کانگرس والوں نے ہڑتال مچانے کی تدبیریں شروع کیں اور بہار نیشنل کالج کے طلبا نے انگریزی حکومت کے رویے پر اظہار نفرت کرتے ہوئے جلوس نکالا۔

۱۰ اگست کو پھر کانگرس والوں اور کالج کے طلبا نے زیادہ شدت کے ساتھ مظاہرے جاری رکھے اور عوام الناس کو ہڑتال مچانے پر ابھارا۔ ہندوؤں نے اپنی اپنی دکان بند کر دی اور بعض مسلمانوں نے نقض امن اور لوٹ مار کے اندیشوں سے دکانیں بند کر دیں۔ طلبا اور کانگرسی گروہ "انقلاب زندہ باد"، "ہندو مسلم ایک ہو"، "کرو یا مرو"، "انگریز نکل جاؤ ہمارا دیس ہمارا گھر ہم کو دو" اور از یں قبیل صدائیں بلند کرتے ہوئے گشت لگاتے رہے اور کچہریوں۔ دفتروں اور اسکولوں کی حاضری سے منع کرتے رہے۔

۱۱ اگست کو کانگریس والے اور کالج کے طلبا تخمیناً پانچ ہزار اشخاص کے گروہ کو ساتھ لے کر گورنمنٹ سکریٹریٹ (دیوان خانہ) پر قبضہ کرنے یا کانگرسی جھنڈا نصب کرنے کی غرض سے مشرقی دروازے پر پہنچ گئے۔ حکام اعلیٰ اور پولس افسر نے ان کو سمجھا بجھا کر اس حرکت سے باز رکھنے کی کوشش بلیغ کی تخمیناً ڈھائی تین گھنٹے تک گفت و شنید ہوتی رہی۔ آخر پانچ بجے شام کے قریب اس گروہ کو منتشر کرنے کے لیے سواروں کو دھاوا کرنے کا حکم دیا۔ سواروں نے گروہ کو منتشر اور پسپا کر دیا لیکن کچھ دور ہٹ کر اس گروہ نے جمعیت فراہم کر لی اور سکریٹریٹ کی طرف قدم بڑھائے۔ اور اس

اثنا میں پولس افسر اور سپاہیوں کو پتھر اور ڈھیلوں سے مضروب کیا۔ حکام نے پھر اس گروہ کو ہٹنے کی تاکید کی اور متواتر سمجھایا کہ نہ ہٹنے کی صورت میں گولیاں چلانے کا حکم دیا جائے گا مگر کانگرس والوں نے ایک نہ مانی اور آگے بڑھنے کا قصد ظاہر کیا۔ اب سپاہیوں نے حکم پاتے ہی گولیاں چلائیں۔ راقم کو معتبر اشخاص سے معلوم ہوا ہے کہ سات اشخاص بندوق کی گولیوں سے ہلاک ہوئے اور پچیس زخمی ہوئے۔ باقی گروہ نے منتشر ہو کر فی الفور فرار کیا۔

چند منٹ کے اندر اس واقعہ کی خبر شہر میں پہنچ گئی۔ جن لوگوں نے اب تک کاروبار جاری رکھا تھا دروازے بند کر کے گھروں میں گھس گئے اور تمام بازاروں میں شہر خموشاں کی سی خاموشی طاری ہو گئی۔

۱۲ اگست کو محلہ قدم گنگوان میں ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں انگریزی حکومت کے خلاف تقریریں کی گئیں۔ اس موقعہ پر کئی ہزار آدمی جمع ہو گئے تھے اور خلقت کا اس قدر ہجوم تھا کہ راستے میں آمد و رفت دشوار تھی۔ مقرروں کی پرجوش تقریروں سے متاثر ہو کر بعض اشخاص نے نازیبا حرکتیں شروع کر دیں۔ اور ہندستانیوں کے سر سے انگریزی ٹوپی اور گلے سے نکٹائی (رابطہ) چھین کر پھینک دی۔ بعض مسلمانوں نے مسلم لیگ والوں کو بھی کانگرس کا شریک حال ہو جانے کا مشورہ دینا چاہا لیکن پھر کچھ سوچ کر سکوت اختیار کیا۔

اب ہندوؤں نے ہر ایک جگہ آمد و رفت اور خبر رسانی کے راستے اور ذرائع مسدود و منہدم کرنے کے لیے تمام صوبے میں جا بجا ریل کی پٹریاں اکھاڑ دیں۔ ریل کے ڈبے توڑ ڈالے۔ انجنوں کو بزور گرا دیا۔ سڑکوں پر درختوں

کے تنے اور پتھروں کے ڈھیر لگا دیے۔ پلوں کو خراب کر دیا۔ تار توڑ ڈالے ڈاک خانوں اور تار گھروں کو لوٹ لیا اور آگ لگا دی۔ ریلوے کے گوداموں اور دفتروں کو لوٹ لیا۔ اسکولوں اور گورمنٹ اور میونسپلٹیوں کے دفاتر میں آگ لگا دی اور بعض بے قصور لوگوں کے گھر بھی لوٹ لیے۔ اس طائف الملوکی میں کچھ عرصے تک اہل شہر کو بازار سے کھانے کی چیزیں بھی دستیاب نہ ہو سکیں۔

ان واقعات کو دیکھ کر گورمنٹ نے شہر پٹنہ میں فوجی پہرے بٹھا دیے اور عام راستوں پر بغیر پاسپورٹ (تعریفہ) آمد و رفت ممنوع ہو گئی، گورے سپاہیوں نے شہر کی صفائی شروع کی اور جس کسی کو پایا بلا امتیاز اس کام میں شریک کر لیا۔ بعض معزز اور خطاب یافتہ اشخاص بھی جو اتفاقاً سامنے آگئے تھے گوروں کے ساتھ کام کرنے پر مجبور ہوئے۔ کچھ لوگوں نے شہر سے نکل کر دیہاتوں کی راہ لی اور سواریوں کا باقاعدہ انتظام نہ ہونے کے سبب سخت زحمتیں اٹھائیں۔ شہر اور اطراف پٹنہ کے علاوہ صوبے کے ہر ایک شہر اور سب ڈویژن سے اسی قسم کے واقعات کی اطلاعیں وصول ہوئیں۔ اور حسب ضرورت گورمنٹ نے ہر ایک مقام پر فوج کے دستے روانہ کیے۔ اور پولس اور فوج کے پہرے بٹھلائے۔ بایں ہمہ باغیوں نے سینکڑوں مقام پر ریلوے اسٹیشنوں، ڈاک خانوں، تار گھروں، سرکاری و نیم سرکاری دفتروں، اسکولوں اور تھانوں کو نقصان پہنچایا۔

اس قسم کے واقعات اور صوبوں میں بھی ہوئے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی شدت اور کثرت صوبہ بہار میں بہت زیادہ تھی بعض مقام پر ان ظالم باغیوں نے ایسی وحشیانہ حرکتیں کیں جن سے ہر ایک

نیک نفس انسان کا دل ہل جاتا ہے۔ انھوں نے ستیا مڑھی (ضلع مظفر پور) کے سب ڈویزنل افسر اور پولیس انسپکٹر کو مع دو چپراسیوں کے سر راہ گھیر کر محض اس جرم پر مار ڈالا کہ انھوں نے کانگرسی بننے سے انکار کیا تھا۔ صرف موٹر ڈرائیور جس کو انھوں نے اپنی دانست میں مار کر نالے میں چھوڑ دیا تھا کسی طرح زندہ بچ گیا۔ اسی ضلع میں ان شریروں نے بینا پور کے تھانے دار کو پکڑ کر اس پر کراسن تیل ڈال کر زندہ جلا دیا۔ اور ضلع پورنیہ میں روپولی کے تھانے دار اور دو کانسٹبلوں کو بھی جلا دیا اور پٹنہ کے قریب ہی ریل کے مسافروں میں ہوائی جہاز کے دو افسروں کو جو ملک کینڈا (امریکہ) کے رہنے والے تھے وحشیانہ طور پر مار ڈالا۔

ریلوے پر باغیوں نے جو حملے کیے ان کی مدافعت کے سلسلے میں گورمنٹ نے ہوائی جہازوں سے بھی مشین گن چلوائی۔ ضلع پٹنہ میں گریک کے قریب (بہار شریف سے بارہ میل دکھن) اور ضلع مونگیر میں پرسرا ہ اور مہیش کھونٹ اسٹیشنوں کے درمیان اور ضلع بھاگل پور میں بھاگل پور اور صاحب گنج کے درمیان باغیوں کے گروہ پر ہوائی جہازوں سے مشین گنیں چلائی گئیں۔

بہرکیف یہ فساد کوئی معمولی فساد نہ تھا۔ باغیوں کو غالباً خفیہ طریقے پر یہ معلوم تھا کہ ان کو کیا کرنا ہے کیوں کہ ہر ایک صوبے میں اور ہر ایک مقام پر ایک ہی قسم کی حرکتیں عمل میں آئیں۔ گورمنٹ گاندھی جی اور کانگرسی لیڈروں کو ان فسادات کا بانی مبانی ٹھیراتی ہے۔ کانگرسی لیدر اس وقت قید میں ہیں اس لیے ان کا بیان تو معلوم نہیں لیکن گاندھی جی کے جو خطوط وائسرائے کے پاس گئے تھے ان سے ظاہر ہے کہ وہ خود کو اور کانگرس

کو قابلِ الزام سمجھنے سے انکار کرتے ہیں۔

نادان باغیوں نے شاید یہ سمجھا تھا کہ موجودہ جنگ کی کش مکش میں ان فسادات سے گھبرا کر گورنمنٹ کانگرس کی بات مان لینے پر مجبور ہوگی۔ لیکن ہر ذی شعور جانتا ہے کہ ایسے ہنگاموں سے نقصان کے سوا کوئی کامیابی نہیں ہو سکتی خصوصاً اس حالت میں کہ سرکاری ملازم اور پولس اور فوج اور ملک کی دوسری قومیں باغیوں کے ساتھ نہ تھیں اور مسلمان من حیث قوم ان کی تحریکوں سے قطعاً الگ ہیں۔

باغیانہ حرکات اور جرائم کا سلسلہ مہینوں تک جاری رہا لیکن ۲۲ ستمبر ۱۹۴۲ء سے صوبے میں عام طور پر امن کی صورت نظر آنے لگی اور اسی تاریخ کو شہر سے فوجی پہرہ اور پابندیاں اٹھا دی گئیں۔

---

(۳۳) موجودہ حالات ۱۹۴۳ء

فی الحال ہر ایک مقام پر حکام کی تمام توجہ جنگ میں ہر ایک طرح کی امداد دینے پر مبذول ہو رہی ہے۔ ملک ہند اب تک میدانِ جنگ نہیں بنا ہے لیکن ملک برہما، سنگاپور اور جزائر انڈمان پر قابض ہونے کے بعد جاپانیوں نے کلکتہ، چاٹگام اور خلیج بنگالہ کے بعض ساحلی مقاموں پر ہوائی جہاز سے گولے گرا کر کچھ مکانوں کو نقصان پہنچایا اور بعض بے قصور لوگوں کو ہلاک کیا ہے۔ اور صوبہ آسام کی سرحد پر بھی چھیڑ چھاڑ کی ہے۔ ان واقعات سے ظاہر ہے کہ جاپان والے اس ملک پر بھی چڑھائی کرنے کا قصد رکھتے ہیں لیکن اب تک جرأت نہ کر سکے۔ بہرکیف صوبہ بہار بھی

اس خطرے سے بہت قریب ہی۔

بعض اہل الرائے کا گمان ہی کہ غیر مسلم فرقوں میں کچھ اشخاص ایسے بھی ہیں جو جاپان کی حکومت کو مددگار بنا کر انگریزی حکومت کا استیصال کرنا چاہتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ ناخدا شناس اور ناخدا ترس جاپانیوں سے بھلائی کی کوئی توقع ہو ہی نہیں سکتی اور اہلِ چین چھے برس سے ان کی شرارتوں کا تلخ تجربہ اٹھا رہے ہیں۔ عوام الناس کو اس کا بھی یقین ہی بابو سبھاس چندر بوس کلکتہ سے خفیہ فرار کرکے جرمنوں اور جاپانیوں کی پناہ میں ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس سال گورمنٹ نے تانبے کے نئے پیسے جاری کیے جو سابق پیسے سے چھوٹے ہیں اور ان کے بیچ میں گول سوراخ ہی۔

صوبہ بہار میں مسٹر یونس پھر اپنی وزارت قائم کرنے کے لیے سلسلہ جنبانی کر رہے ہیں لیکن اب تک کوئی کامیابی کی امید نہیں بندھی ہی۔

۱۲ مئی ۱۹۴۳ء کو اور صوبوں کی طرح صوبہ بہار میں بھی تونس کی فتح کی خوشیاں منائی گئیں۔ خاص پٹنہ میں کچھ زیادہ دھوم دھام مچی اور غربا کو کپڑے بھی تقسیم کیے گئے۔

ملک میں نہ کوئی جنگ واقع ہوئی ہی اور نہ قحط لیکن خلقت ایسی تباہ حال ہو رہی ہی جس کی مثال پہلے کبھی دیکھنے یا سننے میں نہیں آئی تھی۔ غربا میں کثیر تعداد ایسے اشخاص کی ہی جو دو دن میں ایک وقت کھانا مل جانے کو غنیمت جانتے ہیں۔ چاول تیرہ آنے کو ایک سیر اور آٹا دس آنے کو ایک سیر ملتا ہی۔ غریب مزدور جو آٹھ دس آنے روزانہ مزدوری کرتے ہیں اپنے اہل و عیال کی پرورش سے عاجز نظر آتے ہیں۔ کپڑے بھی اس قدر گراں ہیں کہ غربا تو درکنار اوسط درجے کی حیثیت والے بھی پھٹے پرانے

کپڑوں پر گزارا کر رہے ہیں۔ گورمنٹ نے جا بجا سرکاری ملازموں اور عوام الناس کے لیے غلّے کی دُکانیں بھی کھلوائی ہیں۔ لیکن ہر ایک متنفس ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور جس غریب کے پاس کچھ سرمایہ باقی نہ رہا ہو اس کے لیے فاقہ مستی کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ شہروں میں روزانہ فاقوں سے موتیں بھی ہو رہی ہیں اور دیہاتوں کا بھی یہی حال ہے۔

ان مصیبتوں کے بہت سے اسباب ہیں جن میں راقم کے خیال میں ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ابتدا میں گورمنٹ نے چیزوں کا نرخ مقرر کیا اس کو دیکھ کر مہاجنوں اور آڑھت والوں نے غلّے خرید کر گھروں میں چھپانا شروع کر دیا اور نرخ کو گراں کرنے کی تدبیریں کرنے لگے۔ یقین ہے کہ اس وقت بھی ہر ایک جنس کثیر مقدار میں لوگوں نے چھپا رکھی ہے جس کا پتا لگانے سے گورمنٹ عاجز ہے۔

ایک بڑی مصیبت یہ آپڑی ہے کہ بازاروں میں رُپیہ کا خردہ نہیں ملتا۔ کچھ عرصے سے گورمنٹ نے اڈورڈ ہفتم اور جارج پنجم کے رُپی کا رواج اٹھا دیا ہے لیکن ان رُپیوں میں چاندی کی مقدار زیادہ ہے اور فی الحال چاندی گراں قیمت ہو گئی ہے اس لیے مہاجنوں نے ان رُپیوں کو بھی چھپا رکھا ہے بلکہ راقم کو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بعض مہاجن اپنے ملازموں کو رُپی کے خُردے لے کر دیہاتوں میں اس غرض سے بھیجتے ہیں کہ پُرانے رُپی بارہ آنے کو خرید لائیں اور یہی رُپی زیورات بنانے کے لیے سُناروں کے ہاں چاندی کی قیمت پر فروخت کیے جاتے ہیں۔ رُپی کا خردہ نہ ملنے کے سبب خرید و فروخت نہایت دشوار ہو گئی ہے۔ بلکہ ریل کا ٹکٹ لینے میں بھی سخت دقّت پیش آتی ہے۔

(۳۴) خاتمہ

الحمد للہ کہ اس کتاب میں ۶۴۲ سنہ قبل مسیح سے ۱۹۴۳ء مطابق ۱۳۶۲ھ تک مگدھ پاٹلی پتر، بہار و عظیم آباد پٹنہ کے سلسلے وار تاریخی حالات اتمام کو پہنچے اور راقم کی بارہ برس کی محنت ٹھکانے لگی۔ موجودہ زمانے میں ہر گوشے کے حالات روزانہ اخباروں کے ذریعے سے معلوم ہوتے رہتے ہیں اور سال بہ سال ضروری حالات سرکاری رپورٹوں میں شائع کیے جاتے ہیں لیکن گزشتہ واقعات کے متعلق ایسی کوئی تاریخی کتاب موجود نہ تھی جس میں ہمارے صوبے کے مکمل تاریخی حالات مستند تاریخوں کے حوالے سے مرتب کیے گئے ہوں۔

شیریں تر از حکایتِ ما نیست قصۂ
تاریخ روزگار سراپا نوشتہ ایم

راقم
فصیح الدین بلخی

کتب جن کے حوالے سے تاریخ مرتّب کی گئی ہے

(۱) طبقات ناصری (ابوعمر منہاج الدین سراج جوزجانی) مطبوعہ اشیاٹک سوسائٹی بنگالہ ۱۸۶۴ء

(۲) تاریخ سالار مسعود غازی مطبوعہ نول کشور لکھنؤ

(۳) تاریخ آئینۂ اودھ مولفہ سید ابوالحسن

(۴) تاریخ فیروز شاہی مولفہ ضیاء الدین برنی مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگالہ ۱۸۶۲ء

(۵) تاریخ فیروز شاہی مولفہ شمس سراج عفیف (ایضاً) ۱۸۸۰ء

(۶) وسیلۂ شرف مولفہ شاہ فرزند علی صوفی منیری

(۷) تذکرۃ الکرام مولفہ شاہ کبیر الدین احمد داناپوری

(۸) آثار شرف مولفہ قاضی سید نور الحسن

(۹) تاریخ فرشتہ مولفہ محمد قاسم فرشتہ مطبوعہ لکھنؤ

(۱۰) اکبر نامہ مولفہ علامہ ابوالفضل ایضاً

(۱۱) آئین اکبری ایضاً ایضاً

(۱۲) منتخب التواریخ مولفہ عبدالقادر بداؤنی مطبوعہ اشیاٹک سوسائٹی بنگالہ جلد ۱ ۱۸۶۸ء و جلد ۲ ۱۸۶۵ء

(۱۳) طبقات اکبری مولفہ خواجہ نظام الدین احمد بخشی مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگالہ

(۱۴) ماثر الامرا مولفہ شہنواز خاں مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگالہ

(۱۵) تزک جہاں گیری مطبوعہ منشی نول کشور لکھنؤ

(۱۶) جہاں گیر نامہ مولفہ معتمد خان ایضاً

(۱۷) بادشاہ نامہ مولفہ مُلا عبدالحمید لاہوری مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال

(۱۸) عمل صالح (شاہ جہاں نامہ) مولفہ محمد صالح کنبو مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال

(۱۹) عالم گیرنامہ مولفہ محمد کاظم بن محمد امین بخشی مطبوعہ ایضاً سنہ ۱۸۶۵ء

(۲۰) ماثر عالم گیری مولفہ مستعد خان مطبوعہ ایضاً سنہ ۱۸۷۱ء

(۲۱) منتخب اللباب مولفہ ہاشم خاں (خافی) مطبوعہ ایضاً سنہ ۱۸۶۹ء

(۲۲) سیر المتاخرین مولفہ غلام حسین خان طباطبائی مطبوعہ لکھنو

(۲۳) ریاض السلاطین مولفہ غلام حسین خاں زید پوری مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال

(۲۴) شاہ عالم نامہ مولفہ غلام علی خان مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال

(۲۵) تذکرہ صادقہ مولفہ مولوی عبدالرحیم صادق پوری

(۲۶) کتاب مہابھارت چھاپ کلکتہ

اور کتابوں کے نام اصل مضمون کے ساتھ پائے جائیں گے۔
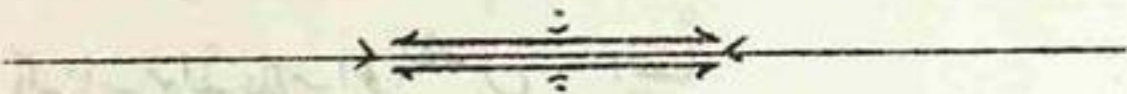
15. Martins Eastern India (Published 1838)

16. District Gazetteer, Patna by Omally (1924)

17. Twenty-eight years in India by W. Taylor

18 Journal of the B & O Research Society 1915, 1918, 1925.

19. Eucylopaedia Britanica 11th. Ed.

20. Dynasties of the Kaliyug by F. E. Pargiter (1913)

21. History of Bengal Bihar & Orissa under British Rule by Omally (1926)

22. Memoirs of Gaur & Pandia by K. S. Abid Hosain Khan, Edited by Staplaton M. A.

23. Coins of India by C. J. Brown.

24. History of India as told by its own historians by Elliot & Dawson.

25. Chotanagpur by Bradly Birt I. C. S.

26. History of Aurangzeb by Sir J. N. Sarkar.

27. 'Asoka' by V. A. Smith (1920)

ENGLISH BOOKS

1. Budhist India by Dr. T. W. Rhys Davids L. Ld., Ph. D. 5th. Ed. 1917.
2. Early History of India by Dr. V. A. Smith (1924)
3. Ancient Geography of India by Gen. Sir A. Cunningham.
4. Dialogues of Budha (T. W. Rhys Davids)
5. Ancient India as described by Megasthanes & Arrian by J. W. Mc. Crindle M. A.
6. On the Travles of Yunan Chwang by T. Watters.
7. Discovery of the exact site of Asoka's classical capital of Pataliputra by Lt. Col Waddel (1912)
8. Budhist Records of the Western world by Prof. Beal.
9. Fa Hian's Travels by Prof. G. Lagge (1886)
10. Stewart's History of Bengal.
11. Taverner's Travels (Published London 1684)
12. Travels in the Moghal Empire by Francoi Bernier
13. Early British Administration of Bihar by R. Hand.
14. Early Revenue History of Bengal & Fifth Report by F. D. Ascoli M. A.